فِقہ المسیح

مرتبہ

انصار احمد نذر

(صدر شعبہ فقہ جامعہ احمدیہ ربوہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

”ھوالناصر“

فِقہ المسیح

شریعت کے اصول اور فقہی مسائل سے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات

مرتبہ

انصار احمد نذر

(صدر شعبہ فقہ جامعہ احمدیہ ربوہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرض حال

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت واجازت سے حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فتاویٰ جو مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے گئے حضور علیہ السلام کی کتب اور ملفوظات میں مندرج ہیں ان کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جار ہا ہے۔

مسیح موعود کے لئے پہلے سے خبر دی گئی ہے کہ وہ اسلام کے مختلف فرقوں اور تمام دنیا کے لئے حکم ہوکر آئے گا اور اپنے تمام قول اور فعل میں عادل ہوگا۔

حضرت امام الزماں فرماتے ہیں:۔

اب تم خود یہ سوچ لو اور اپنے دلوں میں فیصلہ کرلو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود، حکم، عدل مانا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کرلیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حکم ہے تو پھر اس کے حکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کافی ہے۔ وہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہوگا۔ وہ حکم عدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوتی تو کب ہوگی۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۵۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فتاویٰ کی الگ کتابی صورت میں اشاعت سے غرض یہ ہے

کہ تا احباب کو دینی اور فقہی مسائل کے بارہ میں یکجائی طور پر ارشادات پڑھنے اور جاننے میں آسانی ہو اور بوقت ضرورت اس کی تلاش کی سہولت میسر ہو۔ یہ ایک قیمتی اور گرانقدر سرمایہ ہے جو مشعل راہ ہے۔ اگر اس سے کما حقہ استفادہ کیا جائے تو کتاب اللہ کے احکامات اور اسوہ رسول کی پیروی واطاعت اور مامور زمانہ کی تعلیمات کو جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات کو دلنشیں کرنے اور حرز جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کی سعادت بخشے۔ آمین

اس کتاب کی ترتیب و تحقیق اور تدوین کا جملہ کام محترم انصار احمد نذر صاحب استاذ الجامعہ نے سرانجام دیا۔ انہوں نے بڑے شوق اور محنت اور احتیاط سے اس کی تکمیل کی۔ آپ جامعہ احمدیہ میں فقہ کے استاد ہیں اس لحاظ سے مواد کے اخذ و اختیار میں بڑی احتیاط اور توجہ دی ہے۔ یہ مسوّدہ محترم مولانا مبشر احمد کاہلوں کو دکھایا گیا آپ نے محترم فضل احمد ساجد صاحب مربی سلسلہ دارالافتاء کے بنظر غائر مطالعہ اور ان کی آراء کو ملاحظہ فرما کر بڑے مفید مشوروں سے نوازا۔ مؤلف نے ان سے فائدہ اٹھایا، ان کو ملحوظ رکھ کر نظر ثانی کی۔ **فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء**

خالد مسعود

ناظر اشاعت

فہرست عناوین فقہ المسیح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے حَکَم عَدل بنا کر بھیجا جب امت مسلمہ باہمی افتراق و انتشار کا شکار تھی اور تمام غیر مذاہب اسلام پر حملہ آور تھے اور وہ مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی پستی کا فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر رہے تھے۔

وہ امت واحدہ جو جسد واحد کی طرح تھی لیکن باہمی اختلافات کی وجہ سے بہتّر فرقوں میں بٹ چکی تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ اختلاف کی وجوہ بنیادی اصول میں نہیں بلکہ فروعی مسائل تھے۔

خدا کا کلام قرآن کریم اللہ کی رسّی کی شکل میں موجود تو تھا مگر باہمی تنازعات کی وجہ سے ہر فرقہ الگ الگ تفسیر کرتا تھا۔ فقہی اور مسلکی اختلافات میں شدّت آ چکی تھی۔ باوجود اس کے کہ گزشتہ بارہ تیرہ سو سال سے فقہی مذاہب نہروں کی شکل میں ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے اور ان میں باہمی بحث مباحثے اور مناظرے بھی ہوتے تھے تاہم اس دور میں ہر کوئی اپنے آپ کو اپنے اپنے مؤقف میں قلعہ بند کر چکا تھا اور دوسروں کی بات سننے کا بھی روادار نہیں تھا۔ اس صورتحال کو حضرت مسیح موعودؑ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

’’اِفْتَرَقَتِ الْأُمَّةُ، وَتَشَاجَرَتِ الْمِلَّةُ فَمِنْهُمْ حَنْبَلِيٌّ وَشَافِعِيٌّ وَ مَالِكِيٌّ وَحَنَفِيٌّ وَحِزْبُ الْمُتَشَيِّعِيْنَ ـ وَ لَا شَكَّ اَنَّ التَّعْلِيْمَ كَانَ وَاحِدًا وَّلٰكِنِ اخْتَلَفَتِ الْاَحْزَابُ بَعْدَ ذَالِكَ فَتَرَوْنَ كُلَّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحِيْنَ ـ وَ كُلُّ فِرْقَةٍ بَنٰى لِمَذْهَبِهٖ قَلْعَةً وَلَا يُرِيْدُ أَنْ يَّخْرُجَ مِنْهَا وَلَوْ وَجَدَ اَحْسَنَ مِنْهَا صُوْرَةً وَكَانُوْا لِعَمَاسِ اِخْوَانِهِمْ مُتَحَصِّنِيْنَ

فَاَرْسَلَنِیَ اللّٰہُ لِأَسْتَخْلِصَ الصِّیَاصِی وَأَسْتَدْنِیَ الْقَاصِی، وَاُنْذِرَ الْعَاصِی، وَیَرْتَفِعَ الْاِخْتِلَافُ وَیَکُوْنَ الْقُرْآنُ مَالِکَ النَّوَاصِی وَ قِبْلَةَ الدِّیْنِ.'' (آئینہ کمالاتِ اسلام۔روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 559،560)

ترجمہ: امتِ مسلمہ افتراق وانتشار کا شکار ہوگئی ہے ان میں سے بعض حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی اور شیعہ بن گئے ہیں۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں تعلیم تو ایک ہی تھی لیکن بعد میں کئی گروہ بن گئے اور ہر گروہ اپنے نقطہ نظر پر خوش ہوگیا۔

ہر فرقہ نے اپنے اپنے مذہب کو ایک قلعہ بنا رکھا ہے اور وہ اس سے باہر نکلنا نہیں چاہتے ،خواہ دوسری طرف انہیں بہتر صورتحال ملے اور وہ اپنے بھائیوں کی بے دلیل باتوں پر ڈٹ جاتے ہیں۔پس اللہ نے اس صورتحال میں مجھے بھیجا تا کہ میں ایسے قلعوں سے انہیں باہر نکالوں اور جو دور ہوچکے ہیں انہیں نزدیک لے آؤں اور نافرمانوں کو ہوشیار کردوں اور اس طرح اختلاف رفع ہوجائے اور قرآن کریم ہی پیشانیوں کا مالک اور دین کا قبلہ بن جائے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام امتِ مسلمہ کے افتراق اور انتشار اور گمراہی کے دور میں خدا کی طرف سے مامور بن کر آئے۔ چنانچہ آپ نے خدا کے حکم سے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں ہی وہ موعود مسیح اور مہدی ہوں جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر رکھی ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء کی یہ مشہور حدیث دراصل آپ کے بابرکت وجود کے بارہ میں ہی تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ أَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا، فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا

يَقْبَلُهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا ‘‘

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسی بن مریم حدیث نمبر 3448)

ترجمہ: اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ ابن مریم حَکَم عدل بن کر تم میں نازل ہوں، وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور مال اس کثرت سے ہوگا کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا حتّٰی کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو جائے گا۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ کی روایت میں **حَکَمًا مُقسِطًا** اور **اِمَامًا عَدْلًا** کے الفاظ آئے ہیں یعنی منصف مزاج حَکَم اور عادل امام۔

(سنن ابن ماجه کتاب الفتن باب فتنة الدجال وخروج عیسی بن مریم)

پیشگوئی کے عین مطابق آپ نے دعویٰ فرمایا کہ

’’میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں۔ ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا کہ مقلّد غیر مقلّدوں کی غلطیاں نکالتے اور وہ اُن کی غلطیاں ظاہر کرتے اور اس طرح پر دوسرے فرقے آپس میں درندوں کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے ایک دوسرے کو کافر کہتے اور نجس بتاتے تھے۔ اگر کوئی تسلّی کی راہ موجود تھی تو پھر اس قدر اختلاف اور تفرقہ ایک ہی قوم میں کیوں تھا؟ غلطیاں واقع ہو چکی تھیں اور لوگ حقیقت کی راہ سے دور جا پڑے تھے۔ ایسے اختلاف کے وقت ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ خود فیصلہ کرتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک حَکَم ان میں بھیج دیا۔‘‘

(الحکم 30 ستمبر 1904ء صفحہ 2،3)

امت مسلمہ کے مسلکی اور فقہی اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حَکَم غیر جانبدار ہو۔ اگر حَکَم پہلے سے کسی فرقہ کی طرف منسوب ہو یا اپنے آپ کو مطیع اور مقلّد کہتا ہو تو پھر اس کا فیصلہ کون تسلیم کرتا۔ فرمایا

’’ہم بطور حَکَم کے آئے ہیں کیا حَکَم کو یہ لازم ہے کہ کسی خاص فرقہ کا مرید بن جاوے۔ بہتّر فرقوں میں سے کس کی حدیثوں کو مانے۔ حَکَم تو بعض احادیث کو مردود اور متروک قرار دے گا اور بعض کو صحیح۔‘‘

(الحکم 10 فروری 1905ء صفحہ ۴)

ایک اور جگہ فرمایا

’’آنے والے مسیح کا نام حَکَم رکھا گیا ہے۔ یہ نام خود اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت غلطیاں ہوں گی اور مختلف الرائے.... لوگ موجود ہوں گے۔ پھر اُسی کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ اگر اسے ہر قسم کی باتیں مان لینی تھیں تو اس کا نام حَکَم ہی کیوں رکھا گیا؟

(الحکم 17 نومبر 1902ء صفحہ 2)

آپؑ نے بتایا کہ حَکَم دراصل حرم کے مشابہہ ہے جس کا کام لوگوں کو اختلافات سے بچا کر امن دینا ہے۔ فرمایا

اللہ نے اپنے ایک بندے کو بھیجا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان حَکَم بن کر فیصلہ کردے جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ وہ اسے فاتح قرار دیں اور وہ اس کی ہر بات اچھی طرح تسلیم کرلیں اور اس کے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور یہ وہی حَکَم ہے جو (خدا کی طرف سے) آیا ہے۔....

اے لوگو! تم مسیح کا انتظار کرتے تھے اور اللہ نے جس طرح چاہا اُسے ظاہر کردیا۔ پس اپنے چہروں کو اپنے رب کی طرف پھیرلو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تم احرام کی حالت میں شکار نہیں کرتے تو اب تم اپنی متفرق آراء کی پیروی کس طرح کرسکتے ہو جبکہ تمہارے پاس حَکَم موجود ہے☆۔

(☆ حاشیہ: متفرق آراء پرندوں کے مشابہہ ہیں جو ہوا میں ہوتے ہیں اور حَکَم اس امن والے حرم کے مشابہہ ہے جو غلطیوں سے امن دیتا ہے جس طرح اللہ کی

مقدس سرزمین کی عزت کی خاطر حرم میں شکار منع ہے اسی طرح متفرق آراء کی پیروی...... اس حَکَم کی موجودگی کی وجہ سے حرام ہے۔ وہ حَکَم جو معصوم ہے اور خدائے عزّ و جلّ کی طرف سے حَرم کی جگہ پر ہے۔ اب ادب کا تقاضا ہے کہ ہر بات اس کے سامنے پیش کی جائے اور اُسی کے ہاتھوں سے ہی اب ہر چیز وصول کی جائے۔)

(الھُدٰی و التبصرۃُ لِمَن یَریٰ ۔روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 338، 339۔عربی سے ترجمہ)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امت مسلمہ کی ہر پہلو سے رہنمائی فرمائی اور جن عقائد اور اعمال میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا ان کی اصلاح فرمائی۔ آپؑ کی بعثت کے وقت امت مسلمہ مختلف فرقوں اور جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی اور فقہی اختلافات کے لحاظ سے بھی بہت شدّت آ چکی تھی اور برصغیر پاک و ہند میں حنفی اور غیر حنفی کی تقسیم واضح صورت اختیار کر چکی تھی۔ حنفی اپنے حنفی ہونے پر فخر کرتے تھے اور دین میں اجتہاد کے راستے کو از خود بند کر چکے تھے اور اپنے ائمہ کی فخریہ تقلید کرتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف اہلحدیث فرقہ، حنفیوں کی سخت مخالفت کرتا تھا اور فروعی مسائل میں باہمی مباحثے ہوتے تھے۔ اہلحدیث موحّد کہلاتے تھے اور حدیث کی اہمیت اور درجے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے اور بخاری اور مسلم کو عملاً قرآن کے برابر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر دو گروہوں کی اصلاح فرمائی اور انہیں صحیح راستہ دکھایا۔ فرمایا

”جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں (بخاری و مسلم۔ناقل) کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں! لیکن ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بیّنہ شرعیہ کو چھوڑ

کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہوسکتا کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں؟ حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے؟ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلاشرط صحیح خیال کر بیٹھے ہیں؟اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے؟''

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 20،21)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ماموز زمانہ کی حیثیت سے ایک نیا فقہی اسلوب دیا جو فقہ احمدیہ کی بنیاد بنا۔آپ کے فقہی اسلوب کے بنیادی خدّ وخال ،آپ کی تحریرات اور ملفوظات میں ہمیں ملتے ہیں۔آپ نے اصول اور مسائل فقہ میں ہر پہلو سے ہماری رہنمائی فرمائی اور میزان اور اعتدال کا راستہ دکھایا اور صراط مستقیم پر ہمیں قائم فرمایا۔آپؑ کے فقہی اسلوب کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔قرآن کریم ہی اصل میزان، معیار اور مِحَک ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں شریعت کی اصل بنیاد پر نئے سرے سے قائم فرمایا اور خدا کی اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت کی جسے لوگ چھوڑ چکے تھے۔چنانچہ آپ نے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے یہ رہنمائی فرمائی کہ قرآن کریم ہی میزان، معیار اور مِحَک ہے۔فرمایا:

''کتاب وسنت کے **حجج شرعیہ** ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ **مقدم اور امام** ہے۔جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطور **حجت شرعیہ** کے قبول کئے جائیں گے لیکن جو معانی

نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے‘‘

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 11، 12)

2. سنّت اور تعامل کی حجیّت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حدیث کی صحت کو پرکھنے کے لئے قرآن کریم کو معیار قرار دیا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے اس موضوع پر آپ کا ایک مباحثہ ہوا جو ’’الحق مباحثہ لدھیانہ‘‘ کے نام سے روحانی خزائن جلد 4 میں موجود ہے۔ آپ نے حدیث کے صحیح مقام کو واضح کیا اور بتایا کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ سنت الگ چیز ہے اور حدیث الگ چیز۔ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش کا نام ہے جو تعامل کے رنگ میں امتِ مسلمہ میں مسلسل جاری رہی ہے اس لئے ہم اسے نہایت اہمیت دیتے ہیں اور اس کے بارہ میں یہ معیار قرار نہیں دیتے کہ اسے قرآن کریم پر پرکھا جائے۔ ہاں حدیث کو قرآن کریم پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

سنت اور حدیث کا فرق واضح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

’’ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدّثین کا طریق ہے بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز ہے۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیل

الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔''

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 209، 210)

نیز فرمایا

''ان لوگوں کو یہ غلطی لگی ہوئی ہے کہ سنت اور حدیث کو ایک ہی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں الگ ہیں اور اگر حدیث جو آپؐ کے بعد ڈیڑھ سو دوسو برس بعد لکھی گئی نہ بھی ہوتی تب بھی سنت مفقود نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ یہ سلسلہ تو جب سے قرآن نازل ہونا شروع ہوا ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور حدیث وہ اقوال ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے اور پھر آپ کے بعد دوسری صدی میں لکھے گئے۔'' (الحکم 17 نومبر 1902ء صفحہ 2)

حضرت مسیح موعودؑ نے حدیث کے مقابلے میں سنت اور تعامل کو بڑی اہمیت دی اور فرمایا:۔

''یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ سلسلہ تعامل کی وجہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔''

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 26)

آپ نے سنت اور تعامل کے باہمی تعلق کو واضح کر کے دکھایا اور سنت کی زیادہ اہمیت کی وجہ بتائی کہ اُسے سلسلہ تعامل نے حجت قوی بنا دیا ہے۔ فرمایا

''احادیث کے دو حصّہ ہیں ایک وہ حصّہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل

طور پر آ گیا ہے یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔''

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 35)

3۔ انسانی اجتہاد پر حدیث فضیلت رکھتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک طرف قرآن کریم کو حدیثوں کے پرکھنے کے لئے معیار قرار دیا اور سنت اور تعامل کو حدیث پر فوقیت دی اور اسے قطعی اور یقینی درجہ دیا۔ دوسری طرف محدثین کے خود ساختہ معیار کے مطابق ضعیف قرار دی جانے والی احادیث کو بھی انسان کے اجتہاد اور فقہ پر ترجیح دی کیونکہ بہرحال وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتی ہیں اس حوالے سے آپ نے اپنی جماعت کو مندرجہ ذیل نصیحت فرمائی۔

فرمایا:

''ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔''

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 212)

4۔ شریعت کی اصل روح کا احیاء

حضرت مسیح موعودؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا:

'' يُحْيِ الدِّيْنَ وَيُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ ''

ترجمہ: وہ دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 79)

اس الہام میں یہ پیغام دیا گیا کہ آپؑ کے ذریعے دین کا احیاء ہوگا اور شریعت کو اصل شکل میں قائم کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے شریعت کے منافی تمام باتوں کی مناہی فرمائی اور انہیں بدعات قرار دے کر اپنی جماعت کو ان سے بچنے کی نصیحت کی۔ فرمایا

”کتاب اللہ کے برخلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب بدعت ہے اور سب بدعت فی النار ہے۔ اسلام اس بات کا نام ہے کہ بجز اس قانون کے جو مقرر ہے ادھر اُدھر بالکل نہ جاوے۔ کسی کا کیا حق ہے کہ بار بار ایک شریعت بناوے۔...

ہمارا اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سنت کے سِوا نہیں۔

(البدر 13 مارچ 1903ء صفحہ 59)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا

”پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمال صالحہ کی بجائے قِسم قِسم کے ذکر اذکار نکال لینا یہ لذتِ روح کے لئے نہیں ہے بلکہ لذتِ نفس کے لئے ہے۔“

(الحکم 31 جولائی 1902ء صفحہ 8)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو ہر طرح کی بدعات سے منع کرتے ہوئے اصل سنت کو اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ چنانچہ آپؑ نے قل خوانی، فاتحہ خوانی، چہلم، مولود خوانی، تصورِ شیخ، اسقاط، ختم، دسویں محرّم کی رسوم سمیت سب بدرسوم سے اپنی جماعت کو بچنے کی نصیحت فرمائی اور خدا اور رسولؐ کی محبت کو دل میں پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور صرف ظاہری مسائل پر ہی ضرورت سے زیادہ توجہ دینے کے انداز کو ناپسند فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے ایمان دلوں میں قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

صرف ظاہری مسائل پر ہی عمل کرنا اور حقیقت کو نہ سمجھنا یہ بڑی غلطی ہے۔ مجھے خدا نے مجدّد بنا کر بھیجا ہے جو وقت کی ضرورت کے مطابق رہنمائی کرتا ہے۔ فرمایا

''مجدد جو آیا کرتا ہے وہ ضرورت وقت کے لحاظ سے آیا کرتا ہے نہ استنجے اور وضو کے مسائل بتلانے۔''　　(الحکم 19 مئی 1899ء صفحہ 4)

اسی طرح آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا

''یہ عاجز شریعت اور طریقت دونوں میں مجدّد ہے۔ تجدید کے یہ معنے نہیں ہیں کہ کم یا زیادہ کیا جاوے۔ اس کا نام تو نسخ ہے بلکہ تجدید کے یہ معنے ہیں کہ جو عقائد حقّہ میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد اُن کے ساتھ لگ گئے ہیں یا جو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں سُستی وقوع میں آ گئی ہے یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے طرق اور قواعد محفوظ نہیں رہے اُن کو مجدّدً ا تاکیدًا بالاصل بیان کیا جائے۔''

(الحکم 24 جون 1900ء صفحہ 3)

5۔ قیاسات مسلّمہ مجتہدین واجب العمل ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حَکَم عَدل کی حیثیت سے باہمی تنازعات کا فیصلہ فرمایا اور جن امور میں امتِ مسلمہ میں اختلاف پایا جاتا تھا اور باہمی بحث مباحثے بھی ہوتے تھے اُن میں آپؑ نے صحیح اور معتدل راستہ دکھایا۔ اس کے علاوہ مسلّمہ اور متداول فقہی مسائل میں امتِ مسلمہ کے اجتہاد کو بھی بڑی اہمیت دی۔ خاص طور پر ایسے مسائل کو جو مُطَہَّر بزرگان امت کے اجتہاد پر مبنی ہیں اور امت مسلمہ ان پر صدیوں سے عمل کر رہی ہے۔ فرمایا

''میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حُکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں جس طرح سارے اہل اسلام احکام بیّنہ قرآن کریم و

احادیث صحیحہ و قیاسات مسلّمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں اسی طرح میں بھی جانتا ہوں۔'' (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 82)

6۔بزرگان سلف کا احترام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حَکَم عدل کی حیثیت سے بہت سے اختلافی مسائل میں اپنا فیصلہ دیا اور اپنا وزن کسی خاص موقف کے حق میں ڈالا تو اس پر بعض لوگوں نے ایسے سوال کئے جن سے بعض مسلّمہ بزرگان دین پر اعتراض ہوتا تھا۔ ایسی صورت حال میں آپؑ نے زیادہ تفصیل میں جانے سے منع فرمایا۔ مثلاً

ذکر آیا کہ بعض بزرگ راگ سنتے ہیں آیا یہ جائز ہے؟ فرمایا

''اس طرح بزرگان دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں، حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سُنے تھے۔''

(البدر 17 نومبر 1905ء صفحہ 6)

اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے نقش بندی صوفیاء کے بعض خاص طریقوں کے حوالے سے سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ ہم ایسے طریقوں کی ضرورت خیال نہیں کرتے۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر یہ امور خلاف شرع ہیں تو بڑے بڑے مسلّمہ اور مشاہیر جن میں حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء بھی ہیں جنہوں نے مجدّد الف ثانی ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ یہ سب لوگ بدعت کے مرتکب ہوئے اور لوگوں کو ایسے امور کی ترغیب و تعلیم دینے والے ہوئے۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا

''اسلام پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ فتوحات کے بڑھ جانے اور دنیاوی دولت اور سامانِ تعیّش کی فراوانی سے لوگوں کے دلوں سے خدا کے نام کی گرمی سرد پڑتی جارہی تھی۔ اس وقت اگر ان بزرگوں نے بعض ایسے اعمال اختیار

کئے ہوں جو اُن کے خیال میں اس وقت اس روحانی وبائی مرض میں مفید تھے تو وہ ایک وقتی ضرورت تھی اور بوجہ اُن کی نیک نیتی کے اس کو خدا کے حوالے کردینا مناسب ہے۔'' (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 69،70)

بزرگانِ سلف کے بعض معتقدات سے اختلاف کے باوجود آپ نے اُن کی عزت اور قبولیت کو بہت اہمیت دی اور اُن کے عالی مقام کا بھی تذکرہ کیا۔ خاص طور پر یہ شرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہوا جن پر گزشتہ بارہ تیرہ سو سال سے اُن کے مخالف علماء اہل الرائے ہونے کا الزام لگاتے تھے اور اہل حدیث تو بار بار اس بات کو پیش کرتے تھے کہ امام صاحب نے قیاس سے کام لے کر گویا شریعت میں دخل دیا ہے۔

الحق مباحثہ لدھیانہ میں ایک ایسے ہی موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

''اے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں کو **امام بزرگ ابوحنیفہؒ** سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے آپ کو امام صاحب کی شان معلوم نہیں وہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں اس کا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے! امام بزرگ حضرت ابوحنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں یدطولیٰ تھا خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے مکتوب صفحہ ۳۰۷ میں فرمایا ہے کہ **امام اعظم صاحب کی آنیوالے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک روحانی مناسبت ہے۔**''

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 101)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کو استخراج مسائل قرآن میں خاص دسترس تھی اس وجہ سے آپ

بعض احادیث کی تاویل کرتے تھے یا انہیں چھوڑ دیتے تھے۔اس پر آپ کے مخالفین کی طرف سے اعتراض کیا جاتا تھا۔حقیقت میں آپ کے فتاویٰ قرآن وحدیث کے منافی نہیں تھے۔اس بات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم و فراست میں اَئمہ ثلاثہ باقیہ سے افضل واعلیٰ تھے اور اُن کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور اُن کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔اسی وجہ سے اجتہاد واستنباط میں اُن کے لئے وہ درجہ علیا مسلّم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔سبحان اللہ اس زیرک اور ربّانی امام نے کیسی ایک آیت کے ایک اشارہ کی عزت اعلیٰ وارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اس کے مخالف تھیں ردّی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا اور جہلا کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا۔''

(ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 385)

7۔ احکام شریعت پُر حکمت ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑے زور کے ساتھ ان مفاسد کو دور کردیا جو اس زمانے میں اسلام کے مخالفین کی طرف سے پھیلائے جارہے تھے اور اسلام کی تعلیم پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جارہے تھے۔آپ نے اسلام کی مدافعت کا حق ادا کردیا۔آپؑ کی معرکۃ الآراء کتاب کا تعارف تو اس کے نام سے ظاہر ہے۔

''اَلْبَرَاهِیْنُ الْاَحْمَدِیَّةُ عَلٰی حَقِیَّةِ کِتَابِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ وَالنُّبُوَّةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ ''

یعنی کتاب اللہ کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر احمدی دلائل اور براہین ۔
اس کتاب میں آپ نے اسلام کی پاکیزہ تعلیم کے سچے اور برحق ہونے کے ناقابل تردید شواہد پیش فرمائے اور یہ ثابت فرمایا کہ اسلام کی تعلیم عین فطرتی تعلیم ہے اس کے تمام مسائل انسان کی بھلائی اور انسانی فطرت اور زندگی کے عین مطابق ہیں گویا تمام احکام حق محض ہیں ۔آپ نے فرمایا

''آج رُوئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلامِ الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے ۔جس کے اصول نجات کے ، بالکل راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں ۔جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں جس کی تعلیمات ہریک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلی پاک ہیں جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے جس میں یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیت جنابِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے اور کسی طرح کا دھبّہ نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذاتِ پاک حضرت باری تعالیٰ پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے ۔اور ہریک اصول کی حقیّت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے ۔اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں ، ان تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہریک فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس

زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے گویا احکام قدرتی کا ایک آئینہ ہے اور قانونِ فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے اور بینائی دِلی اور بصیرتِ قلبی کے لئے ایک آفتابِ چشم افروز ہے۔''

(براھین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 81، 82)

اپنے موقف کے حق میں آپ نے زوردار دلائل بیان فرمائے۔تعدّد ازدواج ہو یا ورثہ کی تعلیم جہاں عورتوں کے لئے نصف حصہ جائیداد میں مقرر ہے سب کے عقلی جواب دیئے۔ متعہ کا اعتراض ہو یا متبنّٰی بنانے کا مسئلہ ہر ایک بات کی حقیقت کھول کر رکھ دی۔ نیوگ پر آپ کی طرف سے اُٹھائے جانے والے اعتراضات ہوں یا اُن کے جواب میں حلالہ کے مسئلہ کی آڑ لے کر دشمنوں کا جوابی اعتراض ہو ہر مسئلہ کو نکھار کر رکھ دیا۔

آپ نے ارکانِ نماز کی حکمتیں بیان فرمائیں اور وضو اور نماز کے باطنی فوائد کے علاوہ ظاہری طبّی فوائد بھی بیان فرمائے۔اوقات نماز کی فلاسفی بیان فرمائی اور ثابت فرمایا کہ نماز کے متفرق اوقات زندگی کے حقائق اور حالات کے مطابق ہیں۔ بچے کے کان میں اذان دینے کا مسئلہ ہو یا نماز باجماعت میں ظاہری مضمر فوائد ہوں اور حج کی حکمتیں سب مسائل کو عقلی دلائل سے پیش فرمایا۔

آپ نے اپنی تحریرات اور تقاریر میں منقولی اور معقولی ہر دو طرح کے دلائل پیش فرماتے ہوئے اعتراضات کے جواب دیئے۔اور ایسے معترضین کو جو منقولی دلائل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے عقلی دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی۔فرمایا

''یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے جو سرگشتۂ عقل کو عقل ہی سے تسلّی ہوسکتی ہے اور جو عقل کا رہزدہ ہے وہ عقل ہی کے ذریعہ سے راہ پر آسکتا ہے۔''

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 67)

پردہ کے مسئلہ کو معقول اور فطرت کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے آپؑ نے انسانی ضرورتوں کی مثال پیش فرمائی۔ فرمایا:

’’جیسے بہت سے تجارب کے بعد طلاق کا قانون پاس ہوگیا ہے اسی طرح کسی دن دیکھ لوگے کہ تنگ آکر اسلامی پردہ کے مشابہ یورپ میں بھی کوئی قانون شائع ہوگا۔ ورنہ انجام یہ ہوگا کہ چارپایوں کی طرح عورتیں اور مرد ہوجائیں گے اور مشکل ہوگا کہ یہ شناخت کیا جائے کہ فلاں شخص کس کا بیٹا ہے۔‘‘

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 434)

8۔ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کی عزت و تکریم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شریعت کی بعض ایسی رخصتوں اور سہولتوں پر عمل فرمایا جنہیں خدا نے جائز قرار دیا ہے لیکن لوگوں نے از خود ایسی باتوں پر عمل چھوڑ دیا تھا۔ مثلاً نمازوں کا جمع کرنا انسانوں کی سہولت کے پیشِ نظر جائز رکھا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو علاوہ سفروں اور موسمی خرابیوں کے خالص دینی ضروریات کے لئے بھی نمازیں جمع کرنی پڑیں اور بعض اوقات کئی مہینے تک نمازیں جمع ہوتی رہیں۔ بعض معترضین نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے بڑی نرمی اور محبت سے اس بات کو سمجھایا کہ میں شریعت کے حکم کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم پیشگوئی کو پورا کرنے کی خاطر نمازیں جمع کرتا ہوں اور نماز موقوتہ کے مسئلہ کو خدانخواستہ استخفاف کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ فرمایا:

’’اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تفہیم، القاء اور الہام کے بِدوں نہیں کرتا بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ میں ظاہر نہیں کرتا مگر اکثر ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں تک خدا نے مجھ پر اس جمع بین الصلوٰتین کے متعلق ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے **تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ** کی عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اَب پوری ہو رہی ہے۔‘‘

(الحکم 24 نومبر 1902ء صفحہ 1)

ایک اور موقعہ پر فرمایا

''دیکھو ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ بہ سبب بیماری کے اور تفسیر سورۂ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہورہا ہے اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں **تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ** کی حدیث بھی پوری ہورہی ہے کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا، بلکہ کوئی اور ہوگا اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔ سو اب ایسا ہی ہوتا ہے جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں آسکتے۔ اس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں اور اس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے کہ اُس کی خاطر ایسا ہوگا۔ چاہیے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عزت وتحریم کریں اور ان سے بے پرواہ نہ ہوویں ورنہ یہ ایک گناہِ کبیرہ ہوگا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو خِفّت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کردیئے کہ اتنے عرصے سے نمازیں جمع ہورہی ہیں ورنہ ایک دو دن کے لئے یہ بات ہوتی تو کوئی نشان نہ ہوتا۔ ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں۔''

(الحکم 17 فروری 1901ء صفحہ 13،14)

9۔ شریعت کی رخصتوں پر بھی عمل ضروری ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی شریعت کی حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور احکام کی غرض وغایت پر زور دیا۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو شریعت کے احکام

دے کر تنگی اور تکلیف میں نہیں ڈالا بلکہ بعض جگہ رخصتیں اور رعایتیں بھی دی ہیں لیکن لوگ عموماً تنگی والے راستے کو اختیار کرتے ہیں۔ آپؑ نے اپنی جماعت کو سمجھایا کہ خدا کی طرف سے دی گئی رخصتیں بھی اس کے احکام کی طرح اہم ہیں اور اُن پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

ایک ایسے ہی موقع پر جبکہ ایک مہمان کی مہمان نوازی کے بارہ میں آپ نے ہدایت فرمائی اور اس سے آپ نے پوچھا کہ آپ مسافر ہیں آپ نے روزہ تو نہیں رکھا ہوگا۔ اس نے کہا کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس پر آپؑ نے فرمایا

''اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس لئے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہئے۔ میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالتِ سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرمانبرداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔''

(الحکم 31 جنوری 1907، صفحہ 14)

خدا تعالیٰ کی رخصتوں پر عمل کرنے کے ضمن میں آپ نے شریعت کے اس نقطہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی حرج اور تنگی نہیں رکھی۔ فرمایا

''شریعت کی بناء نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔''

(الحکم 10 اگست 1903ء صفحہ 20)

10۔ شعائر اللہ کا احترام اور دینی غیرت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فتاویٰ میں ہمیں یہ خصوصی انداز نظر آتا ہے کہ آپ مسائل کی صرف ظاہری صورتوں پر ہی نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ تحدیث نعمت اور اظہارِ شکر گزاری کا

جذبہ ہمیشہ پیشِ نظر رہتا تھا۔اسی وجہ سے بعض دفعہ آپ نے اپنی پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر شکر گزاری کے اظہار کے طور پر پر تکلف دعوت بھی کی۔

حضور علیہ السلام اپنے بچوں کو بھی شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے۔اسی حوالے سے یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ جون 1897ء میں آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ صاحب کی آمین کی تقریب منعقد کی جس میں آپ نے اپنے احباب کو پر تکلف دعوت دی اور اس موقعہ پر آپ نے ایک نظم لکھی

حمد وثناء اسی کو جو ذات جاودانی

یہ نظم آمین کی تقریب میں پڑھ کر سنائی گئی اندرزنانہ میں خواتین پڑھتی تھیں اور باہر مرد اور بچے پڑھتے تھے۔ (تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 611،612)

اس کے بعد دسمبر 1901ء میں حضورؑ نے اپنے بچوں صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ، صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ اور صاحبزادی نواب مبارکہ بیگمؓ صاحبہ کی تقریبِ آمین منعقد کی۔اس موقعہ پر حضرت نواب محمد علی خانؓ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ

''حضور کے ہاں جو بشیر، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین ہوئی ہے اس میں جو تکلفات ہوئے ہیں وہ گو خاص صورت رکھتے ہیں کیونکہ مخدوم زادگان پیشگوئیوں کے ذریعے پیدا ہوئے۔ان کے ایسے مواقع پر جو اظہارِ خوشی کی جائے وہ کم ہے مگر ہم لوگوں کے لئے کیونکہ حضورؑ بروزِ محمدؐ ہیں اس لئے ہمارے لئے سنت ہو جائیں گے۔اس پر سیر میں کچھ فرمایا جائے۔''

اس پر حضرت اقدس نے سیر کرتے ہوئے تقریر فرمائی کہ

'' **الاعمال بالنیات** ایک مسلّمہ مسئلہ اور صحیح ترین حدیث ہے۔اگر کوئی ریاء

سے اظہار علی الخلق اور تفوّق علی الخلق کی غرض سے کھانا وغیرہ کھلاتا ہے تو ایسا کھانا وغیرہ حرام ہے یا معاوضہ کی غرض سے جیسے بھاجی وغیرہ۔ مگر اگر کوئی تشکّر اور اللہ کی رضا جوئی کی نیّت سے خرچ کرتا ہے بلا ریا و معاوضہ تو اس میں حرج نہیں۔''

(اصحابِ احمد جلد 2 صفحہ 551۔ سیرت حضرت نواب محمد علی خان صاحب۔ نیا ایڈیشن)

اسی طرح ایک موقع پر آپ نے فرمایا

''میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لا انتہاء فضل اور انعام ہیں۔ ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے۔ یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں۔'' (الحکم 10 اپریل 1903ء صفحہ 2)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام دینی غیرت اور حمیّت کے جذبہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اسی جذبہ کے پیشِ نظر اسلام کی طرف سے مدافعت کا خوب حق ادا کیا۔ جب دشمنانِ اسلام، اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے آپ نے تحریری اور تقریری ہر دو ذریعوں سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جواب دیئے اور بعض مواقع پر آپ کے ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثات بھی ہوئے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب آپ کا پادری عبداللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ ہوا تو وہ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی کی روایت ہے کہ

''پانی کی ضرورت پڑتی تھی لیکن پانی اپنے ساتھ لے جایا جاتا تھا۔ عیسائیوں کے چاہ (کنوئیں) کا پانی نہیں لیا جاتا تھا کیونکہ عیسائی قوم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والی ہے لہٰذا اِن کے چاہ کا پانی پینا

حضور پسند نہ فرماتے تھے۔''

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 198)

عام طور پر عیسائیوں، ہندوؤں اور دیگر اقوام کے ساتھ معاشرت کے لحاظ سے تعلقات رکھے جاتے تھے لیکن جہاں دینی غیرت کا معاملہ آتا تھا وہاں اس حد تک ان سے قطع تعلق کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ اپنے طریق عمل کو نہ بدل لیں۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر حضور سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے؟ حضور نے فرمایا:

''میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں یہ غیرت ایمانی کے خلاف ہے کہ وہ لوگ ہمارے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔ قرآن شریف ایسی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں۔ ان کے ساتھ کھانا کھانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ (الحکم 17/اگست 1902ء صفحہ 10)

11۔ خشک مسائل سے اجتناب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اسلام کی سچی اور حقیقی تعلیم پر عمل کرنے کی ہدایت دی۔ عام طور پر لوگ جزوی، فروعی اور خشک مسائل پر زیادہ توجہ دیتے تھے اور حقیقت سے دور جا پڑتے تھے۔ حضورؑ نے ایسے بعض پیش آمدہ مسائل میں غیر حقیقی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ روایتی کتب فقہ میں چونکہ ایسے مسائل موجود تھے جنہیں پڑھ کر بعض لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں بہت علم حاصل ہوگیا ہے اور اب ہم فقہ کے ماہر بن گئے ہیں اس لئے وہ ان مسائل کی ظاہری صورتوں پر ہی زور دیتے رہتے تھے۔ خاص طور پر حنفیوں میں یہ کمزوری تھی اور اپنے اس طرزِ عمل پر وہ بے جا فخر بھی کرتے تھے اور اپنے آپ کو مقلّد کہتے تھے۔ اسی لئے آپ نے بعض ایسے روایتی فقہی مسائل سے احتراز فرمایا۔ مثلاً

آپؑ سے سوال کیا گیا کہ یہ جو مسئلہ ہے کہ جب چوہا یا بلّی یا مرغی یا بکری یا آدمی کنوئیں میں مرجائیں تو اتنے دَلو (ڈول) پانی نکالنا چاہیئے۔ اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟ کیونکہ پہلے تو ہمارا یہی عمل تھا کہ جب تک رنگ، بو، مزا نہ بدلے پانی کو پاک سمجھتے تھے۔حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا

''ہمارا تو وہی مذہب ہے جو احادیث میں آیا ہے یہ جو حساب ہے کہ اتنے دَلو نکالو اگر فلاں جانور پڑے اور اتنے اگر فلاں پڑے، یہ ہمیں تو معلوم نہیں اور نہ اس پر ہمارا عمل ہے۔''

عرض کیا گیا کہ حضورؑ نے فرمایا ہے جہاں سنت صحیحہ سے پتا نہ ملے وہاں فقہ حنفی پر عمل کرلو۔فرمایا

''فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی کب ایسا تعیُّن ہے ہاں نجات المومنین میں لکھا ہے۔سو اس میں تو یہ بھی لکھا ہے۔

سر ٹوئے وچ دے کے بیٹھ نماز کرے

کیا اس پر کوئی عمل کرتا ہے اور کیا یہ جائز ہے جبکہ حیض ونفاس کی حالت میں نماز منع ہے۔ پس ایسا ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لو۔مَیں تمہیں ایک اصل بتادیتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر:٦) جب پانی کی حالت اس قسم کی ہوجائے جس سے صحت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتو صاف کر لینا چاہیئے۔مثلاً پتے پڑ جاویں یا کیڑے وغیرہ۔ (حالانکہ اس پر یہ مُلّاں نجس ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے) باقی یہ کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جب تک رنگ و بو و مزا نجاست سے نہ بدلے وہ پانی پاک ہے۔''

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 12)

اسی طرح آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ

میرا بھائی فوت ہو گیا ہے میں اس کی قبر پکّی بناؤں یا نہ بناؤں؟ اس پر آپؑ نے فرمایا

’’اگر نمود اور دکھلاؤ کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جاویں تو یہ حرام ہیں لیکن اگر خشک مُلاّ کی طرح یہ کہا جاوے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچی ہی اینٹ لگائی جاوے تو یہ بھی حرام ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ عمل نیّت پر موقوف ہیں۔‘‘

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 253)

12۔ اشدّ ضرورتوں میں حُکم بدل جاتے ہیں

شریعت نے جہاں ہمیں زندگی کے ہر اہم پہلو کے لئے مفصل تعلیم دی ہے وہاں انسانی مجبوریوں اور معذوریوں کا بھی لحاظ رکھا ہے اور اضطرار کے حالات میں رعایت اور سہولت کو بھی مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ افریقہ سے ڈاکٹر محمد علی خان صاحب نے استفسار کیا کہ اگر ایک احمدی بھائی نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے اس کا افسر آجائے اور دروازہ کو ہلا ہلا کر اور ٹھونک ٹھونک کر پکارے اور دفتر یا دوائی خانہ کی چابی مانگے تو ایسے وقت میں کیا کرنا چاہئے؟ اسی وجہ سے ایک شخص نوکری سے محروم ہو کر ہندوستان واپس چلا گیا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

’’ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ دروازہ کھول کر چابی افسر کو دے دیتا۔ (یہ ہسپتال کا واقعہ ہے۔ اِس لئے فرمایا) کیونکہ اگر اس کے التواء سے کسی آدمی کی جان چلی جاوے تو یہ سخت معصیت ہوگی۔ احادیث میں آیا ہے کہ نماز میں چل کر دروازہ کھول دیا جاوے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر لڑکے کو کسی خطرہ کا اندیشہ ہو یا کسی موذی جانور سے جو نظر پڑتا ہو ضرر پہنچتا ہو تو لڑکے کو بچانا اور جانور کو مار دینا اس حال میں کہ نماز پڑھ رہا ہے گناہ نہیں ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ بعضوں نے یہ بھی لِکھا

ہے کہ گھوڑا کھل گیا ہو تو اُسے باندھ دینا بھی مفسدِ نماز نہیں ہے۔ کیونکہ وقت کے اندر نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہے۔'' (البدر 24 نومبر، یکم دسمبر 1904ء صفحہ 4)

سونے چاندی اور ریشم کا ضرورتاً استعمال تو معروف مسئلہ ہے۔ اسی حوالے سے آپ سے سوال کیا گیا کہ چاندی وغیرہ کے بٹن استعمال کئے جاویں؟ اس پر آپ نے فرمایا

''تین ، چار ماشہ تک تو حرج نہیں،لیکن زیادہ کا استعمال منع ہے۔اصل میں سونا چاندی عورتوں کی زینت کے لیے جائز رکھا ہے۔ ہاں علاج کے طور پر ان کا استعمال منع نہیں۔ جیسے کسی شخص کو کوئی عارضہ ہو اور چاندی سونے کے برتن میں کھانا طبیب بتلاوے تو بطور علاج کے صحت تک وہ استعمال کرسکتا ہے۔ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔اُسے جوئیں بہت پڑی ہوئی تھیں۔آپؐ نے حکم دیا کہ تو ریشم کا کرتہ پہنا کر اس سے جوئیں نہیں پڑتیں۔(ایسے ہی خارش والے کے لیے ریشم کا لباس مفید ہے)۔''

(البدر 24/اگست 1904ء صفحہ 8)

13۔ عُرف کا خیال رکھنا ضروری ھے

احکام شریعت میں موقع ومحل کی رعایت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ اگر ان میں معروضی حالات کو مدّنظر نہ رکھا جائے تو احکام شریعت پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً شریعت نے بیمار اور مسافر کے لئے روزہ رکھنے میں رخصت دی ہے تاہم بیماری کی تفاصیل اور سفر کی حدود کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح سفر میں نماز قصر کرنے کی اجازت دی ہے لیکن سفر کی حدّ بیان نہیں فرمائی۔ اس بارہ میں فقہاء کی آراء کی روشنی میں یہ بحثیں ہوتی تھیں کہ کتنا سفر ہو تو سفر کہلائے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے عُرف کے اصول کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ بڑی آسانی سے حل فرما دیا۔

ایک شخص نے پوچھا کہ مجھے دس پندرہ کوس تک اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے۔ میں کس کو سفر

سمجھوں اور نمازوں میں قصر کے متعلق کس بات پر عمل کروں؟ فرمایا

''میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اُوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں، خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو۔ اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بعض دفعہ ہم دو دو تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، مگر کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں لیکن جب انسان اپنی گٹھری اُٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بِنا دِقّت پر نہیں ہے۔ جس کو تم عُرف میں سفر سمجھو، وہی سفر ہے۔''　　(الحکم 17 رفروری 1901ء صفحہ 13)

اسی طرح خرید و فروخت کے معاملات میں بھی عُرف کا خیال رکھنا ضروری ہے جو مروجہ قانون ہو اور سب لوگ اس پر عمل کر رہے ہوں اور کوئی لڑائی جھگڑا بھی نہ ہو تو اس عُرف پر بھی عمل کرنا چاہئے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ ریلی برادرز وغیرہ کارخانوں میں سرکاری سیر اسّی روپیہ کا دیتے ہیں اور لیتے اکاسی روپیہ کا ہیں کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا

''جن معاملات بیع و شراء میں مقدمات نہ ہوں، فساد نہ ہوں تراضی فریقین ہو اور سرکار نے بھی جُرم نہ رکھا ہو عُرف میں جائز ہو وہ جائز ہے۔''

(الحکم 10 اگست 1903ء صفحہ 19)

14۔ حکومتِ وقت کی اطاعت کی تعلیم

مسلمانوں کے جس ادبار اور پستی کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے اس دور میں مسلمان سیاسی، سماجی، مذہبی، ہرلحاظ سے پسماندہ ہو چکے تھے۔ اپنے سابقہ شاندار ماضی کو یاد کرتے ہوئے محکومی اور کمزوری ان کے لئے بھاری ہو رہی تھی۔ جس دور

میں خلافت بنوامیہ، بنوعباس اور عثمانی حکومتیں بڑے بڑے علاقوں پر حکومت کرتی تھیں اس دور میں مذہبی مسائل میں بھی بہت سی جگہوں پر بادشاہ وقت کا ذکر ہوتا تھا اور بعض مسائل میں امامت کا حق دار بادشاہ وقت کو قرار دیا جاتا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی مسلمان صدیوں تک حکمران رہے لیکن بعد میں پستی اور ذلت بھی دیکھنی پڑی۔ چونکہ ماضی میں ''دارالاسلام'' اور ''دارالحرب'' جیسی اصطلاحیں رائج ہوچکی تھیں اس لئے برصغیر میں مسلمانوں کو اپنی حکومت نہ ہونے سے یہ احساس تھا کہ یہ دارالاسلام نہیں بلکہ دارالحرب ہے اور خصوصًا 1857ء کے غدر کے پس منظر میں یہ غلط تصور بھی کارفرما تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو ہر قسم کی بغاوت، فساد، اور نافرمانی سے بچنے اور سچے دل سے حکومت وقت کی اطاعت کرنے کی تعلیم دی۔ آپ نے یہ مسئلہ بار بار اور کھول کر واضح کیا کہ چونکہ انگریزی حکومت میں مسلمانوں کی نہ صرف جان و مال محفوظ ہے بلکہ مذہبی آزادی اور امن بھی حاصل ہے۔ اس لئے اسلام کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہر قسم کی بغاوت اور فساد سے بچنا چاہئے اور حکومت کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہئے۔ آپؑ نے فرمایا کہ میرے پانچ بڑے اصول ہیں۔ ان اصولوں میں سے چوتھے اصول کی یوں تفصیل بیان فرمائی کہ

''یہ کہ اس گورنمنٹ محسنہ کی نسبت جس کے ہم زیرِ سایہ ہیں یعنی گورنمنٹ انگلشیہ کوئی مفسدانہ خیالات دل میں نہ لانا اور خلوصِ دل سے اس کی **اطاعت** میں مشغول رہنا۔''　(کتاب البریۃ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 348)

اسی طرح حکومت کی اطاعت کے بارہ میں فرمایا

''حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ میں اس کو بڑی بے ایمانی

سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جاوے۔‘‘

(الحکم 31 جولائی، 10 اگست 1904ء صفحہ 13)

قرآن کریم نے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ کا جو حکم دیا ہے بعض لوگ اس کی یہ تشریح کرتے تھے کہ اللہ، رسول اور اپنے حکام کی اطاعت کرنی چاہئے یعنی صرف مسلمان حکمران کی اطاعت کرنی جائز ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی حکم کا حوالہ دے کر ’’مِنۡکُمۡ‘‘ میں ان تمام حکمرانوں کو بھی شامل فرمایا جو خلافِ شریعت حکم پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ فرمایا:

’’اولی الامر کی اطاعت کا صاف حکم ہے اور اگر کوئی کہے کہ گورنمنٹ ’’مِنۡکُمۡ‘‘ میں داخل نہیں تو یہ اس کی صریح غلطی ہے۔ گورنمنٹ جو بات شریعت کے موافق کرتی ہے۔ وہ مِنۡکُمۡ میں داخل ہے۔ جو ہماری مخالفت نہیں کرتا وہ ہم میں داخل ہے۔ اشارۃ النص کے طور پر قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنی چاہئے اور اس کی باتیں مان لینی چاہئیں۔‘‘

(رسالہ الانذار صفحہ 15۔ تقریر حضرت اقدسؑ فرمودہ 2 مئی 1898ء۔ ملفوظات جلد 1 صفحہ 171)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کی پاکیزہ تعلیم کی حقیقت واضح کرنے کے لئے تحریری اور تقریری ہر طرح سے زوردار کوششیں کیں۔ خاص طور پر آپؑ نے ایک رسالہ لکھا ’’گورنمنٹ انگریزی اور جہاد‘‘ جو روحانی خزائن کی جلد 17 میں موجود ہے۔ اس میں آپ نے جہاد کی تعلیم کی پوری تفصیل بیان فرمائی اور انگریزوں کے ساتھ جہاد کرنے اور ان کی حکومت کے خلاف باغیانہ روش اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی اور آپ نے اس مسئلہ کو اپنے منظوم میں بھی پیش فرمایا۔ فرماتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

15۔ نئی ایجادات سے فائدہ اُٹھانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت ایک ایسے وقت میں ہوئی جب زمانہ اپنے رنگ ڈھنگ بدل رہا تھا۔انیسویں صدی عیسوی میں سائنسی ایجادات میں اس قدر تیزی آئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔نت نئی ایجادات نے زندگی کا منظر نامہ بالکل بدل کر رکھ دیا۔تار، ریل، چھاپہ خانے،فوٹوگرافی،فونوگراف، ٹیکہ، وغیرہ ایسی ایجادات تھیں جس کا خاص تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ تھا۔حضورؑ نے بار بار فرمایا کہ اس دور میں روحانی اور جسمانی ہر دو برکات کی بارش ہورہی ہے۔نئی ایجادات نے دنیا کو قریب تر کر دیا۔پریس کی ایجاد نے ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایک جوش پیدا کر دیا کہ وہ اپنے مذہب کی خوب اشاعت کریں۔اس ایجاد سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عیسائی پادریوں نے اسلام کے خلاف کثرت کے ساتھ کتابیں لکھ کر شائع کروائیں اورانہیں سارے ہندوستان میں پھیلا دیا۔اسی طرح ہندوؤں نے بھی اسلام کو اپنا تختہ مشق بنایا اور کثرت سے اعتراضات سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں لیکن دوسری طرف مسلمانوں کی پستی کا یہ حال تھا کہ مدافعت تو درکنار ایسی ایجادات کو بھی خلافِ اسلام قرار دینے پر تُل گئے۔خاص طور پر فوٹوگرافی پر بہت اعتراض کئے گئے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فوٹو اتروائی تو ایک شور مچ گیا کہ دیکھو اس نے ایک حرام کام کیا ہے۔

آپ نے قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح فرمایا کہ حدیث میں جن تصویروں کی ممانعت آئی ہے اس کا موجودہ دور کی فوٹوگرافی سے تعلق نہیں۔فوٹو تو ایک عکس ہے جیسے آنکھ میں تصویر بنتی ہے، پانی میں عکس بنتا ہے۔فرمایا

’’یہ آلہ جس کے ذریعہ سے اب تصویر لی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایجاد نہیں ہوا تھا اور یہ نہایت ضروری آلہ ہے جس کے ذریعہ سے بعض امراض کی تشخیص ہوسکتی ہے ایک اور آلہ تصویر کا نکلا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی تمام ہڈیوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور وَجعُ المَفَاصِل و نَقرس وغیرہ امراض کی تشخیص کے لئے اس آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچتے ہیں اور مرض کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ایسا ہی فوٹو کے ذریعہ سے بہت سے علمی فوائد ظہور میں آئے ہیں۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 366)

اسی طرح ریل کی سواری کی ایجاد سے بھی آپ نے فائدہ اُٹھایا اور اسے اپنے لئے نشان قرار دیا۔فونوگراف میں نظم ریکارڈ کی گئی جو آپ نے خاص اس مقصد کے لئے لکھی تھی جس کا پہلا شعر یہ تھا

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دِل سے نہ لاف وگزاف سے

ہر نئی ایجاد اور فن کو حضور نے اس شرط پر درست اور جائز قرار دیا کہ اگر اسے شریعت کی ہدایت کے مطابق استعمال کیا جائے تو ایسا کام جائز ہے۔ایک شخص نے سوال کیا کہ عکسی تصویر لینا شرعاً جائز ہے؟

فرمایا کہ

’’یہ ایک نئی ایجاد ہے پہلی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔بعض اشیاء میں ایک منجانب اللہ خاصیت ہے جس سے تصویر اتر آتی ہے۔اگر اس فن کو خادم شریعت بنایا جاوے تو جائز ہے۔‘‘　(بدر 24، 31 دسمبر 1908ء صفحہ 5)

16۔ نئے اجتہاد کی ضرورت ہے

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت ایک ایسے وقت پر ہوئی جب دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ تغیرات برپا ہو رہے تھے۔ رہن سہن اور تمدّن کی صورتیں بدل رہی تھیں۔ حکومتوں کے انداز اور لوگوں کے باہمی تعلقات میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ قومیت کی جگہ بین الاقوامیت کا تصور ابھر رہا تھا۔ ملکوں کی جغرافیائی حدود میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور غیر اقوام کے محکوم عوام میں آزادی کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ خرید و فروخت کے انداز میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں جو گزشتہ حالات سے بالکل مختلف تھیں۔ اشیاء کے بدلے اشیاء کی تجارت کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی اور لباس اور خوراک میں بھی ایسی تبدیلیاں ہوئیں جن سے نئے سوالات نے جنم لیا۔ سُود جسے اسلام نے قطعی حرام قرار دیا ہے کئی ملکوں میں قانونی شکل اختیار کر گیا اور مختلف ممالک میں بینکنگ کا تصور عملی شکل میں سامنے آیا جہاں سارا لین دین ہی سود کی بنیاد پر ہو رہا تھا۔ ایسے بدلے ہوئے حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کی راہنمائی فرمائی اور انہیں آئندہ کے لئے لائحہ عمل دیا۔

بعض ایسے مسائل تھے جن میں واضح طور پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور بعض ایسے مسائل تھے جن میں سود کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اگر یقین نہ بھی ہو تو شک ضرور پایا جاتا تھا۔ ایک ایسے موقعہ پر جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

''اس ملک میں اکثر مسائل زیر و زبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے اسی لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔''

(البدر یکم و 8 نومبر 1904ء صفحہ 8)

17۔ احمدی علماء اجتہاد کریں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت ابو حنیفہ کے ساتھ ایک طبعی وفطرتی مناسبت تھی اور فقہ حنفی کے مسائل کو آپ نے اہمیت بھی دی ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ چونکہ زمانہ میں تغیرات ہو چکے ہیں اس لئے بہت سی جگہوں پر فقہ حنفی کے مسائل سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں احمدی علماء اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔ فرمایا:

''**ہماری جماعت** کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اُس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور **اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اِس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں** لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اُس حدیث کو چھوڑ دیں۔''

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 212)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس ہدایت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر اجتہاد کے لئے جماعت احمدیہ میں علماء کی ایک مجلس ''مجلس افتاء'' قائم ہے جو غور اور تحقیق کے بعد اپنی رائے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھجواتی ہے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح جو فیصلہ فرماتے ہیں وہ جماعت احمدیہ کی فقہ کا حصہ قرار پاتا ہے اور تمام احمدی اس پر عمل کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

کچھ ’’فقہ المسیح‘‘ کے بارے میں

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حَکَم عدل اور مامور زمانہ بنا کر بھیجا اور آپؑ کے سپرد عظیم دینی مہمّات کی گئیں۔ آپؑ کا مقام ایک عام مفتی کا مقام نہیں تھا بلکہ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے زمانے کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا۔ مرورِ زمانہ سے اور فقہی مسالک کی کثرت اور باہمی تنازعات کی وجہ سے مسلمان جہاں جہاں راہِ سداد سے ہٹ چکے تھے حضورؑ نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی پا کر اُن کو دوبارہ اُنہی اصولوں پر قائم کرنے کی کوشش کی جو شریعتِ حقہ کا مقصود ہے۔ آپؑ نے قرآن شریف، سنت اور تعامل نیز حدیث کا حقیقی مرتبہ واضح کرتے ہوئے تمام معاملات کا اصل مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا اور فروعی معاملات میں اختلافات کو زیادہ ہوا نہ دینے کی تلقین فرمائی۔ بعض مسائل میں آپؑ نے ایک طریق کو اوّلیت دی مگر دوسرے رائج طریقوں کو بھی ردّ نہ فرمایا کیونکہ آپؑ کے فقہی انداز میں وسعت تھی اسی لئے آپؑ نے امتِ مسلمہ کے تعامل کو بہت اہمیت دی۔

حضور علیہ السلام کی زندگی میں یہ دستور تھا کہ باہر سے آنے والے مہمان آپؑ کی مجالس میں سوالات کرتے اور آپؑ ان کے جواب دیتے۔ اسی طرح سیر کے دوران بھی گفتگو اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا اور خطوط سے آمدہ سوالات کے جوابات بھی آپؑ لکھواتے تھے۔

عام طور پر فقہی مسائل سے متعلق سوالات کے آپؑ خود بھی جواب دیتے تھے اور کبھی حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ اور حضرت مولوی سید محمد احسن امروہی صاحبؓ کو بھی جواب دینے کے لئے ارشاد فرماتے۔ چنانچہ الحکم اور بدر میں جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے فتاویٰ چھپتے وہاں بعض دفعہ ان ہر دو بزگان کے فتاویٰ بھی چھپتے تھے۔ بعض دفعہ حضورؑ کی مجلس میں سوال پوچھا جاتا اور آپؑ ان بزرگان میں سے کسی کی طرف اشارہ کرتے اور وہ جواب دے دیتے اور پھر آپؑ اس کی توثیق فرما دیتے۔

اس کتاب کی تیاری میں یہ بات مدّ نظر رکھی گئی ہے کہ نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کے فقہی مسائل کے بارہ میں جملہ ارشادات کو جمع کیا جائے بلکہ اصولِ فقہ اور شریعت کی حکمتوں پر مشتمل آپؑ کے ارشادات بھی اس میں شامل کئے جائیں کیونکہ حضورؑ نے جہاں اسلام کی تعلیم کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں پیش فرمایا ہے وہاں شریعت کے احکام کا پُر حکمت ہونا اور عین فطرت کے مطابق ہونا قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی جملہ کتب، مکتوبات، اشتہارات اور ملفوظات جو ساتھ ساتھ الحکم اور بدر میں چھپتے تھے۔ اسی طرح کتب سیرت اور ''اصحاب احمد'' اور صحابہ کی روایات سے مواد جمع کیا گیا ہے تا کہ حضور علیہ السلام کے اصل کام کو نمایاں کیا جاسکے۔ سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کر کے کوشش کی گئی ہے کہ کوئی اہم حوالہ رہ نہ جائے تاہم اضافوں کی گنجائش موجود ہے۔

اس کتاب میں تمام حوالہ جات کو اصل مآخذ سے لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ملفوظات کی بجائے الحکم اور بدر سے براہِ راست حوالہ جات اخذ کئے گئے ہیں۔ الحکم یا بدر میں بعض جگہوں پر ایسی لفظی غلطیاں ملتی ہیں جن کی تصحیح ملفوظات میں کر دی گئی ہے ایسی صورت میں ملفوظات کی تصحیح کے مطابق الفاظ درج کئے گئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں قادیان سے دو اخبار نکلتے تھے۔ الحکم 1897ء میں چھپنا شروع ہوا اور البدر 1902ء میں۔ ان دونوں اخباروں میں حضور علیہ السلام کے ملفوظات چھپتے تھے۔ اخبار بدر 13 /اپریل 1905ء تک البدر کے نام سے چھپتا رہا جبکہ 20 /اپریل 1905ء سے یہ بدر کے نام سے چھپنا شروع ہوا۔ حوالہ جات میں اسی کے مطابق کہیں البدر اور کہیں بدر لکھا گیا ہے۔

اس کتاب کی تدوین میں خاکسار کو بہت سے احباب کا خصوصی تعاون میسّر رہا جن کا ذکر کرنا شکر گزاری کے اظہار کے طور پر ضروری سمجھتا ہوں۔

(1) سب سے پہلے خاکسار مکرم فضل احمد ساجد صاحب مربی سلسلہ دارالافتاء کا خصوصی طور پر شکر گزار ہے کہ انہوں نے ''**فقه المسیح**'' کے مسودے کو دو مرتبہ بالاستیعاب

پڑھا اور انتہائی مفید مشورے دیئے۔ اہم امور پر وہ مکرم مولانا مبشر احمد صاحب کاہلوں مفتی سلسلہ سے مشورہ بھی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بعض ضروری حوالہ جات بھی مہیا فرمائے جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

(2) مکرم وحید احمد رفیق صاحب مربی سلسلہ استاد فقہ جامعہ احمدیہ کا تعاون بھی خاکسار کو مہیا رہا۔ اسی طرح جامعہ احمدیہ میں زیرِ تعلیم طلباء عزیزان حافظ فہیم احمد قریشی، محمد دانیال اور سجیل احمد شفیق نے پروف ریڈنگ کے کام میں خصوصی معاونت کی۔ نیز سید عامر پرویز شاہ صاحب کارکن لائبریری جامعہ نے بھی گاہے گاہے خصوصی تعاون کیا۔

(3) اس کتاب کی کمپوزنگ اور ابتدائی سیٹنگ مکرم محمد آصف عدیم صاحب مربی سلسلہ نے پرخلوص محنت اور دلی شوق کے ساتھ کی اور آخری سیٹنگ مکرم کلیم احمد صاحب طاہر مربی سلسلہ نے بڑی محبت اور لگن سے کی۔ ہر دو مربیان سلسلہ خاکسار کے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب معاونین کو اجر عظیم عطا کرے اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

بعض بزرگان کی حوصلہ افزائی اور اس کتاب کی تدوین میں خصوصی دلچسپی پر خاکسار جذبات تشکر سے معمور ہے۔ اس فہرست میں مکرم ملک خالد مسعود صاحب ناظر اشاعت، مکرم نصیر احمد صاحب چوہدری نائب ناظم دارالقضاء ربوہ، مکرم عبدالسمیع خانصاحب ایڈیٹر الفضل ربوہ، مکرم نصیر احمد صاحب قمر ایڈیشنل وکیل اشاعت لندن اور مکرم شبیر احمد صاحب ثاقب صدر شعبہ حدیث جامعہ احمدیہ ربوہ شامل ہیں۔ فجز اھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

خاکسار

انتصار احمد نذر مربی سلسلہ احمدیہ

صدر شعبہ فقہ جامعہ احمدیہ ربوہ

15/ اپریل 2015ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ احمدیہ کے مآخذ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔

(1) **سب سے اوّل قرآن ہے** جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے.....سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔

(کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26)

قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے۔وہ شک اور ظنّ کی آلائشوں سے پاک ہے۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 209)

(عربی سے ترجمہ) خدا کا کلام لفظاً لفظاً تواتر سے ثابت ہے۔ وہ وحی متلو قطعی اور یقینی ہے اور اس کی قطعیت میں شک کرنے والا ہمارے نزدیک کافر مردود اور فاسق ہے اور یہ صرف قرآن کریم کی ہی صفت ہے اور اس کا مرتبہ ہر کتاب اور ہر وحی سے بلند ہے۔

(تحفۂ بغداد۔روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 31)

(2) **دوسرا ذریعہ ہدایت** کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے **سنّت** ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیاں جو آپ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کے لئے کر کے دکھلائیں مثلاً قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کی رکعات معلوم نہیں ہوتیں کہ صبح

کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر لیکن سنّت نے سب کچھ کھول دیا ہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنّت اور حدیث ایک چیز ہے کیونکہ حدیث تو سَو ڈیڑھ سَو برس کے بعد جمع کی گئی مگر سنّت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا مسلمانوں پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنّت کا ہے۔ خدا اور رسول کی ذمہ واری کا فرض صرف دو امر پر تھے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء سے اطلاع دے یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرض تھا کہ خدا کے کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور اپنی سنّت یعنی عملی کارروائی سے **معضلات** اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا۔ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 61)

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سُنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سُنّتِ معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے۔ یہ دونوں خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے بجا لائے۔

(ریویو بر مباحثہ چکڑالوی و بٹالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 210)

سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم سے عادت اللہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لئے لاتے ہیں تو اپنے عملی فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں۔ (ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 209-210)

(3) **تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے** کیونکہ بہت سے اِسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھول کر بیان کرتی ہیں اور نیز بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سُنّت کی خادم ہے۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 61)

سُنّت اور حدیث میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ سُنّت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سُنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سُنّتِ معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے۔ یہ دونوں خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے بجالائے اور دونوں کو اپنا فرض سمجھا۔ مثلاً جب نماز کے لئے حکم ہوا تو آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کے اِس قول کو اپنے فعل سے کھول کر دکھلا دیا اور عملی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ فجر کی نماز کی یہ رکعات ہیں اور مغرب کی یہ اور باقی نمازوں کے لئے یہ یہ رکعات ہیں۔ ایسا ہی حج کر کے دکھلایا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہزار ہا صحابہ کو اِس فعل کا پابند کر کے سلسلہ تعامل بڑے زور سے قائم کر دیا۔ پس عملی نمونہ جو اب تک اُمّت میں تعامل کے رنگ میں مشہود و محسوس ہے اِسی کا نام سنّت ہے۔ لیکن حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رُوبرو نہیں لکھوایا اور نہ اس کے جمع کرنے کیلئے کوئی اہتمام کیا..... پھر جب وہ دَور صحابہ رضی اللہ عنہم کا گذر گیا تو بعض تبع تابعین کی طبیعت کو خدا نے اس طرف پھیر دیا کہ حدیثوں کو بھی جمع کر لینا چاہئے تب حدیثیں جمع ہوئیں۔ اِس میں شک نہیں ہوسکتا کہ اکثر حدیثوں کے جمع کرنے والے بڑے متّقی اور پرہیز گار تھے اُنہوں نے جہاں تک اُن کی طاقت میں تھا حدیثوں

کی تنقید کی اور ایسی حدیثوں سے بچنا چاہا جو اُن کی رائے میں موضوعات میں سے تھیں اور ہر ایک مشتبہ الحال راوی کی حدیث نہیں لی۔ بہت محنت کی مگر تاہم چونکہ وہ ساری کارروائی بعد از وقت تھی اِس لئے وہ سب ظن کے مرتبہ پر رہی بایں ہمہ یہ سخت نا انصافی ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ وہ سب حدیثیں لغو اور نکمّی اور بے فائدہ اور جھوٹی ہیں بلکہ اُن حدیثوں کے لکھنے میں اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور اس قدر تحقیق اور تنقید کی گئی ہے جو اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہودیوں میں بھی حدیثیں ہیں اور حضرت مسیح کے مقابل پر بھی وہی فرقہ یہودیوں کا تھا جو عامل بالحدیث کہلاتا تھا لیکن ثابت نہیں کیا گیا کہ یہودیوں کے محدثین نے ایسی احتیاط سے وہ حدیثیں جمع کی تھیں جیسا کہ اسلام کے محدثین نے۔ تاہم یہ غلطی ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ جب تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اُس وقت تک لوگ نمازوں کی رکعات سے بیخبر تھے یا حج کرنے کے طریق سے ناآشنا تھے کیونکہ سلسلہ تعامل نے جو سنّت کے ذریعے سے ان میں پیدا ہو گیا تھا تمام حدود اور فرائض اسلام ان کو سکھلا دیئے تھے اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اُن حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مُدّت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اِسلام کی اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا کیونکہ قرآن اور سلسلہ تعامل نے اُن ضرورتوں کو پورا کر دیا تھا۔ تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا گویا اسلام نورٌ علٰی نور ہو گیا اور حدیثیں قرآن اور سنّت کے لئے گواہ کی طرح کھڑی ہو گئیں اور اسلام کے بہت سے فرقے جو بعد میں پیدا ہو گئے اُن میں سے سچے فرقے کو احادیث صحیحہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 210، 211)

(مندرجہ بالا تین رہنما محکم اصولوں کے بعد جن پر تمام شریعتِ حقّہ کی بنیاد ہے اگر کوئی مسئلہ حل طلب رہ جائے یا اس کے حل میں مزید روشنی اور راہنمائی کی ضرورت ہو یا کوئی نیا

مسئلہ پیدا ہو جائے تو ان مسائل کے حل کے لئے جماعت کے مجتہدین اور راسخین فی العلم کو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی حسبِ ذیل ہدایت ہے۔)

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالفِ قرآن اور سُنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو، اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اِس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خدا داد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اُس حدیث کو چھوڑ دیں۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 212)

قرآن کریم اور حدیث بطور حجت شرعیہ

کتاب وسنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطور حجت شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے لیکن جو معانی نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی

تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم **موضوع** قرار دیں گے کیونکہ اللہ جلَّ شانہٗ فرماتا ہے **فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیَاتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ** (الجاثیہ:7) **یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔** اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جاوے اور منشاء اچھی طرح سے کھل جائے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ **فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ** (الاعراف:186) ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کے رو سے **ہر ایک مومن کا یہ ہی مذہب ہونا چاہئے کہ وہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے۔**

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 11، 12)

قولی، فعلی اور تقریری احادیث کے لئے بھی مِحَک قرآن کریم ہے

جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس امر کو بھی اسی محک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیہ شریفہ **فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ** وہ حدیث قولی یا فعلی قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر وچشم اس کو قبول کریں گے اور اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کیلئے کوشش کریں گے اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف صاف کھلے طور پر ہمیں مخالف معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ اس حدیث کو ترک کر دیں گے۔ کیونکہ

حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 12)

احادیث صرف مفید ظن ہیں

حدیثیں غایت کار ظنی ہیں اور جب کہ وہ مفید ظن ہیں تو ہم کیونکر روایت کی رو سے بھی ان کو وہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کا مرتبہ ہے۔جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اس طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر یک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اس یقین کے ساتھ انکی صحت روایت پر ایمان لاویں کہ جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے لیکن قرآن کریم کے کھلے کھلے منشاء سے برخلاف ہے تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اسکی مخالفت کی حالت میں قرآن کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں؟ پس آپ کا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کی رو سے ماننے کے لائق ہیں، یہ ایک دھوکا دینے والا قول ہے کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے وہ مرتبہ قرآن کریم کے ثبوت سے ہموزن ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآن کریم کے مرتبہ ثبوت سے ہم وزن ہے تو بلا شبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہئے مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظن ہیں۔ وَالظَّنُّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 14)

بخاری اور مسلم کی احادیث ظنی طور پر صحیح ہیں

آپ خود مانتے ہیں (مراد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں) کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے اعلیٰ مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں اور غایت کار مفید ظن ہیں تو آپ اس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انہیں مان لینا چاہئے جس مرتبہ پر قرآن کریم مانا جاتا

ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظن کے مرتبہ تک ہیں بجز چند حدیثوں کے۔ تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظن کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہئے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 15)

آپ خود اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا یہ مذہب ہوا ہے۔ ’’کہ ایک ملہم شخص ایک صحیح حدیث کو بالہام الٰہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو بالہام الٰہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے۔‘‘ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پایہ قرآن کریم مان لیں گے؟ ہاں یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہوں گی۔ لیکن کیونکر ہم اس بات پر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جب کہ وہ صرف ظنی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر تو پھر یقینی طور پر ان کا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں!

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 15)

مذاہب اربعہ کا اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہی ہے

میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں تھی بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین کا ادّعا کرنا ادّعائے باطل ہے۔ دنیا میں جو اس قدر مخالف فرقے اہل اسلام میں ہیں خاص کر مذاہب اربعہ ان چاروں مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دے دی ہے کہ یہ

احادیث ظنی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں ان کو ملی ہوں گی مگر ان کی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں۔ بھلا آپ فرماویں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں تو کیا وہ شخص آپ کے نزدیک کافر ہو جائے گا؟ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہو سکتا تو آپ کیونکر ان حدیثوں کو روایتی ثبوت کے رو سے یقینی ٹھہرا سکتے ہیں؟ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 15-16)

پہلے ادب کی راہ سے حدیث کی تاویل کی جائے

جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جاوے اور اس پر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے اور یہ علم اس کا کمال یقین اور قطعیت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اول ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت سے نہ ہو سکے تو بدرجہ ناچاری اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کا قائل ہو۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد اور کفر ہوگا کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں سے ہم کو ملی ہیں اور انسانوں کی باتوں کا ان میں ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے قرآن کو چھوڑ دیں!!! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے اور وہ عزّ اسمہٗ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے اور اصل منشاء بعض آیات کا معہ اُن کے ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے اَب میں اِس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس

سے انکار کروں! (الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 21)

بخاری اور مسلم محدّثین کا اجتہاد ہے

آپ کا سوال (مراد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔ناقل) جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم صحیح و واجب العمل ہیں یا غیر صحیح و ناقابل عمل اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آ گیا۔لیکن میں سوچ میں ہوں کہ میں کس شرعی قاعدہ کے رو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق و تفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں؟ طریق تقویٰ یہ ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہ کیا جاوے اللہ جلَّ شانہٗ فرماتا ہے۔ **لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا** (بنی اسرائیل:37) سو اگر میں دلیری کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید احادیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلاشبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات و دلائل پر مبنی ہوگا؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام ائمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین نے کس قانون قطعی اور یقینی کی رو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل ٹھہرایا ہے؟ تو میرے اندر سے نور قلب یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی اک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ

یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں ائمہ حدیث نے کی ہے۔ وہ حدیثیں قرآن کریم کی کسی آیہ محکمہ اور بیّنہ سے منافی اور متغائر نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت اور یقین تام کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے **قطع نظر** کی جائے تو پھر کوئی وجہ ان کے یقینی الثبوت ہونے کی **معلوم نہیں** ہوتی۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 18، 19)

کیا بخاری اور مسلم کی احادیث پر اجماع ہو جانے کی دلیل قابلِ قبول ہے

حضرت مسیح موعودؑ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ بخاری اور مسلم کی احادیث کے یقینی الثبوت ہونے کی ایک یہ وجہ پیش کی جائے گی کہ اس پر اجماع ہو گیا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے آپؑ نے فرمایا ”آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۳۰ میں اجماع کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے“ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

اجماع میں اولاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں بعضے اس کے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہوسکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت امکان علم کے بھی منکر ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع زمانہ صحابہ جب کہ مومنین اہل اجماع بہت تھوڑے تھے اور ان سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی اور زمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔

اسی کے مطابق کتاب **حصول المامول** میں ہے جو کتاب **ارشاد الفحول** شوکانی سے ملخص ہے اس میں کہا۔ ”جو یہ دعویٰ کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دنیا کی جو اجماع میں معتبر ہیں معرفت پر قادر ہے وہ اس دعویٰ میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اس نے کہا اٹکل سے کہا۔“ خدا امام احمد حنبل پر رحم کرے کہ انہوں نے صاف فرما دیا ہے کہ جو دعویٰ اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔ فقط۔

اب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری اور مسلم کی احادیث کی نسبت جو اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دعویٰ کیونکر راستی کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں؟ حالانکہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 19، 20)

بخاری اور مسلم کی صحت پر ہرگز اجماع نہیں ہوا

بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر جب کہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی الصحت ہیں؟ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کونسی ہے؟ کیا کوئی قرآن کریم میں ایسی آیت پائی جاتی ہے کہ تم نے بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا؟ اور اس کی کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلالحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محک کلام الٰہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو؟ جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں! لیکن ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بیّنہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہوسکتا کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں؟ حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے؟ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلاشرط صحیح خیال کر بیٹھے ہیں؟

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 20، 21)

کیا بخاری اور مسلم کی کوئی حدیث موضوع ہے؟

یہ بات جو آپ نے (مراد مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ہیں۔ناقل) مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری یا مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔سو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا ہے تو خدا تعالیٰ نے تاویل کا باب میرے پر کھول دیا ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 21، 22)

صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین میں سے آپ کا امام کون ہے؟

اور آپ نے (مراد مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ہیں۔ناقل) یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔میری اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا **بار ثبوت میرے ذمہ نہیں**۔ بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے **فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ** (الاعراف: 186) اور فرماتا ہے **قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى** (البقرہ: 121) اور فرماتا ہے **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا** (آل عمران: 104) اور فرماتا ہے **هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى** (البقرہ: 186) اور فرماتا ہے **اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ** (الشوریٰ: 118) اور فرماتا ہے۔**اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ** (الطارق: 14) **لَا رَیْبَ فِیْهِ** (البقرہ: 3) **تو پھر اس کے بعد کون** ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے **حَکَم** مقرر نہ کرے؟ اور جب کہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام **حَکَم** ہے اور **قول فصل** ہے اور حق اور باطل کی شناخت کیلئے **فرقان** ہے اور

میزان ہے تو کیا یہ ایمانداری ہوگی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر ایمان نہ لائیں؟ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ **مذہب** ہونا چاہئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر **عرض** کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنیوالے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 22)

الہام ملہم کے لئے حجت شرعی کے قائمقام ہے

(مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ) صاف تسلیم کر آئے ہیں کہ **الہام** ملہم کیلئے حجت شرعی کے **قائم مقام** ہوتا ہے علاوہ اس کے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ حدیث بخاری بہ تصریح بیان کر چکے ہیں کہ **الہام محدث کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے**۔ ماسوا اس کے میں اس بات کیلئے آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں مگر یہ تو آپ اپنے ریویو میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ **ملہم کیلئے وہ الہام حجت ہو جاتا ہے**۔ سو میرا دعویٰ اسی قدر سے ثابت ہے۔ میں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 24)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ من کلّ الوجوہ مرتبہ کمال تک پہنچ گئی ہے

ائمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈال کر باعتبار اُن کے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت اور باعتبار اُن کے قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جن کا ذکر اس جگہ موجب تطویل ہے کسی حدیث

کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں مگر ان کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے جس میں امکان غلطی کا نہیں بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بخیال ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرّا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائی جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 25، 26)

اگر احادیث کا مرتبہ ظنی ہے تو احکام صوم وصلوٰۃ کو بھی ظنّی کیوں نہ سمجھا جائے

علم حدیث ایک ظنّی علم ہے جو مفید ظن ہے۔ اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ و حج وزکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکے کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں وبس۔ بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ **سلسلہ تعامل** ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اگر فرض کر لیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا پھر بھی یہ سب اعمال وفرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہئے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت لوگ حج نہیں کرتے تھے؟ یا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے؟ ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام واعمال کو یک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں تو بے شک یہ درجہ یقینی وثبوت تام جواب ان میں پایا جاتا ہے ہرگز نہ ہوتا سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت

اس سلسلہ کوفن حدیث سے کچھ تعلق نہیں وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 26)

احادیث کے دو حصے

احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ **تعامل** کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کے وثاقت اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلۂ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جن کو سلسلۂ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ **یقینی** اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ وطہارت وغیرہ شرائط پر **موقوف** ہے۔ اور ان تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رویت کا رکھتا ہے پہنچنا حکم **محال** کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 35)

مراتب صحت میں تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں

جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس حالت میں مَیں حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا۔ اور میں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ **حدیثوں کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی معیار ہمارے پاس نہیں۔**

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 35، 36)

تعامل حجت قوی ہے!

میری غرض تو صرف اس قدر ہے کہ حدیث کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہئے، ہاں اگر سلسلہ تعامل کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 42)

تعامل کے درجے

تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں جن امور کی مواظبت اور مداومت بلافتور و اختلاف چلی آئی ہے وہ اول درجہ پر ہیں اور جس قدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لے کر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم

درجہ پر ہیں مثلاً رفع یدین یا عدم رفع یدین جو دو طور کا تعامل چلا آتا ہے ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اول سے آج تک کثرت سے پایا جاتا ہے اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور بااین ہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس بات پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفت قراءت کی طرح طُرق ادائے صلوٰۃ میں رفع تکلیف امت کیلئے وسعت دیدی ہوگی اور اس اختلاف کو خود دانستہ رخصت میں داخل کردیا ہوگا تا امت پر حرج نہ ہو۔ غرض اس میں کون شک کرسکتا ہے کہ سلسلۂ تعامل سے احادیثِ نبویہ کو قوت پہنچتی ہے اور سنتِ متوارثہ متعاملہ کا اُن کو لقب ملتا ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 87)

سنن متوارثہ متعاملہ

سلسلۂ تعامل کی حدیثیں یعنی سنن متوارثہ متعاملہ جو عاملین اور آمرین کے زیرنظر چلی آئی ہیں اور علیٰ قدر مراتب تاکید مسلمانوں کی عملیات دین میں قرناً بعد قرنٍ وعصراً بعد عصرٍ داخل رہی ہیں وہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو ان کا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے اور اگر ان کے ذریعہ سے کچھ زیادت تعلیم قرآن پر ہو تو اس سے مجھے انکار نہیں۔ ہرچند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 80،81)

کیا بخاری اور مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہوچکا ہے!

آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہوچکا ہے! اب ان کو بہرحال آنکھیں بند کرکے صحیح مان لینا چاہئے! لیکن میں سمجھ نہیں سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب العمل ہوگیا ہے؟ دنیا میں حنفی لوگ پندرہ کروڑ کے قریب

ہیں وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسوا اس کے آپ صاحبان ہی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہئے اور قرآن کریم پر بغیر کسی شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 41)

خبر واحد سے قرآن پر زیادت ہو سکتی ہے

میرا مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مذہب کی نسبت حدیث کی بہت رعایت رکھنے والا ہے کیونکہ میں صحیحین کی خبر واحد کو بھی جو تعامل کے سلسلہ سے مؤکّد ہے اور احکام اور حدود اور فرائض میں سے ہو نہ حصہ دوم میں سے اس لائق قرار دیتا ہوں کہ قرآن پر اس سے زیادتی کی جائے اور یہ مذہب ائمہ ثلاثہ کا نہیں مگر یاد رہے کہ میں واقعی زیادتی کا قائل نہیں بلکہ میرا ایمان ...... تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ پر ہے جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 100)

حدیث سے مراد۔ واقعات ماضیہ واخبار گزشتہ وآئندہ

ایسی احادیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ میں سے نہیں ہیں اور سلسلۂ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں رکھتیں وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں صرف اخبار گزشتہ وقصص ماضیہ یا آئندہ ہیں .... اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکالنے کے بعد جو احادیث بکلی فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتے ہیں وہ یہی واقعات واخبار وقصص ہیں جو تعامل کے تاکیدی سلسلہ سے باہر ہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 82)

حدیث، جو معارض قرآن نہ ہو قابلِ قبول ہے

اگر نہایت ہی نرمی کریں تو ان حدیثوں کو ظنّ کا مرتبہ دے سکتے ہیں اور یہی محدثین کا

مذہب ہے اور ظـنّ وہ ہے جس کے ساتھ کذب کا احتمال لگا ہوا ہے۔ پھر ایمان کی بنیاد محض ظـنّ پر رکھنا اور خدا کے قطعی یقینی کلام کو پسِ پُشت ڈال دینا کونسی عقلمندی اور ایمانداری ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردّی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اُن میں سے وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی اور معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔

(اعجاز احمدی۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 138)

اجماع کی تعریف (کتب اصولِ فقہ کی روشنی میں)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتبِ اصولِ فقہ میں مندرج اجماع کی مختلف تعریفوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

اَلْاِجْمَاعُ اِتِّفَاقُ مُجْتَهِدِيْنَ صَالِحِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ مُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ عَصْرٍ وَاحِدٍ وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ عَلٰى اَمْرٍ قَوْلِيٍّ اَوْ فِعْلِيٍّ .....

یعنی اجماع اس اتفاق کا نام ہے جو امت محمدیہ کے مجتہدین صالحین میں زمانہ واحد میں پیدا ہوا اور بہتر تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پایا جائے اور جس امر پر اتفاق ہو برابر ہے کہ وہ امر قولی ہو یا فعلی۔

☆ اور اجماع کی دو نوع ہیں ایک وہ ہے جس کو عزیمت کہتے ہیں اور عزیمت اس بات کا نام ہے کہ اجماع کرنیوالے صریح تکلم سے اپنے اجماع کا اقرار کریں کہ ہم اس قول یا فعل پر متفق ہو گئے۔ لیکن فعل میں شرط ہے کہ اس فعل کا کرنا بھی وہ شروع کر دیں۔

☆ دوسری نوع اجماع کی وہ ہے جس کو رخصت کہتے ہیں اور وہ اس بات کا نام ہے کہ اگر اجماع کسی قول پر ہے تو بعض اپنے اتفاق کو زبان سے ظاہر کریں اور بعض چپ رہیں اور اگر اجماع کسی فعل پر ہے تو بعض اسی فعل کا کرنا شروع کر دیں اور بعض فعلی مخالفت سے دستکش

رہیں۔ گو اس فعل کو بھی نہ کریں اور تین دن تک اپنی مخالفت قول یا فعل سے ظاہر نہ کریں یا اس مدت تک مخالفت ظاہر نہ کریں جو عادتاً اس بات کے سمجھنے کیلئے دلیل ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی اس جگہ مخالف ہوتا تو ضرور اپنا خلاف ظاہر کرتا اور اس اجماع کا نام اجماع سکوتی ہے اور اس میں یہ ضروری ہے کہ کل کا اتفاق ہے۔

☆ مگر بعض سب کے اتفاق کو ضروری نہیں سمجھتے تا مَنْ شَذَّ شُذَّ کی حدیث کا مورد باقی رہے اور حدیث باطل نہ ہو جائے۔

☆ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ مجتہدین کا ہونا ضروری شرط نہیں بلکہ انعقاد اجماع کیلئے عوام کا قول کافی ہے جیسا کہ باقلانی کا یہی مذہب ہے۔

☆ اور بعض کے نزدیک اجماع کیلئے یہ ضروری شرط ہے کہ اجماع صحابہ کا ہو نہ کسی اور کا۔

☆ اور بعض کے نزدیک اجماع وہی ہے جو عترت یعنی اہل قرابت رسول اللہؐ کا اجماع ہو۔

☆ اور بعض کے نزدیک یہ لازم شرط ہے کہ اجماع کرنے والے خاص مدینہ کے رہنے والے ہوں۔

☆ اور بعض کے نزدیک تحقیق اجماع کیلئے یہ شرط ہے کہ اجماع کا زمانہ گذر جائے۔ چنانچہ شافعی کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے وہ کہتا ہے کہ اجماع تب متحقق ہوگا کہ اجماع کے زمانہ کی صف لپیٹی جائے اور وہ تمام لوگ مر جائیں جنہوں نے اجماع کیا تھا اور جب تک وہ سب نہ مریں تب تک اجماع صحیح نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے قول سے رجوع کرے اور یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ کسی نے اپنے قول سے رجوع تو نہیں کیا اور نقل اجماع پر بھی اجماع چاہئے۔ یعنی جو لوگ کسی امر کے بارہ میں اجماع کے قائل ہیں ان میں بھی اجماع ہو۔

☆ اور اجماع لاحق مع اختلاف سابق جائز ہے یعنی اگر ایک امر پہلے لوگوں نے اجماع نہ کیا اور پھر کسی دوسرے زمانہ میں اجماع ہو گیا ہو تو وہ اجماع بھی معتبر ہے اور بہتر اجماع میں یہ

ہے کہ ہر زمانہ اس کا سلسلہ چلا جائے۔

☆ اور بعض معتزلہ کا قول ہے کہ اتفاق اکثر سے بھی اجماع ہوسکتا ہے بدلیل **مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ**

☆ اور بعض نے کہا ہے کہ اجماع کوئی چیز نہیں اور اپنی جمیع شرائط کے ساتھ متحقق نہیں ہوسکتا۔ دیکھو کتب اصول فقہ ائمہ اربعہ۔

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ علماء کا اس تعریف اجماع پر بھی اجماع نہیں اور انکار اور تسلیم کے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 116 تا 118)

حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک اجماع کی تعریف

میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے اس رائے کے مخالفت ظاہر نہ فرماویں تو یہی اجماع ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسی صحابی نے جو امیر المومنین تھے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنی رائے ظاہر کی اور آنحضرت نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے اور پھر اسی امر کے بارے میں ابن عمر نے بھی قسم کھائی اور جابر نے بھی اور کئی صحابیوں نے یہی رائے ظاہر کی تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا، سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے۔ اور کون سی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو اور جس قدر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھا کر اس کا دجال معہود ہونا بیان کیا ہے یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں اور اگر آپ پیش نہ کرسکیں تو آپ پر حجت من کل الوجوہ ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہو گیا ہوگا کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں آنحضرت صلعم کا قسم کو سن کر چپ رہنا ہزار اجماع

سے افضل ہے اور تمام صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 43)

اجماع صرف صحابہؓ کے زمانہ تک تھا

اجماع صرف صحابہؓ کے زمانہ تک تھا پھر فیج اعوج کا زمانہ شروع ہوگیا اور لوگ صراط مستقیم سے بھٹک گئے اور اس وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ رحمان خدا کی طرف سے ایک حَکَم مبعوث ہو۔ (لجۃ النور۔ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 415-416 ترجمہ از عربی عبارت)

قرآن مجید کے خلاف کوئی اجماع قابلِ قبول نہیں

وَلَا نَقْبَلُ اِجْمَاعًا یُخَالِفُ الْقُرْآنَ وَحَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ وَلَا نَسْمَعُ قَوْلَ الْآخَرِیْنَ

ترجمہ: اور ہم کسی ایسے اجماع کو قبول نہیں کریں گے جو قرآن کریم کے مخالف ہو اور ہمارے لئے تو اللہ کی کتاب کافی ہے اور ہم (اس کے مقابلے میں) دوسروں کے اقوال نہیں سُنیں گے۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 133 ترجمہ از عربی عبارت)

صحابہؓ کا پہلا اجماع تمام انبیاء کی وفات پر ہوا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس امت پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا شکر نہیں ہو سکتا اگر وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں اکٹھے کر کے یہ آیت نہ سناتے کہ تمام گزشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں تو یہ امت ہلاک ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس زمانے کے مفسد علماء یہی کہتے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں۔ مگر اب صدیق اکبر کی آیت ممدوحہ پیش کرنے سے اس بات پر کل صحابہ کا اجماع ہو چکا کہ کل گزشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں بلکہ اس اجماع پر شعر بنائے گئے۔ ابوبکر کی روح پر خدا تعالیٰ ہزاروں

رحمتوں کی بارش کرے اُس نے تمام روحوں کو ہلاکت سے بچالیا اور اس اِجماع میں تمام صحابہ شریک تھے۔ ایک فرد بھی ان میں سے باہر نہ تھا۔ اور یہ صحابہ کا پہلا اجماع تھا اور نہایت قابل شکر کارروائی تھی۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 285-286 حاشیہ)

حیاتِ مسیح پر اجماع نہیں ہوا

اگر یہ سوال ہو کہ اس امر پر اجماع ہوا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے خلاف عمل نہ کیا جائے تو ہم اجماع کی حقیقت خوب کھول چکے ہیں... امام احمد بن حنبل جو خدا سے ڈرتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے اُن کے اس قول کو یاد کرو کہ جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔ بہت سے اختلافات جزئیہ ائمہ اربعہ میں موجود ہیں اور ائمہ کے اجماع سے خارج ہیں اور اگر تم سمجھتے ہو کہ حیاتِ عیسیٰؑ پر سندِ صحیح سے اور واضح بیان سے اجماع ہو چکا ہے تو یہ تمہارا اور تم جیسے دوسرے لوگوں کا افتراء ہے۔

(اتمام الحجۃ ۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 280 ترجمہ از عربی عبارت)

اجماع کے معنوں میں اختلاف

خود اجماع کے معنوں میں ہی اختلاف ہے۔ بعض صحابہؓ تک ہی محدود رکھتے ہیں بعض قرون ثلاثہ تک بعض ائمہ اربعہ تک مگر صحابہ اور ائمہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور اجماع کے توڑنے کے لئے ایک فرد کا باہر رہنا بھی کافی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ امام مالک رضی اللہ عنہ جیسا عظیم الشان امام جس کے قول کے کروڑہا آدمی تابع ہوں گے حضرت عیسیٰ کی وفات کا صریح قائل ہو اور پھر یہ لوگ کہیں کہ ان کی حیات پر اجماع ہے۔

(اتمام الحجۃ ۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 295)

اجماع صحابہؓ کی اتباع ضروری ہے

ہماری جماعت میں وہی داخل ہوگا جو دینِ اسلام میں داخل ہو اور کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ

کا متبع ہو اور اللہ اور اس کے رسول اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ پر ایمان رکھے اور یہ وعدہ اور اقرار کرے کہ وہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین نہیں چاہتا اور وہ اس دین پر مرے جو دینِ فطرت ہے اور اللہ کی کتاب کو پکڑے رکھے اور سنت اور قرآن اور اجماعِ صحابہؓ سے جو ثابت ہو، اس پر عمل کرے اور جس نے ان تین چیزوں کو چھوڑا تو اس نے گویا اپنے نفس کو آگ میں چھوڑا۔

(مواہب الرحمان۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 315 ترجمہ از عربی عبارت)

ایک صحابی کی رائے شرعی حجّت نہیں

یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابیؓ کی رائے شرعی حجّت نہیں ہوسکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع صحابہؓ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 410)

شرعی حجّت صرف اجماع صحابہؓ ہے

صاحب تفسیر (تفسیر ثنائی۔ ناقل) لکھتا ہے کہ ’’ابو ہریرہ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابو ہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔‘‘ ....

کئی مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درایت کے متعلق ہیں اکثر ابو ہریرہؓ ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔ یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابیؓ کی رائے شرعی حجّت نہیں ہوسکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 410)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم .... کا اجتہاد سب اجتہادوں سے اسلم اور اقویٰ اور اصحّ ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 169)

کیا خبر واحد واجب العمل ہے؟

حنفیوں کا ہرگز یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل ہے اور نہ شافعی کا یہ مذہب ہے بلکہ فقہ حنفیہ کا تو یہ اصول ہے کہ جب تک اکثر قرنوں میں تواتر حدیث کا ثابت نہ ہو گو پہلے قرن میں نہیں مگر جب تک بعد میں اخیر تک تواتر نہ ہو تب تک ایسی حدیث کے ساتھ قرآن پر زیادت جائز نہیں اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اگر حدیث آیت کے مخالف ہو تو باوجود تواتر کے بھی کالعدم ہے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 94)

احاد احادیث مخالف قرآن ہوں تو قابلِ قبول نہیں

علماء حنفیہ خبر واحد سے گو وہ بخاری ہو یا مسلم قرآن کریم کے کسی حکم کو ترک نہیں کرتے اور نہ اس پر زیادت کرتے ہیں اور امام شافعی حدیث متواتر کو بھی بمقابلہ آیت کالعدم سمجھتا ہے اور امام مالک کے نزدیک خبر واحد سے بشرط نہ ملنے آیت کے قیاس مقدم ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۵۰ کتاب نورالانوار اصول فقہ۔

اس صورت میں جو کچھ ان اماموں کی نظر میں درصورت قرآن کے مخالف ہونے کے احادیث کی عزت ہوسکتی ہے عیاں ہے خواہ اس قسم کی حدیثیں اب بخاری میں ہوں یا مسلم میں۔ یہ ظاہر ہے کہ بخاری اور مسلم اکثر مجموعہ احاد کا ہے اور جب احاد کی نسبت امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے کہ وہ قرآن کے مخالف ہونے کی حالت میں ہرگز قبول کے لائق نہیں تو اب فرمایئے کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک وہ حدیثیں بہرحال واجب العمل ہیں؟ اول حنفیوں اور مالکیوں وغیرہ سے ان سب پر عمل کرائے اور پھر یہ بات منہ پر لائے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 99)

قیاسات مسلّمہ مجتہدین واجب العمل ہیں!

میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے

علیحدگی نہیں جس طرح سارے اہل اسلام احکام بینہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ و قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں اسی طرح میں بھی جانتا ہوں۔ صرف بعض اخبار گزشتہ و مستقبلہ کی نسبت الہام الٰہی کی وجہ سے جس کو میں نے قرآن سے بکلّی مطابق پایا ہے بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی نہیں کرتا جو حال کے علماء کرتے ہیں کیونکہ ایسے معنے کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھہرتی ہیں بلکہ دوسری احادیث کی بھی جو صحت میں ان کے برابر ہیں مغائر و مبائن قرار پاتی ہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 82)

جماعت کے لئے لائحہ عمل

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سُنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اُس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کرلیں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اِس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اُس حدیث کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبداللہ کے اہلحدیث سے اقرب ہے اور عبداللہ چکڑالوی کے بیہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہر ایک جو ہماری جماعت میں ہے اُسے یہی چاہئے کہ وہ عبداللہ چکڑالوی کے عقیدوں سے جو حدیثوں کی نسبت وہ رکھتا ہے بدِل متنفّر اور بیزار ہو اور ایسے لوگوں کی صحبت سے حتی الوسع نفرت رکھیں کہ یہ دوسرے مخالفوں کی نسبت زیادہ برباد شدہ فرقہ ہے اور چاہئے کہ نہ وہ مولوی محمد حسین کے گروہ کی طرح

حدیث کے بارہ میں افراط کی طرف جھکیں اور نہ عبداللہ کی طرح تفریط کی طرف مائل ہوں بلکہ اِس بارہ میں وسط کا طریق اپنا مذہب سمجھ لیں یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلّی حدیثوں کو اپنا قبلہ وکعبہ قرار دیں جس سے قرآن متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے اور نہ ایسے طور سے اُن حدیثوں کو معطل اور لغو قرار دیدیں جن سے احادیث نبویہ بکلّی ضائع ہو جائیں۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 212،213)

ہماری مسلمہ کتابیں

ہماری کتبِ مسلّمہ مقبولہ جن پر ہم عقیدہ رکھتے ہیں اور جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں بہ تفصیلِ ذیل ہیں۔

اوّل، قرآن شریف۔مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں۔کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسّر نہ آسکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسّر ہو۔غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں۔پس ہر یک معترض پر لازم ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔

دوم، دوسری کتابیں جو ہماری مسلّم کتابیں ہیں اُن میں اوّل درجہ پر صحیح بخاری ہے اور اس کی وہ تمام احادیث ہمارے نزدیک حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور اُن میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو۔اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی، ابن ماجہ، موَطا، نسائی، ابوداوَد، دارقطنی کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں اور یہ شرائط ہیں جن کی

رو سے ہمارا عمل ہے۔ (آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 86، 87)

بخاری اور مسلم کا مقام

آپؑ بخاری کا مقام بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

مسلمانوں کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے .....ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابیں بہت سے معارف اور مسائل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔
(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 65)

مزید فرمایا

بخاری کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برکت اور نور ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں رسول اللہؐ کے منہ سے نکلی ہیں۔ (الحکم 17 اگست 1902ء صفحہ 11)

آپؑ نے صحیح مسلم کے بارہ میں فرمایا

صحیح مسلم اس شرط سے وثوق کے لائق ہے کہ جب قرآن یا بخاری سے مخالف نہ ہو اور بخاری میں صرف ایک شرط ہے کہ قرآن کے احکام اور نصوص صریحہ بینہ سے مخالف نہ ہو اور دوسری کتب حدیث صرف اس صورت میں قبول کے لائق ہوں گے کہ قرآن اور بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث سے مخالف نہ ہوں۔ (آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 60 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود نے قرآن کریم کے مقابل پر صحیح بخاری اور مسلم کے بارے میں فرمایا

میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں تھی۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 15)

مزید فرمایا:۔

امام بخاری اور مسلم کی عظمتِ شان اور ان کی کتابوں کا امت میں قبول کیا جانا اگر مان بھی لیا جاوے تب بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کتابیں قطعی اور یقینی ہیں۔ کیونکہ امت نے ان

کے مرتبہ قطع اور یقین پر ہرگز اجماع نہیں کیا۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 98)

بخاری کتاب الطب باب السحر میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں نعوذ باللہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادداشت متاثر ہوگئی تھی۔ حضرت مسیح موعود کے سامنے جب اس کا ذکر کیا گیا تو حضورؑ نے فرمایا:۔

آنکھ بند کر کے بخاری اور مسلم کو مانتے جانا یہ ہمارے مسلک کے برخلاف ہے۔ یہ تو عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایسے عالی شان نبی پر جادو اثر کر گیا ہو، ایسی ایسی باتیں کہ اس جادو سے (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کا حافظہ جاتا رہا یہ ہوگیا اور وہ ہوگیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبیث آدمی نے اپنی طرف سے ایسی باتیں ملا دی ہیں۔ گو ہم نظر تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں، لیکن جو حدیث قرآن کریم کے برخلاف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو، اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اُس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا۔ مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے۔ وہ جمع کرنے کا وقت تھا۔ لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے۔ آثار نبی جمع کرنا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جمع کرنے والے خوب غور سے کام نہیں لے سکتے۔ اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ خوب غور اور فکر سے کام لے جو ماننے والی ہو وہ مانے اور جو چھوڑنے والی ہو وہ چھوڑ دے۔

(الحکم 10 نومبر 1907ء صفحہ 8)

قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں اتباع کریں۔ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو، ہم واجب العمل سمجھتے ہیں۔ اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔

(البدر 8 ستمبر 1904ء صفحہ 8)

علمِ فقہ اور فقہاء

تَفَقُّہُ فِی الدِّین کی ضرورت

فرمایا

ہماری جماعت کو علمِ دین میں تَـفَـقُّـہُ پیدا کرنا چاہئے۔مگر اس کے وہ معنے نہیں جو عام ملّاں لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں کہ استنجاء وغیرہ کے چند مسائل آ گئے وہ بھی تقلیدی رنگ میں فقیہ بن بیٹھے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی اور ہمارے کلام میں تدبّر کریں۔قرآنی معارف و حقائق سے آگاہ ہوں۔ (بدر 25 اپریل 1907ء صفحہ 4)

ائمہ اربعہ اسلام کے لئے چار دیواری

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور الگ ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جب وہ آپ سے ملا تو باتوں باتوں میں اس نے کئی دفعہ یہ کہا کہ میں حنفی ہوں اور تقلید کو اچھا سمجھتا ہوں وغیرہ ذالک۔آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم کوئی حنفیوں کے خلاف تو نہیں ہیں کہ آپ بار بار اپنے حنفی ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ میں تو ان چار اماموں کو مسلمانوں کے لئے بطور ایک چار دیواری کے سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے وہ منتشر اور پراگندہ ہونے سے بچ گئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اس بات کی اہلیت نہیں رکھتا کہ دینی امور میں اجتہاد کرے۔پس اگر یہ ائمہ نہ ہوتے تو ہر اہل و نااہل آزادانہ طور پر اپنا طریق اختیار کرتا۔ اور امتِ محمدیہ میں ایک اختلاف عظیم کی صورت قائم ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان چار اماموں نے جو اپنے علم و معرفت اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے اجتہاد کی اہلیت رکھتے تھے۔

مسلمانوں کو پراگندہ ہوجانے سے محفوظ رکھا۔ پس یہ امام مسلمانوں کے لئے بطور ایک چار دیواری کے رہے ہیں اور ہم ان کی قدر کرتے اور ان کی بزرگی اور احسان کے معترف ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یوں تو سارے اماموں کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے مگر امام ابوحنیفہ کو خصوصیت کے ساتھ علم و معرفت میں بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور ان کی قوت استدلال کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 334)

ایک موقع پر فرمایا:۔

امام شافعی اور حنبل وغیرہ کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہوگئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہلِ حق اور ناحق میں تمیز نہ ہوسکتی۔ ہزارہا گندے آدمی ملے جلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہوجاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہوسکتی۔

(بدر 3 نومبر 1905ء صفحہ 4)

اَئمہ اربعہ برکت کا نشان تھے

میری رائے میں اَئمہ اربعہ ایک برکت کا نشان تھے۔ اُن میں رُوحانیت تھی، کیونکہ رُوحانیت تقویٰ سے شروع ہوتی ہے اور وہ لوگ درحقیقت متقی تھے اور خدا سے ڈرتے تھے اور اُن کے دِل کلابُ الدنیا سے مناسبت نہ رکھتے تھے۔ (الحکم 24 ستمبر 1901ء صفحہ 2)

حضرت امام ابوحنیفہ کا عالی مقام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت امام ابوحنیفہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا

بعض اَئمہ نے احادیث کی طرف توجہ کم کی ہے جیسا کہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ جن کو اصحاب الرائے میں سے خیال کیا گیا ہے اور ان کے مجتہدات کو بواسطہ دقّتِ معانی احادیث

صحیحہ کے برخلاف سمجھا گیا ہے۔ **مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف اپنی قوت** اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ سے **افضل و اعلیٰ** تھے اور اُن کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت **مدرکہ** کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور اُن کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد و استنباط میں اُن کے لئے وہ درجہ علیا مسلّم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ اس زیرک اور ربّانی امام نے کیسی ایک آیت کے ایک اشارہ کی عزت اعلیٰ وارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اس کے مخالف تھیں ردّی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا اور جہلا کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 385)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ 1891ء میں ایک مباحثہ ہوا جس کے دوران آپ نے محسوس کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں استخفاف سے کام لے رہے ہیں اس پر آپؑ نے فرمایا:۔

اے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں کو **امام بزرگ ابوحنیفہؒ** سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے آپ کو امام صاحب کی شان معلوم نہیں وہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں اسکا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے! امام بزرگ حضرت ابوحنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں یدطولیٰ تھا خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے مکتوب صفحہ ۳۰۷ میں فرمایا ہے کہ **امام اعظم صاحب کی آنیوالے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک روحانی مناسبت ہے۔** (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 101)

فخر الأئمہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار میں تحریر فرمایا کہ

’’اُن کے 76 صفحے کے مضمون میں بجز بے تعلق باتوں اور بدزبانی اور افتراء کے اور خاک بھی نہیں تھا اور بدزبانی سے یہاں تک انہوں نے کام لیا کہ ناحق بے وجہ امام بزرگ حضرت فخر الأئمہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شانِ بلند میں سخت تحقیر کے الفاظ استعمال کئے۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 196)

حنفی مذہب پر عمل کی مشروط ہدایت

فرمایا:۔

شریعت کے عملی حصہ میں سب سے اوّل قرآن مجید ہے۔ پھر احادیثِ صحیحہ جن کی سُنّت تائید کرتی ہے۔ اور اگر کوئی مسئلہ اِن دونوں میں نہ ملے تو پھر میرا مذہب تو یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا جائے کیونکہ اس کی کثرت اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی مرضی یہی ہے مگر ہم کثرت کو قرآن مجید و احادیث کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ قیاس صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی حالت میں احمدی علماء کا اجتہاد اولیٰ بالعمل ہے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 209)

مسیح موعودؑ کے حنفی مذہب پر ہونے سے کیا مراد ہے؟

مولوی بہاء الدین صاحب احمد آبادی نے پوچھا کہ مکتوبات امام ربانی میں مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر ہوگا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا:

اس سے یہ مراد ہے کہ جیسے حضرت امام اعظم قرآن شریف ہی سے استدلال کرتے تھے۔ اور قرآن شریف ہی کو مقدم رکھتے تھے۔ اسی طرح مسیح موعود بھی قرآن شریف ہی کے

علوم اور حقائق کو لے کر آئے گا۔ چنانچہ اپنے مکتوبات میں دوسری جگہ انہوں نے اس راز کو کھول بھی دیا ہے اور خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ مسیح موعود کو قرآنی حقائق کا علم دیا جائے گا۔

(الحکم 10 راگست 1901ء صفحہ 8)

مجددین ضرورتِ وقت کے مطابق آتے ہیں

فرمایا:

''مجدد جو آیا کرتا ہے وہ ضرورت وقت کے لحاظ سے آیا کرتا ہے نہ استنجے اور وضو کے مسائل بتلانے۔''

(الحکم 19 مئی 1899ء صفحہ 4)

غیر مقلدین سے بھی تعصب نہ رکھو

حضرت پیر سراج الحقؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

ایک روز حضرت اقدس علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور یہ وہابی غیر مقلد ناپاک فرقہ (میں اس وقت سخت متعصب حنفی تھا) جو ہے اس کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ سُن کر اور ہنس کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز پھر میں نے ذکر کیا۔ فرمایا کہ یہ فرقہ بھی خدا کی طرف سے ہے بُرا نہیں ہے۔ جب لوگوں نے تقلید اور حنفیت پر یہاں تک زور دیا کہ ائمہ اربعہ کو منصبِ نبوت دے دیا تو خدا نے اپنی مصلحت سے اس فرقہ کو پیدا کیا تا کہ مقلد لوگ راہِ راست اور درمیانی صورت میں رہیں۔ صرف اتنی بات ان میں ضرور بُری ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود مجتہد اور امام بن بیٹھا اور ائمہ اربعہ کو بُرا کہنے لگا۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 213، 214)

ایک اور موقعہ پر حضورؑ نے فرمایا

ایک عرب ہمارے ہاں آیا اور وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہاں تک کہ جب اس کے

سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اُتر آتا۔اس نے یہاں آکر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں اور وہابیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ ہم نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اس کو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے۔اس پر وہ خاموش ہو گیا اور اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا ہی ضروری سمجھتا ہوں۔

(بدر 4 جولائی 1907ء صفحہ 7)

خانہ کعبہ میں چاروں مذاہب فقہ کے الگ الگ مصلّے

یہ تو ظاہر ہے کہ انجام کار انہی اصولوں یا مدارات کی طرف لوگ آجاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ ایک فریق دُنیا میں بکثرت پھیل گیا ہے جیسا کہ آج کل حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی باوجود اُن سخت اختلافات کے جن کی وجہ سے مکہ معظّمہ کی ارضِ مقدّسہ بھی ان کو ایک مصلّے پر جمع نہیں کر سکی ایک دوسرے سے مخالطت اور ملاقات رکھتے ہیں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 498)

تقلید کی بھی کسی قدر ضرورت ہے

ایک دفعہ ایک واعظ ایسے طرز پر حضرتؑ کے سامنے گفتگو کرتا تھا کہ گویا اس کے نزدیک حضرتؑ بھی فرقہ وہابیہ کے طرفدار ہیں اور اپنے تئیں بار بار حنفی اور وہابیوں کا دشمن ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ حق کا طالب ہوں۔اس پر حضرتؑ نے فرمایا: اگر کوئی محبت اور آہستگی سے ہماری باتیں سُنے تو ہم بڑی محبت کرنے والے ہیں اور قرآن اور حدیث کے مطابق ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔اگر کوئی اس طرح فیصلہ کرنا چاہے کہ جو اَمر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہو، اُسے قبول کر لے گا اور جو ان کے برخلاف ہو اُسے رَد کر دے گا۔تو یہ

امرِ عین سرور، عین مدعا ہے اور عین آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جاوے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مطہر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ ہمارے ہاں جو آتا ہے۔ اُسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چاردیوار۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کئے جو نہایت متقی اور صاحبِ تزکیہ تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑتے ہیں اِس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دِی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اوّل وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا اور علم دیا۔ دوم وہ جو ان کی تابعداری کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ ان کو تزکیہ نفس عطاء کیا گیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب کے ہیں میں نے خود سُنا ہے کہ بعض لوگ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 277،278)

اختلافِ فقہاء

فرمایا:

آج کل علماء کے درمیان باہم مسائل میں اس قدر اختلاف ہے کہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ لاہور میں ایک طبیب غلام دستگیر نام تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مریضوں اور اس کے لواحقین کی اس ملک میں رسم ہے کہ وہ طبیب سے

پوچھا کرتے ہیں کہ یہ دوا گرم ہے یا سرد؟ تو میں نے اس کے جواب میں ایک بات رکھی ہوئی ہے۔ میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ اختلاف ہے۔ اوّل تو اس اختلاف کے سبب کئی فرقے ہیں۔ پھر مثلاً ایک فرقہ حنفیوں کا ہے ان میں آپس میں اختلاف ہے۔ پھر خود امام ابوحنیفہؒ کے اقوال میں اختلاف ہے۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 3)

جائز قیاس وہ ہے جو قرآن وسنت سے مستنبط ہو

ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ مرغی کی گردن بلی اتار کر لے گئی۔ مرغی پھڑک رہی ہے ذبح کر لی جائے؟ فرمایا:۔

ایسے مسائل میں اصول کے طور پر یاد رکھو کہ دین میں صرف قیاس کرنا سخت منع ہے۔ قیاس وہ جائز ہے جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہو۔ ہمارا دین منقولی طور سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ پس اگر آنحضرت ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت ہو جائے ورنہ کیا ضرورت ہے دو چار آنے کے لئے ایمان میں خلل ڈالنے کی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل :117)

(بدر 24 مئی 1908ء صفحہ 4)

سنت صحیحہ معلوم کرنے کا طریق

جب اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے تو سُنّتِ صحیحہ کیسے معلوم ہو؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ:۔

’’قرآن شریف، احادیث اور ایک قوم کے تقویٰ اور طہارت اور سنت کو جب آپس میں ملایا جاوے تو پھر پتہ لگ جاتا ہے کہ اصل سُنّت کیا ہے۔‘‘

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 114)

قیاس کی حجت

.... ان ساری باتوں کے علاوہ میں اب قیاس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر چہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ میرے ساتھ ہیں۔ اجماع صحابہؓ بھی میری تائید کرتا ہے۔نشانات اور تائیدات الٰہیہ میری مویّد ہیں۔ضرورت وقت میرا صادق ہونا ظاہر کرتی ہے لیکن قیاس کے ذریعہ سے بھی حجت پوری ہوسکتی ہے۔اس لیے دیکھنا چاہیے کہ قیاس کیا کہتا ہے؟ انسان کبھی کسی ایسی چیز کے ماننے کو تیار نہیں ہوسکتا جو اپنی نظیر نہ رکھتی ہو۔ مثلاً اگر ایک شخص آ کر کہے کہ تمہارے بچے کو ہوا اڑا کر آسمان پر لے گئی ہے یا بچہ کتا بن کر بھاگ گیا ہے تو کیا تم اس کی بات کو بلا وجہ معقول اور بلا تحقیق مان لو گے؟ کبھی نہیں،اس لیے قرآن مجید نے فرمایا:

فَاسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (النحل:44)

اب مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ پر اور اُن کے آسمان پر اڑ جانے کے متعلق غور کرو۔ قطع نظر ان دلائل کے جو ان کی وفات کے متعلق ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھ جانے کا معجزہ مانگا۔اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر طرح کامل اور افضل تھے ان کو چاہیے تھا کہ وہ آسمان پر چڑھ جاتے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے جواب دیا۔

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (بنی اسرائیل:94)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کہہ دو اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ وہ خلاف وعدہ کرے جبکہ اس نے بشر کے لیے آسمان پر مع جسم جانا حرام کر دیا ہے اگر میں جاؤں تو جھوٹا ٹھہروں گا۔

اب اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے کہ مسیح آسمان پر چلا گیا ہے اور کوئی بالمقابل پادری یہ آیت پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرے تو تم اس کا کیا جواب دے سکتے ہو۔

پس ایسی باتوں کے ماننے سے کیا فائدہ جن کا کوئی اصل قرآن مجید میں موجود نہیں۔اس طرح پر تم اسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے والے ٹھہرو گے۔ پھر پہلی کتابوں

میں بھی تو کوئی نظیر موجود نہیں اور ان کتابوں سے اجتہاد کرنا حرام نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ (الاحقاف:11)

اور پھر فرمایا کَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ (الرعد:44)

اور ایسا ہی فرمایا

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَايَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ (البقرہ:147)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کے لیے ان کو پیش کرتا ہے تو ہمارا ان سے اجتہاد کرنا کیوں حرام ہو گیا؟ (لیکچر لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 296، 297)

مقلدوں اور غیر مقلدوں کے اختلافات

ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا کہ مُقلّد غیر مقلدوں کی غلطیاں نکالتے اور وہ ان کی غلطیاں ظاہر کرتے اور اس طرح پر دوسرے فرقے آپس میں درندوں کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایک دوسرے کو کافر کہتے اور نجس بتاتے تھے۔ اگر کوئی تسلی کی راہ موجود تھی، تو پھر اس قدر اختلاف اور تفرقہ ایک ہی قوم میں کیوں تھا؟ غلطیاں واقع ہو چکی تھیں اور لوگ حقیقت کی راہ سے دور جا پڑے تھے۔ ایسے اختلاف کے وقت ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ خود فیصلہ کرتا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک **حَکَم** ان میں بھیج دیا۔ اب بتاؤ کہ میں نے کیا زیادتی کی ہے یا کیا قرآن شریف سے کم کر دیا ہے جو میری مخالفت کے لیے اس قدر جوش پیدا ہوا ہے۔ (الحکم 30 ستمبر 1904 صفحہ 3)

مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف وجوہ کفر

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مولوی محمد حسین صاحب کا ایک رسالہ آیا ہے جس میں چینیاں والی مسجد میں قیامت کے عنوان سے اس نے ایک مضمون لکھا

ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف ہے۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہم اس کو پرافٹ آف قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی کفر کا فتویٰ دیتے ہیں چنانچہ اس کے نیچے پھر کفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔

اس پر حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ: وجوہ کفر کیا ہیں؟

مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے، جیسے کہ کُتّے کو ہڈی کا چسکا ہوسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ قرآن کے لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ایک چپڑاسی یا مذکوری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

ایسا کہنا کفر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔ احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کفّار تو اپنے بتوں کے جنتر منتر کو یاد رکھتے ہیں۔ تو کیا مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کی باتوں کو یاد نہ رکھا۔ قرآن شریف کے پہلے سمجھنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اس پر آپؐ عمل کرتے تھے اور دوسروں کو عمل کراتے تھے۔ یہی سنّت ہے اور اسی کو تعامل کہتے ہیں اور بعد میں ائمہ نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس سنّت کو الفاظ میں لکھا اور جمع کیا اور اس کے متعلق تحقیقات اور چھان بین کی۔ پس وہ حدیث ہوئی دیکھو بخاری اور مسلم کو، کیسی محنت کی ہے۔ آخر انہوں نے اپنے باپ دادوں کے احوال تو نہیں لکھے۔ بلکہ جہاں تک بس چلا صحت وصفائی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال یعنی سنّت کو جمع کیا۔ (الحکم 17/اگست 1902ء صفحہ 11)

وہابیوں کی ظاہر پرستی

حضرت اقدس نے اِن وہابیوں کے اخلاق اور ادبِ رسول پر اپنا ایک ذکر سنایا کہ ایک دفعہ جب آپ امرتسر میں تھے تو غزنوی گروہ کے چند مولویوں نے آپ کو چائے دی چونکہ حضرت

اقدس کے دائیں ہاتھ میں بچپن میں ضرب آئی ہوئی ہے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ آپ نے بائیں ہاتھ سے پیالی لی تو اس پر غزنوی صاحبان نے فوراً بلا وجہ دریافت کئے کہنا شروع کیا کہ یہ خلاف سنت ہے۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ آداب اور روحانیت بھی سنت ہیں پھر ان کو اصل وجہ بتلائی گئی اس کے بعد ان لوگوں نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی ہے اس قدر نہ چاہیے تھی ہم تو ان کو اسی قدر مانتے ہیں۔ جس قدر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یونس بن متّٰی سے بھی زیادہ نہیں ہے۔

جسمانی طور پر جس قدر ترقیات آج تک ہوئی ہیں کیا وہ پہلے زمانوں میں تھیں؟ اسی طرح روحانی ترقیات کا سلسلہ ہے کہ وہ ہوتے ہوتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں جب ان (وہابیوں) کی یہ حالت ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی سچی محبت کر سکتے ہیں اور کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

فرمایا کہ

میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جاوے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان کے مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ لفّاظی کی بو آتی رہی ہے یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین نے خود حدیث کی نسبت اپنی اشاعت السنّہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک صاحب الہام یا اہل کشف صحیح حدیث کو ضعیف یا ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے کیونکہ وہ کشفی حالت میں آنحضرت ﷺ سے اس کی تصحیح کرا لیتا ہے مگر تاہم میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف یا الہامات پر تحمل نہیں کرتا جب تک قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد حسین سے پوچھا جائے کہ جب عبداللہ غزنوی احادیث میں اس طرح دخل دے سکتے تھے تو

پھر حَکَمْ نے کیا گناہ کیا کہ اسے ہر ایک رطب و یابس ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

(البدر 21 نومبر 1902ء صفحہ 30)

وہابیوں اور چکڑالویوں کا افراط وتفریط

چکڑالوی کا ذکر آنے پر معلوم ہوا کہ اس نے نماز میں بھی کچھ ردوبدل کی ہے التحیّات اور درود شریف کو نکال دیا ہے اور بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے چکڑالوی کے فتنہ کو خطرناک قرار دیا اور آپ کی رحمت اور حمیّتِ اسلامی نے تقاضا کیا کہ اس کے متعلق ایک اشتہار بطور محاکمہ کے لکھا جاوے جس میں یہ دکھایا جائے کہ مولوی محمد حسین نے اور اس نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا ہے۔

فرمایا:۔

نبی ہمیشہ دو چیزیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سنت۔ ایک خدا کا کلام ہوتا ہے اور دوسرے سنت۔ یعنی اس پر عمل کر کے دکھا دیتے ہیں۔ دنیا کے کام بھی بغیر اس کے نہیں چل سکتے دقیق مسائل جو استاد بتاتا ہے پھر اس کو حل کر کے بھی دکھا دیتا ہے پس جیسے کلام اللہ یقینی ہے سنت بھی یقینی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا کر رکھا ہے وہابیوں نے افراط کی، قرآن پر حدیث کو قاضی ٹھہرایا اور قرآن کو اس کے آگے مستغیث کی طرح کھڑا کر دیا اور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کا انکار کر دیا۔ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔ اس کی اصلاح ضروری ہے ہم کو خدا نے حَکَم ٹھہرایا ہے اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کو ظاہر کریں گے اور مضمون پیچھے لکھیں گے۔ اول خویش بعد درویش جس راہ پر خدا تعالیٰ نے ہم کو چلایا ہے اس پر اگر غور کی جاوے تو ایک لذّت آتی ہے قرآن شریف نے کیا ٹھیک فیصلہ فرمایا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ اور دوسری جگہ فرمایا

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیَاتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ:7)

یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہے جو ان وہابیوں کے متعلق ہے اور سنت کی نفی کرنے والوں کے لئے فرمایا

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:32)

(البدر 28 نومبر۔5 دسمبر 1902ء صفحہ 46)

احناف کا احوال

.... رہے حنفی ، ان میں بدقسمتی سے اقوالِ مردودہ اور بدعات نے دخل پالیا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تو اعلیٰ درجہ کے متقی تھے، مگر اُن کے پَیروؤں میں جب رُوحانیت نہ رہی تو انہوں نے اور بدعتوں کو داخل کر لیا اور تقلید میں انہوں نے یہاں تک غُلُوّ کیا کہ ان لوگوں کے اقوال کو جن کی عصمت کا قرآن دعویٰ نہیں کرتا ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر بھی فضیلت دے دی اور اپنے اغراض اور مقاصد کو مدِ نظر رکھ کر امام صاحب کے اقوال کی جس طرح چاہا تاویل کر لی۔ لُدھیانہ میں مَیں ایک دفعہ تھا تو نوابوں کے خاندان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور باتوں ہی باتوں میں انہوں نے کہا کہ مَیں پکا حنفی ہوں اور یہ بھی کہا کہ میرے چچا صاحب کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی حسنِ عقیدت تھی یہانتک کہ جب انہوں نے مالا بد منہ میں امام صاحبؒ کا یہ قول دیکھا کہ صرف جو اور انگور اور دو اور یعنی چار قسم کی شراب حرام ہے، تو انہوں نے ولایت کی شرابیں منگوا کر اسی ہزار روپیہ کی شراب پی تا کہ امام صاحبؒ کی سچی پیروی ہو جاوے۔ استغفر اللّٰہ ثم استغفر اللّٰہ

غرض اس قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ عام طور پر شکایت کی جاتی ہے کہ جس قسم کا فتویٰ کوئی چاہے ان سے لے لے۔ حلالہ کا مسئلہ بھی انہوں نے ہی نکالا ہے کہ اگر کوئی عورت کو طلاق دے دے تو پھر جائز طور پر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرے اور وہ پھر اس کو طلاق دے، حالانکہ قرآن شریف میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا اور احادیث میں حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔ (الحکم 30 ستمبر 1901ء صفحہ 3)

شافعی فرقے کے طور اطوار

ایک اور فرقہ شافعی مذہب والوں کا ہے۔ وہ تو وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک مقولہ ہے۔ ''شافعی سب کچھ معافی''، یعنی نہ حِلّت وحُرمت کی ضرورت ہے نہ کچھ اور۔

چنانچہ ہمارے ملک میں خانہ بدوش لوگ جو پھرا کرتے ہیں یہ اپنے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ ان کے اطوار اور چال چلن کو دیکھ لو۔ امرتسر میں ایک مُوَحّد رنڈی کی مسجد میں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ اس نے میرے پاس ذکر کیا کہ وہ ایک مرتبہ بمبئی چلا گیا اور اتفاق سے شافعیوں کی مسجد میں چلا گیا۔ صُبح کی نماز کا وقت تھا۔ اس سے جب دریافت کیا تو اس نے کہہ دیا کہ مَیں شافعی ہوں اور جب انہوں نے اس کو نماز کے لئے امام بنایا اور اس نے شافعی مذہب کے موافق صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی تو وہ لوگ بڑے ہی برافروختہ ہوئے آخر بمشکل وہاں سے بچ کر نکلا۔ الغرض مذہب اسلام میں اندرونی طور پر ایسے ایسے بہت سے فساد اور فتنے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے اور بیرونی فسادوں کو آدمی دیکھے تو اور بھی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک پادریوں کے ہی فتنہ کو دیکھو تو گھبرا جاؤ۔ مختصر یہ کہ ان سارے فسادوں کا اجتماع بالبداہت بتا رہا ہے کہ اس وقت ایک آسمانی سلسلہ کی ضرورت ہے اور اگر خدا اس وقت کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر خدا پر اعتراض ہوتا، مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے وقت پر ہماری دستگیری کی اور اس سلسلہ کو اپنی تائیدوں کے ساتھ قائم کیا۔ فالحمدلله علی ذلك۔

(الحکم 30 ستمبر 1901ء صفحہ 3)

جزئی مسائل میں مباحثے پر ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب نے تحریر کیا کہ مرزا دین محمد صاحب ساکن لنگروال ضلع گورداسپور نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک اشتہار

دیا۔جس میں رَفَعِ یَدَین آمین وغیرہ کے مسائل تھےاور جواب کے لئے فی مسئلہ دس روپیہ انعام مقرر کیا تھا۔دس مسائل تھے۔حضرت صاحب نے مجھے سنایااور فرمایا کہ دیکھو یہ کیسا فضول اشتہار ہے۔جب نماز ہر طرح ہو جاتی ہےتو ان باتوں کا تنازعہ موجبِ فساد ہے۔اس وقت ہمیں اسلام کی خدمت کی ضرورت ہے نہ کہ ان مسائل میں بحث کی۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 541)

فقہی اختلافات کی بنیاد پر کافر کہنا درست نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہمارے گاؤں میں ایک کشمیری مولوی جو حافظ قرآن بھی تھے تشریف لائے اور کئی روز تک وہ اپنے وعظ میں غیر مقلدین یعنی اہل حدیث کے خلاف تقریریں کرتے رہے۔ہم بھی غیر مقلد تھے۔مولوی صاحب اعلانیہ کہا کرتے کہ اپنے فوت شدہ بزرگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور جس قدر نمازیں تم نے غیر مقلدوں کے پیچھے پڑھی ہیں سب کی سب دوبارہ پڑھنی چاہئیں اور ثبوت میں قرآنی آیات یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (المائدہ:36) پیش کرتے تھے۔میں نے اُن مولوی صاحب سے پوچھا کہ اس وسیلہ سے آپ کون سا وسیلہ مراد لیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نیک عملوں اور فوت شدہ بزرگوں کا وسیلہ۔میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو مشرکانہ تعلیم نہ دیں۔اس بات پر اس نے میرے ساتھ سخت کلامی کی اور گاؤں کے لوگوں کو برانگیختہ کیا۔جس پر گاؤں کے لوگ ہم سے الگ نماز پڑھنے لگے۔صرف میں اور میرے والد ہی اکٹھی نماز پڑھتے تھے۔میرے والد صاحب نے قادیان جا کر حضرت صاحب سے کہا کہ جناب میں نے تو اپنا لڑکا مسلمان بنانے کے لئے آپ کی خدمت میں چھوڑا تھا لیکن اب تو لوگ اس کو کافر کہتے ہیں۔آپ نے اس وقت ایک سرخ کاغذ پر فتویٰ لکھوا کر میرے والد صاحب کو دیا کہ جو لوگ آمین بالجہر، الحمدللہ، رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے پڑھنے پر کسی کو کافر کہے، وہ امام ابوحنیفہ کے

نزدیک خود کافر ہے۔مگر چند روز کے بعد عام لوگ خود بخود ہی میرے پیچھے نماز پڑھنے لگ گئے۔اس کے بعد جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میاں نور محمد! تم کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔تم جواب دیا کرو کہ میں حضرت پیرانِ پیر کا مرید ہوں اور ان کی کتاب غنیۃ الطالبین پڑھ کر اُن کو سنایا کرو اور حضرت صاحب ہمیشہ جناب پیرانِ پیرؒ اور امام غزالی کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 12،13)

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کا حنفی ہونے کا اعلان

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ حافظ روشن علی صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرماویں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدتاً اہل حدیث تھے۔حضرت مولوی صاحب نے اس کے جواب میں حضرت صاحب کی خدمت میں ایک کارڈ ارسال کیا جس میں لکھا

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اور اس کے نیچے ''نورالدین حنفی'' کے الفاظ لکھ دیئے۔ اس کے بعد جب مولوی صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب حنفی مذہب کا اصول کیا ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اصول یہ ہے کہ قرآن شریف سب سے مقدم ہے۔اگر اس کے اندر کوئی مسئلہ نہ ملے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وقول کو دیکھنا چاہیے۔جس کا حدیث سے پتا لگتا ہے اور اس کے بعد اجماع اور قیاس سے فیصلہ کرنا چاہیے۔حضرت صاحب نے فرمایا تو پھر مولوی صاحب آپ کا کیا مذہب ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی

مذہب ہے۔اس پر حضرت صاحب نے اپنی جیب سے مولوی صاحب کا وہ کارڈ نکالا اور ان کی طرف پھینک کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ مولوی صاحب شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے جو شعر لکھا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ اگر چہ میں اپنی رائے میں تو اہلِ حدیث ہوں لیکن چونکہ میرا پیرِ طریقت کہتا ہے کہ اپنے آپ کو حنفی کہو۔ اس لئے میں اس کی رائے پر اپنی رائے کو قربان کرتا ہوا اپنے آپ کو حنفی کہتا ہوں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے چرچے سے قبل ہندوستان میں اہلِ حدیث کا بڑا چرچا تھا اور حنفیوں اور اہل حدیث کے درمیان (جن کو عموماً لوگ وہابی کہتے ہیں) بڑی مخالفت تھی اور آپس میں مناظرے اور مباحثے ہوتے رہتے تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے گویا جانی دشمن ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی کا میدان گرم تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام گو دراصل دعویٰ سے قبل بھی کسی گروہ سے اس قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے جس سے تعصب یا جتھہ بندی کا رنگ ظاہر ہو لیکن اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ عقائد و تعامل کے لحاظ سے دیکھیں تو آپ کا طریق حنفیوں کی نسبت اہلِ حدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 333، 334)

اہل حدیث طریق کی ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب متوطن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ میرے والد میاں حبیب اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے نماز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کھڑے ہونے کا موقعہ ملا اور چونکہ میں احمدی ہونے سے قبل وہابی (اہلحدیث) تھا۔ میں نے اپنا پاؤں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاؤں کے ساتھ ملانا چاہا مگر جب میں نے اپنا پاؤں آپ کے پاؤں کے ساتھ رکھا تو آپ نے اپنا پاؤں کچھ اپنی طرف سرکا لیا جس پر میں بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لئے اس طریق سے باز آ گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اپنی اصل کے لحاظ سے ایک نہایت قابلِ قدر فرقہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے مسلمان بدعات سے آزاد ہو کر اتباعِ سنت نبوی سے مستفیض ہوئے ہیں مگر انہوں نے بعض باتوں پر اس قدر نامناسب زور دیا ہے اور اتنا مبالغہ سے کام لیا ہے کہ شریعت کی اصل روح سے وہ باتیں باہر ہو گئی ہیں۔ اب اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ نماز میں دو نمازیوں کے درمیان یونہی فالتو جگہ نہیں پڑی رہنی چاہئے بلکہ نمازیوں کو مل کر کھڑا ہونا چاہیے تاکہ اول تو بے فائدہ جگہ ضائع نہ جاوے۔ دوسرے بے ترتیبی واقع نہ ہو۔ تیسرے بڑے آدمیوں کو یہ بہانہ نہ ملے کہ وہ بڑائی کی وجہ سے اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے ذرا ہٹ کر الگ کھڑے ہو سکیں۔ وغیر ذالک۔ مگر اس پر اہل حدیث نے اتنا زور دیا ہے اور اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ یہ مسئلہ ایک مضحکہ خیز بات بن گئی۔ اب گویا ایک اہلِ حدیث کی نماز ہو نہیں سکتی جب تک وہ اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے کندھا اور ٹخنہ سے ٹخنہ اور پاؤں سے پاؤں رگڑاتے ہوئے نماز ادا نہ کرے حالانکہ اس قدر قرب بجائے مفید ہونے کے نماز میں خواہ مخواہ پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 313، 314)

کتبِ فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

''کتبِ فقہ پر بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔'' (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 279)

نماز کی حکمتیں

اوقاتِ نماز کی فلاسفی

فرمایا:

پنجگانہ نمازیں کیا چیز ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو بلا کے وقت تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت کے لئے اُن کا وارد ہونا ضروری ہے۔

(۱) پہلے جب کہ تم مطّلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہوا یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلّی اور خوشحالی میں خلل ڈالا سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا تغیر اُس وقت تم پر آتا ہے جب کہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو مثلاً جب کہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک ہو جاتا ہے اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری اُس وقت سے مشابہ ہے جب کہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اُس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب اس کا غروب نزدیک ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عصر مقرر ہوئی۔

(۳) تیسرا تغیر تم پر اُس وقت آتا ہے جو اس بلا سے رہائی پانے کی بکلّی امید منقطع ہو جاتی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے گزر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے حواس خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی

سمجھنے لگتے ہو۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جب کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے۔

(۴) چوتھا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے کہ جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جب کہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولس مین کے تم حوالہ کئے جاتے ہو سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جب کہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا پڑ جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عشاء مقرر ہے۔

(۵) پھر جب کہ تم ایک مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اُس تاریکی سے نجات دیتا ہے مثلاً جیسے تاریکی کے بعد پھر آخر کار صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے سو اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے اور خدا نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ حالتیں دیکھ کر پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدہ کے لئے ہیں پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہاری اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظلّ ہیں۔ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 69، 70)

با جماعت نماز کی حکمت

نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں وہ تمیز جس سے خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ

دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے۔ پھر اسی وحدت کے لئے حکم ہے کہ روزانہ نمازیں محلّہ کی مسجد میں اور ہفتہ کے بعد شہر کی مسجد میں اور پھر سال کے بعد عیدگاہ میں جمع ہوں اور کل زمین کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوں۔ ان تمام احکام کی غرض وہی وحدت ہے۔

(لیکچر لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 281،282)

ارکان نماز پُر حکمت ہیں

دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اُس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرتِ احدیّت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اسی کی ظِل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے اور رُوح کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک ہیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے اور اس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلّقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گِر کر اپنے خیال بکلّی کھو دیتی ہے اور اپنے نقشِ وجود کو مٹا دیتی ہے۔ یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے اور شریعت اسلامی نے اس کی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے تا وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی طرف محرک ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے وجود کی ایسی بناوٹ پیدا کی ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری روح غمگین ہو تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور جب روح میں خوشی پیدا ہو تو چہرہ پر بشاشت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اس درد میں روح بھی شریک ہوتی ہے اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو تو روح بھی اس سے کچھ حصہ لیتی ہے پس جسمانی عبادات کی غرض یہ ہے کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں **حضرتِ احدیت** کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور سجود میں مشغول ہو جائے کیونکہ

انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے اور یہ بھی ایک قسم مجاہدہ کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں تو جب ہم اُن میں سے ایک چیز کو اٹھائیں گے تو اُس اُٹھانے سے دوسری چیز کو بھی جو اس سے ملحق ہے کچھ حرکت پیدا ہوگی۔ لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ یہ کوشش شامل نہ ہو کہ روح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے اور معرفت فضل پر موقوف۔ (لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 223، 224)

شراب کے پانچ اوقات کی جگہ پانچ نمازیں

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عرب کے ملک میں بھی عیسائی لوگ ہی شراب لے گئے اور ملک کو تباہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کے خیال کو بھی عیسیٰ پرستی کے خیال نے ہی قوت دی اور عیسائیوں کی ریس سے وہ لوگ بھی مخلوق پرستی پر زیادہ جم گئے۔ یاد رہے کہ عرب کے جنگلی لوگ شراب کو جانتے بھی نہیں تھے کہ کس بلا کا نام ہے مگر جب حضرات عیسائی وہاں پہنچے اور انہوں نے بعض نو مریدوں کو بھی تحفہ دیا۔ تب تو یہ خراب عادت دیکھا دیکھی عام طور پر پھیل گئی اور نماز کے پانچ وقتوں کی طرح شراب کے پانچ وقت مقرر ہوگئے۔ یعنی جاشریہ[۱] صبح قبل طلوع آفتاب کی شراب ہے۔ صبوح[۲] جو بعد طلوع کے شراب پی جاتی ہے۔ غبوق[۳] جو ظہر اور عصر کی شراب کا نام ہے۔ قیل[۴] جو دوپہر کی شراب کا نام ہے۔ فحم[۵] جو رات کی شراب کا نام ہے۔ اسلام نے ظہور فرما کر یہ تبدیلی کی۔ جو ان پانچ وقتوں کے شرابوں کی جگہ پانچ نمازیں مقرر کر دیں اور ہر یک بدی کی جگہ نیکی رکھ دی اور مخلوق پرستی کی جگہ خدا تعالیٰ کا نام سکھا دیا۔

(نور القرآن۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 351، 352 حاشیہ)

اذان

اذان خدا کی طرف بلانے کا عمدہ طریق ہے

اذان ہو رہی تھی اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا

کیسی عمدہ شہادت ہے۔ جب یہ ہوا میں گونجتی ہوئی دلوں تک پہنچتی ہے تو اس کا عجیب اثر پڑتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے جس قدر عبادت کے لئے بلانے کے طریق ہیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انسانی آواز کا مقابلہ دوسری مصنوعی آوازیں کب کر سکتی ہیں۔

(الحکم 10 نومبر 1902ء صفحہ 7،8)

اذان کے وقت خاموش رہنا لازمی نہیں

ایک شخص اپنا مضمون اشتہار دربارہ طاعون سُنا رہا تھا اذان ہونے لگی تو چُپ ہو گیا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

''پڑھتے جاؤ۔ اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 296)

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا

ایک شخص نے عرض کیا کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں کیوں دیتے ہیں؟ فرمایا

اس میں حکمت یہ ہے کہ کان میں انگلی دینے سے آواز کو قوت ہو جاتی ہے۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان بغیر کانوں میں انگلی دیئے دیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت بلالؓ کی آواز میں آپ نے ضعف پایا تو فرمایا بلال کانوں میں انگلی دے کر اذان کہو سو بلال نے ایسا کیا تو آواز میں قوت پیدا ہو گئی اور ضعف جاتا رہا پھر یہ فعل حسبِ فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت ٹھہر گیا۔ پھر فرمایا کہ اکثر گویّوں اور کلامتوں کو دیکھا گیا

ہوگا کہ وہ گانے کے وقت جو اونچی اور بلند آواز اُٹھاتے ہیں تو کان پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں تا کہ آواز کی کمزوری جاتی رہے اور قوت پیدا ہو جائے ۔ (تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ 70)

بچے کے کان میں اذان

حکیم محمد عمر صاحب نے فیروز پور سے دریافت کیا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو مسلمان اس کے کان میں اذان کہتے ہیں۔کیا یہ امر شریعت کے مطابق ہے یا صرف ایک رسم ہے؟ فرمایا:۔

''یہ امر حدیث سے ثابت ہے اور نیز اس وقت کے الفاظ کان میں پڑے ہوئے انسان کے اخلاق اور حالات پر ایک اثر رکھتے ہیں لہٰذا یہ رسم اچھی ہے اور جائز ہے۔''

(بدر 28 مارچ 1907ء صفحہ 4)

کیا اذان جماعت کے لئے ضروری ہے

سوال:۔کیا اذان جماعت کے لئے ضروری ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

ہاں اذان ہونی چاہئے لیکن اگر وہ لوگ جنہوں نے جماعت میں شامل ہونا ہے وہیں موجود ہوں تو اگر اذان نہ کہی جائے تو کچھ حرج نہیں۔لوگوں نے اس کے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے مگر میں ایک دفعہ حضرت صاحب کے ہمراہ گورداسپور کو جارہا تھا راستہ میں نماز کا وقت آیا عرض کیا گیا کہ اذان کہی جائے؟

فرمایا کہ احباب تو جمع ہیں کیا ضرورت ہے۔اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو نہ دی جائے ورنہ اذان دینا ضروری ہے کیونکہ اس سے کسی دوسرے کو بھی تحریک نماز ہوتی ہے۔

(روزنامہ الفضل 19رجنوری 1922ء صفحہ 8)

وضو

ظاہری پاکیزگی کا اثر باطن پر

فرمایا:۔انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں جو شخص باطنی طہارت پر قائم ہونا چاہتا ہے وہ ظاہری پاکیزگی کا بھی لحاظ رکھے۔ پھر ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرۃ:322) یعنی جو لوگ باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں مَیں اُن کو دوست رکھتا ہوں۔ ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی ممدّ اور معاون ہے۔ اگر انسان اِسے ترک کر دے اور پاخانہ پھر کر بھی طہارت نہ کرے، تو باطنی پاکیزگی پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ پس یاد رکھو کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مستلزم ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ کم از کم جمعہ کے دن ضرور غسل کرے۔ ہر نماز میں وُضو کرے۔ جماعت کھڑی ہو تو خوشبو لگائے۔ عیدین اور جمعہ میں جو خوشبو لگانے کا حکم ہے وُہ اسی بنا پر قائم ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے غسل کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمیّت (زہر) اور عفونت سے روک ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں یہ قانون مقرر کیا ہے ویسا ہی قانون مرنے کے بعد بھی رکھا ہے۔ (رسالہ الانذار بحوالہ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 164)

وضو کی حقیقت اور فلاسفی

پادری فتح مسیح کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

آپ کا یہ کہنا کہ وضو کرنے سے گناہ کیونکر دور ہو سکتے ہیں۔ اے نادان! الٰہی نوشتوں پر کیوں غور نہیں کرتا... وضو کرنا تو صرف ہاتھ پیر اور منہ دھونا ہے۔ اگر شریعت کا یہی مطلب

ہوتا کہ ہاتھ پیر دھونے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں تو یہ پاک شریعت ان تمام پلید قوموں کو جو اسلام سے سرکش ہیں ہاتھ منہ دھونے کے وقت گناہ سے پاک جانتی کیونکہ وضو سے گناہ دور ہو جاتے ہیں ۔مگر شارع علیہ السلام کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے چھوٹے چھوٹے حکم بھی ضائع نہیں جاتے ۔اوران کے بجالانے سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں ۔ (نورالقرآن حصہ دوم ۔روحانی خزائن جلد9 صفحہ 420)

وضو کے طبّی فوائد

فرمایا:۔

نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبّی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔اطبّاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہر روز منہ نہ دھوئے تو آنکھ آجاتی ہے(آنکھ دُکھنے لگتی ہے۔ایڈیٹر) اور یہ نُزول الماء کا مقدمہ ہےاور بہت سی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں ۔ پھر بتلاؤ کہ وضو کرتے ہوئے کیوں موت آتی ہے۔ بظاہر کیسی عمدہ بات ہے۔منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا ہوتا ہے۔مِسواک کرنے سے منہ کی بد بُو دُور ہوتی ہے۔دانت مضبوط ہو جاتے ہیں اور دانتوں کی مضبوطی غذا کے عمدہ طور پر چبانے اور جلد ہضم ہو جانے کا باعث ہوتی ہے۔پھر ناک صاف کرنا ہوتا ہے ناک میں کوئی بد بُو داخل ہو،تو دماغ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔اب بتلاؤ کہ اس میں برائی کیا ہے۔اس کے بعد وُہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجات لے جاتا ہےاوراس کو اپنے مطالب عرض کرنے کا موقع ملتا ہے۔دُعا کرنے کے لئے فرصت ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ نماز میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے اگر چہ بعض نمازیں تو پندرہ منٹ سے بھی کم میں ادا ہو جاتی ہیں ۔ پھر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ نماز کے وقت کو تضییعِ اوقات سمجھا جاتا ہے۔جس میں اِس قدر بھلائیاں اور فائدے ہیں اور اگر سارا دن اور ساری رات لغو اور فضول باتوں یا کھیل اور تماشوں میں ضائع کر دیں تو اس کا نام مصروفیت رکھا جاتا ہے۔اگر قوی ایمان ہوتا،قوی

تو ایک طرف اگر ایمان ہی ہوتا، تو یہ حالت کیوں ہوتی اور یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔
(الحکم 31 جنوری 1901ء صفحہ 2)

وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے

حضرت مسیح موعودؑ اپنے ایک دوست کے نام مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:۔

''پاؤں کے مسح کی بابت یہ تحقیق ہے کہ آیت کی عبارت پر نظر ڈالنے سے نحوی قاعدہ کی رو سے دونوں طرح کے معنی نکلتے ہیں۔ یعنی غسل کرنا اور مسح کرنا اور پھر ہم نے جب متواتر آثار نبویہ کی رو سے دیکھا تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں کو دھوتے تھے۔ اس لئے وہ پہلے معنے غسل کرنا معتبر سمجھے گئے۔'' (مکتوبات احمد جلد 2 صفحہ 543)

مضرِ صحت پانی کو استعمال نہ کریں

اخبار بدر نے لکھا کہ

قادیان کے اردگرد نشیب زمین میں بارش اور سیلاب کا پانی جمع ہو کر ایک جوہڑ سا بن جاتا ہے جس کو یہاں ڈھاب کہتے ہیں۔ جن ایام میں یہ نشیب زمین (ساری یا اس کا کچھ حصّہ) خشک ہوتی ہے تو گاؤں کے لوگ اس کو رفع حاجت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اس میں بہت سی ناپاکی جمع ہو جاتی ہے جو سیلاب کے پانی کے ساتھ مل جاتی ہے۔

آج صبح حضرت اقدس بمع خدام جب باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے تو اس ڈھاب کے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''ایسا پانی گاؤں کی صحت کے واسطے مُضر ہوتا ہے۔''

پھر فرمایا:۔

اس پانی میں بہت سا گند شامل ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کراہت آتی ہے۔ اگرچہ فقہ کے مطابق اس سے وضو کر لینا جائز ہے کیونکہ فقہاء کے مقرر کردہ دَہ در دَہ

(10x10۔ناقل) سے زیادہ ہے تاہم اگر کوئی شخص جس نے اس میں گندگی پڑتے دیکھی ہو، اگر اس کے استعمال سے کراہت کرے تو اس کے واسطے مجبوری نہیں کہ خواہ مخواہ اس سے یہ پانی استعمال کرایا جائے جیسا کہ گوہ کا کھانا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا ہے مگر خود کھانا پسند نہیں فرمایا۔ (بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

گندے جوہڑ کے پانی سے وضو درست نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں فضل محمد صاحب دکاندار محلّہ دارالفضل نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن کا ذکر ہے حضور اپنی عادت کے طور پر سیر کے لئے گھر سے باہر تشریف لائے۔ بہت دوست باہر دروازہ پر حضور کا انتظار کر رہے تھے۔اس روز حضور موضع بھینی کی طرف تشریف لے چلے۔ جب ایک چھپڑ پر جو قصبہ قادیان کے متصل برلبِ راہ موضع بھینی کی جانب ہے اس کے کنارے پر ایک بڑا بڑھ کا درخت تھا۔ حضور اس کے نیچے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اس چھپڑ کا پانی اچھا نہیں ہے اس سے وضو کر کے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ دوستوں کو وہاں سے وضو کرنے سے روکا تھا۔ اور وہ دوست مجھے مخول کرتے تھے۔اس روز وہ دوست بھی وہاں ہی تھے انہوں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ حضور نے اس چھپڑ کے پانی سے وضو کرنا اور اس کو استعمال کرنا منع فرمایا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 304)

کنوئیں کو پاک کرنے کے مشہور مسئلہ کے بارہ میں رہنمائی

سوال ہوا کہ یہ جو مسئلہ ہے کہ جب چوہا یا بلّی یا مُرغی یا بکری یا آدمی کنوئیں میں مَر جاویں تو اتنے دَلو (ڈول۔ناقل) پانی نکالنے چاہئیں۔اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟ پہلے تو ہمارا یہی عمل تھا کہ جب تک رنگ بُو مزانہ بدلے پانی کو پاک سمجھتے۔

فرمایا:

ہمارا تو وہی مذہب ہے جو احادیث میں آیا ہے۔ یہ جو حساب ہے کہ اتنے دَلو نکالو، اگر فلاں جانور پڑے اور اتنے اگر فلاں پڑے۔ یہ ہمیں تو معلوم نہیں اور نہ اس پر ہمارا عمل ہے۔

عرض کیا گیا کہ حضور نے فرمایا ہے جہاں سنّتِ صحیحہ سے پتہ نہ ملے وہاں حنفی فقہ پر عمل کرلو۔ فرمایا:

فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی کب ایسا تعین ہے ہاں نجات المومنین میں لکھا ہے سو اس میں تو یہ بھی لکھا ہے: سرٹوئے وچ دے کے بیٹھ نماز کرے۔

کیا اس پر کوئی عمل کرتا ہے اور کیا یہ جائز ہے جبکہ حیض و نفاس کی حالت میں نماز منع ہے۔ پس ایسا ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لو۔

میں تمہیں ایک اصل بتا دیتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے **وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ** (المدثر :6) جب پانی کی حالت اس قسم کی ہو جائے جس سے صحت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو صاف کر لینا چاہئے۔ مثلاً پتے پڑ جاویں یا کیڑے وغیرہ۔ (حالانکہ اس پر یہ ملاّں نجس ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے) باقی یہ کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جب تک رنگ و بو و مزا نجاست سے نہ بدلے وہ پانی پاک ہے۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 12)

حضرت مسیح موعودؑ کے وضو کا طریق

حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی روایت کرتے ہیں: اکثر حضور کو وضو کرانے کے مواقع بھی میسر آتے رہے۔ وضو حضور بہت سنوار کر فرمایا کرتے۔ ہر عضو کو تین تین دفعہ دھوتے، سر کے صرف اگلے حصہ کا مسح فرمایا کرتے۔ ریش مبارک میں خلال فرماتے اور جرابوں پر مسح۔ کبھی جرابیں اتار کر بھی پاؤں

دھوتے تو انگلیوں میں خلال فرماتے۔ دانتوں کو انگلی سے اچھی طرح ملتے اور مسوڑھوں کو بھی صاف فرماتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 387)

مَوزوں پر مَسح

موزوں پر مسح کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

سوتی موزہ پر بھی مسح جائز ہے اور آپ نے اپنے پائے مبارک کو دکھلایا جس میں سوتی موزے تھے کہ میں ان پر مسح کر لیا کرتا ہوں۔ (البدر 2 جنوری 1903ء صفحہ 77)

پھٹی ہوئی جراب پر مسح کرنا

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ جراب میں ذرا سا سوراخ ہو جاتا تو فوراً اس کو تبدیل کر لیتے مگر میں اب دیکھتا ہوں کہ لوگ ایسی پھٹی ہوئی جرابوں پر جن کی ایڑی اور پنجہ دونوں نہیں ہوتے مسح کرتے چلے جاتے ہیں یہ کیوں ہوتا ہے؟ شریعت کے احکام کی واقفیت نہیں ہوتی۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رخصت اور جواز کے صحیح محل کو نہیں سمجھتے۔

(منصبِ خلافت۔ انوار العلوم جلد 2 صفحہ 45)

بیمار کا مسلسل اخراجِ ریح ناقضِ وضو نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نماز نہ پڑھا سکے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ بھی موجود نہ تھے تو حضرت صاحبؑ نے حکیم فضل الدین صاحب مرحوم کو نماز پڑھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور تو جانتے ہیں کہ مجھے

بواسیر کا مرض ہے اور ہر وقت ریح خارج ہوتی رہتی ہے۔مَیں نماز کس طرح سے پڑھاؤں؟ حضورؑ نے فرمایا حکیم صاحب! آپ کی اپنی نماز باوجود اس تکلیف کے ہو جاتی ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں حضور۔فرمایا کہ پھر ہماری بھی ہو جائے گی۔آپ پڑھایئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے اخراج ریح جو کثرت کے ساتھ جاری رہتا ہو،نواقضِ وضو میں نہیں سمجھا جاتا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 614، 615)

شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حافظ نور محمدؓ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم نے حضرت صاحب سے دریافت کیا یہ جو حدیث میں مرقوم ہے کہ اگر انسان اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کیا مسئلہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شرمگاہ بھی تو جسم ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔اس لئے یہ حدیث قوی نہیں معلوم ہوتی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول درست نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی معلوم نہیں ہوتی اور حدیث میں روایتاً کوئی ضعف ہوگا۔ واللہ اعلم

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 320)

کپڑے صاف نہ ہونے کا شک

حضرت منشی برکت علی صاحب شملوی روایت کرتے ہیں کہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بہت کم نماز پڑھایا کرتے تھے۔نماز اکثر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے عذر کیا کہ مجھے شک ہے کہ میرے کپڑے صاف نہیں۔ اس لئے میں نماز نہیں پڑھاتا۔ نماز کوئی اور پڑھاوے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ان کپڑوں میں کیا آپ کی نماز ہو جائے گی؟ مولوی صاحب نے عرض کیا ہاں نماز تو ہو جائے گی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کی نماز ان کپڑوں میں ہو جائے گی تو پھر نماز پڑھائیں۔ آپ کی اقتداء میں ہماری نماز بھی ہو جائے گی۔

(اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 189 نیا ایڈیشن روایت حضرت منشی برکت علی صاحب شملوی)

سجدہ والی جگہ پاک ہو تو نماز ہو جاتی ہے

حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب روایت کرتے ہیں کہ

ایک دفعہ ہم نے سنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سجدہ والی جگہ پاک ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر چٹائی یا دری وغیرہ پاک نہ ہو یا مشتبہ ہو گئی ہو تو کوئی ایسا پاک کپڑا ڈال کر نماز ہو جاتی ہے جو صرف سجدہ والی جگہ کو ڈھانپ سکے۔

میں نے اس وقت اس فتویٰ کی حکمت پر غور کیا تھا اور مجھے یہ سمجھ آیا تھا کہ حضرت صاحبؑ نے یہ استنباط بعض وقت جوتی سمیت نماز پڑھ لینے کے جواز سے فرمایا ہو گا۔

(اصحابِ احمد جلد 6 صفحہ 126، 127 روایت قاضی عبدالرحیم صاحب نیا ایڈیشن)

ارکان نماز

ارکان نماز کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ارکانِ نماز کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ارکانِ نماز دراصل روحانی نشست و برخاست .... ہیں۔انسان کو خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آدابِ خدمتگاران میں سے ہے۔رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔یہ آداب اور طرق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں۔اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے۔) صرف نقال کی طرح نقلیں اتاری جاویں اور اسے ایک بارِ گراں سمجھ کر اُتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتاؤ اس میں کیا لذت اور حظ آ سکتا ہے؟ اور جب تک لذت اور سرور نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلّل تام ہو کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے۔اُس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔مَیں اِس کو اور کھول کر لکھنا چاہتا ہوں کہ انسان جس قدر مراتب طے کر کے انسان ہوتا ہے یعنی کہاں نطفہ بلکہ اس سے بھی پہلے نطفہ کے اجزاء یعنی مختلف قسم کی اغذیہ اور اُن کی ساخت اور بناوٹ۔پھر نطفہ کے بعد مختلف مدارج کے بعد بچہ، پھر جوان، بوڑھا۔غرض ان تمام عالموں میں جو اس پر مختلف اوقات میں گزرے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا معترف ہو اور وہ نقشہ ہر آن اس کے ذہن میں کھنچا

رہے۔تو بھی وہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ ربوبیت کے مدمقابل میں اپنی عبودیت کو ڈال دے۔غرض مدعا یہ ہے کہ نماز میں لذت اور سرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضہ ہے نہ ڈال دے اُس کا فیضان اور پَرتو اس پر نہیں پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔

(الحکم 12/اپریل 1899ء صفحہ 5)

تکبیر تحریمہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ساکن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ میرے والد صاحب بیان کرتے تھے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کی نیت باندھتے تھے تو حضور اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کانوں تک پہنچاتے تھے یعنی یہ دونوں آپس میں چھو جاتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 744، 745)

نماز میں بسم اللہ جھرًا یا سِرًّا دونوں طرح جائز ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا:

بسم اللہ جہرًا اور آہستہ پڑھنا، ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب (اللھم اغفرہ وارحمہ) جوشیلی طبیعت رکھتے تھے، بسم اللہ جھرًا پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب جھــرًا نہ پڑھتے تھے ایسا ہی میں بھی آہستہ پڑھتا ہوں۔صحابہ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے، اس پر جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہی آمین کا معاملہ ہے، ہر دو طرح جائز ہے۔بعض جگہ یہود اور عیسائیوں کو مسلمانوں کا

آمین پڑھنا بُرا لگتا تھا تو صحابہ خوب اونچی پڑھتے تھے۔ مجھے ہر دو طرح مزہ آتا ہے، کوئی اونچا پڑھے یا آہستہ پڑھے۔ (بدر 23 مئی 1912ء صفحہ 3)

رفع یدین

فرمایا:۔

''ضروری نہیں اور جو کرے تو جائز ہے۔''

(بدر 31/اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

رفع یدین کے متعلق فرمایا کہ:۔

اس میں چنداں حرج نہیں معلوم ہوتا، خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔ احادیث میں بھی اس کا ذکر دونوں طرح پر ہے اور وہابیوں اور سنّیوں کے طریقِ عمل سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ ایک تو رفع یدین کرتے ہیں اور ایک نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت رفع یدین کیا اور بعد ازاں ترک کر دیا۔

(البدر 3/اپریل 1903ء صفحہ 85)

اس موضوع پر مندرجہ ذیل روایت بھی ملتی ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور فاتحہ خلف امام اور رفع یدین اور آمین کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طریق حدیثوں سے ثابت ہے اور ضرور کرنا چاہئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ فاتحہ خلف امام والی بات تو حضرت صاحب سے متواتر ثابت ہے مگر رفع یدین اور آمین **بِالجَھر** والی بات کے متعلق مَیں نہیں سمجھتا کہ حضرت صاحب نے ایسا فرمایا ہو کیونکہ اگر حضور اسے ضروری سمجھتے تو لازم تھا کہ خود بھی اس پر ہمیشہ عمل کرتے

مگر حضور کا دوامی عمل ثابت نہیں بلکہ حضور کا عام عمل بھی اس کے خلاف تھا۔مَیں سمجھتا ہوں کہ جب حافظ صاحب نے حضور سے سوال کیا تو چونکہ سوال میں کئی باتیں تھیں۔حضور نے جواب میں صرف پہلی بات کو مدنظر رکھ کر جواب دے دیا یعنی حضور کے جواب میں صرف فاتحہ خلف امام مقصود ہے۔واللہ اعلم۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 564)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ اوائل میں مَیں سخت غیر مقلد تھا اور رفع یدین اور آمین **بِالجَھر** کا بہت پابند تھا اور حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی میں نے یہ طریق مدت تک جاری رکھا۔عرصہ کے بعد ایک دفعہ جب میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کے بعد آپ نے مجھ سے مسکرا کر فرمایا میاں عبداللہ اب تو اس سنت پر بہت عمل ہو چکا ہے اور اشارہ رفع یدین کی طرف تھا۔میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس دن سے میں نے رفع یدین کرنا ترک کر دیا بلکہ آمین **بِالجَھر** کہنا بھی چھوڑ دیا اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین **بِالجَھر** کہتے نہیں سُنا اور نہ کبھی بسم اللہ **بِالجَھر** پڑھتے سُنا ہے۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق عمل وہی تھا جو میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض رفع یدین کرتے ہیں اکثر نہیں کرتے ،بعض بسم اللہ **بِالجَھر** پڑھتے ہیں اکثر نہیں پڑھتے اور حضرت صاحب فرماتے تھے کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے جس پر

حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 147، 148)

فاتحہ خلف الامام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑی سختی کے ساتھ اس بات پر زور دیتے تھے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ باوجود سورۃ فاتحہ کو ضروری سمجھنے کے میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ بہت سے بزرگ اور اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں سمجھتے تھے اور میں ان کی نمازوں کو ضائع شدہ نہیں سمجھ سکتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حنفیوں کا عقیدہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش کھڑے ہو کر اس کی تلاوت کو سُننا چاہئے اور خود کچھ نہیں پڑھنا چاہئے۔ اور اہلِ حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور حضرت صاحب اس مسئلہ میں اہلِ حدیث کے مؤید تھے مگر باوجود اس عقیدہ کے آپ غالی اہلِ حدیث کی طرح یہ نہیں فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 334، 335)

حضرت منشی رستم علی صاحب کے ایک سوال کے جواب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے خط میں انہیں تحریر فرمایا کہ

نماز مقتدی بغیر سورۃ فاتحہ بھی ہو جاتی ہے مگر افضلیت پڑھنے میں ہے۔ اگر کوئی امام جلد خواں ہو تو ایک آیت یا دو آیت جس قدر میسر آوے آہستہ پڑھ لیں جو مانع سماعت قراءت امام نہ

ہواور اگر میسر نہ آسکے تو مجبوری ہے نماز ہو جائے گی مگر افضلیت کے درجہ پر نہیں ہوگی۔

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 471)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے حضورؑ کی خدمت میں سورۃ الحمد خلف امام پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔فرمایا کہ ''قراءت سورۃ الحمد خلف امام بہتر ہے۔'' میں نے عرض کی کہ اگر نہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ نماز تو ہو جاتی ہے مگر افضل تو یہی ہے کہ الحمد خلف امام پڑھا جاوے۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر بدوں سورۃ الحمد خلف امام نماز نہ ہوتی ہو تو حنفی مذہب میں بڑے بڑے صالح لوگ گزرے ہیں وہ کس طرح صالح ہو جاتے۔ نماز دونوں طرح سے ہو جاتی ہے فرق صرف افضلیت کا ہے۔ ایسا ہی آمین بالسرّ پر آمین بالجہر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 153)

مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

سورۃ فاتحہ ہر نماز میں اور ہر رکعت میں پڑھنی ضروری ہے۔سوائے اس کے کہ مقتدیوں کے نماز میں شامل ہونے سے پہلے امام رکوع میں جا چکا ہو۔ اس صورت میں تکبیر کہہ کر بغیر کچھ پڑھے رکوع میں چلے جانا چاہئے۔امام کی قراءت ہی اس کی قراءت سمجھ لی جائے گی۔

سورہ فاتحہ کی نماز میں پڑھنے کی تاکید مختلف احادیث میں آتی ہے۔صحیح مسلم میں آتا ہے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ

قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یَقْرَءْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَھِیَ خِدَاجٌ

(مسلم کتاب الصلٰوۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ)

یعنی جس نے نماز ادا کی مگر اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے اور بخاری، مسلم

میں عبادہ بن الصامتؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قراءۃ الامام والماموم فی الصلوٰۃ کلھا)

یعنی جس نے فاتحۃ الکتاب نہ پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی...... ایک جگہ حضرت عبادہؓ امام الصلوٰۃ تھے۔ ایک دفعہ وہ دیر سے پہنچے اور ابونعیمؓ نے نماز شروع کرادی۔ نماز شروع ہو چکی تھی کہ عبادہ بھی آ گئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ ابونعیمؓ نے جب سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی تو میں نے سنا کہ عبادہؓ بھی آہستہ آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ جبکہ ابونعیم بالجھر نماز پڑھا رہے تھے آپ بھی ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ پڑھتے جا رہے تھے یہ کیا بات ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ہمیں نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر جب بیٹھے تو پوچھا کہ جب میں بلند آواز سے نماز میں تلاوت کرتا ہوں تو کیا تم بھی منہ میں پڑھتے رہتے ہو۔ بعض نے کہا ہاں، بعض نے کہا نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا

لَا تَقْرَءُوْا بِشَیْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَھَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب من ترک القراءۃ فی صلوٰتِہٖ)

جب میں بلند آواز سے قرآن کریم نماز میں پڑھوں تو سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کسی سورۃ کی تلاوت تم ساتھ ساتھ نہ کیا کرو.....

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے بھی پڑھنی چاہئے۔ خواہ وہ جہراً نماز پڑھ رہا ہو۔ سوائے اس کے کہ مقتدی رکوع میں آ کر ملے۔ اس صورت میں وہ تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے اور امام کی قراءت اس کی قراءت سمجھی جائے گی۔ یہ ایک استثناء ہے۔ استثناء سے قانون نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح یہ بھی استثناء ہے کہ کسی شخص کو

سورۃ فاتحہ نہ آتی ہو مثلاً نومسلم ہے جس نے ابھی نماز نہیں سیکھی یا بچہ ہو جسے ابھی قرآن نہیں آتا تو اس کی نماز فقط تسبیح وتکبیر سے ہو جائے گی۔خواہ وہ قرآن کریم کا کوئی حصہ بھی نہ پڑھے۔ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے۔ (تفسیر کبیر جلد اول۔تفسیر سورۃ فاتحہ صفحہ 7 تا9)

حضرت منشی برکت علی صاحب شملوی روایت کرتے ہیں:۔

ایک روز موسم گرما میں حضور چھت پر شاہ نشین پر رونق افروز تھے۔اس بات پر گفتگو شروع ہوگئی کہ امام کے پیچھے الحمد جائز ہے یا نہیں۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور مولوی محمد احسن صاحبؓ مرحوم بھی مجلس میں موجود تھے۔مخالف وموافق آراء کا اظہار کیا جارہا تھا۔کوئی کہہ رہا تھا کہ ہر حالت میں الحمد کا پڑھنا ضروری ہے اور اگر امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پڑھتا رہے یا وقفہ میں پڑھ لے۔اور کوئی کہتا تھا کہ جب امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا چاہئیے ۔ جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس طرح کرلیا جائے کہ جب امام بلند آواز سے الحمد پڑھے تو مقتدی خاموشی سے سنتا رہے اور جب ظہر اور عصر کی نمازوں میں خاموشی سے پڑھے تو مقتدی بھی اپنے طور پر آہستہ پڑھ لے۔ اس طرح دونوں باتوں پر عمل ہو جائے گا۔

(اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 190 ۔نیا ایڈیشن روایت حضرت منشی برکت علی صاحب شملوی)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی روایت کرتے ہیں:۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ایک شخص سیالکوٹ یا اس کے گردونواح کا رہنے والا تھا اور ہر روز ہم اس کو امام کے پیچھے نماز میں الحمد پڑھنے کو کہتے تھے اور ہم اپنی دانست میں تمام دلیلیں اس بارہ میں دے چکے مگر اس نے نہیں مانا اورالحمدللہ امام کے پیچھے نہ پڑھی اوریوں نماز ہمارے ساتھ پڑھ لیتا ایک دفعہ حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں قادیان شریف آ گیا ایک روز اسی قسم کی باتیں

ہونے لگیں۔صرف حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز میں الحمد شریف امام کے پیچھے پڑھنی چاہئے اورکوئی دلیل قرآن شریف یا حدیث شریف سے بیان نہیں کی۔ وہ شخص اتنی بات سُن کرامام کے پیچھے نماز میں الحمد شریف پڑھنے لگا اورکوئی حجت نہیں کی۔ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد جو شخص نماز میں الحمد امام کے پیچھے نہ پڑھے اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سوال نہیں کرنا چاہئے کہ نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ سوال کرنا اور دریافت کرنا چاہئے کہ نماز میں الحمد امام کے پیچھے پڑھنا چاہئے کہ نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ ضرور پڑھنی چاہئے ہونا نہ ہونا تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے حنفی نہیں پڑھتے اور ہزاروں اولیاء حنفی طریق کے پابند تھے اور خلف امام الحمد نہیں پڑھتے تھے۔ جب ان کی نماز نہ ہوتی تو وہ اولیاء اللہ کیسے ہوگئے۔ چونکہ ہمیں امام اعظم سے ایک طرح کی مناسبت ہے اور ہمیں امام اعظم کا بہت ادب ہے ہم یہ فتویٰ نہیں دے سکتے کہ نماز نہیں ہوتی۔اس زمانہ میں تمام حدیثیں مدون ومرتب نہیں ہوئی تھیں اور یہ بھید جو کہ اب کھلا ہے نہیں کھلا تھا۔اس واسطہ وہ معذور تھے اوراب یہ مسئلہ حل ہوگیا۔اب اگر نہیں پڑھے گا تو بے شک اس کی نماز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچے گی۔ہم یہی بار بار اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ الحمد نماز میں خلف امام پڑھنی چاہئے۔

ایک روز میں نے دریافت کیا کہ حضرت **صلی اللہ علیک و علیٰ محمد** الحمد کس موقع پر پڑھنی چاہئے۔فرمایا جہاں موقع پڑھنے کا لگ جاوے۔ میں نے عرض کیا کہ امام کے سکوت میں؟ فرمایا:۔ جہاں موقع ہو پڑھنا ضرور چاہئے۔

(تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ 179، 180)

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا

’’ضروری ہے‘‘

(بدر 31/ اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہو جاتی ہے

اِس بات کا ذکر آیا کہ جو شخص جماعت کے اندر رکوع میں آ کر شامل ہو، اس کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے مولویوں کی رائے دریافت کی۔ مختلف اسلامی فرقوں کے مذاہب اِس امر کے متعلق بیان کئے گئے۔ آخر حضرت صاحبؑ نے فیصلہ دیا اور فرمایا:

ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو، ہر حالت میں اس کو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔ مگر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تا کہ مقتدی سن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اس آیت کو پڑھ لے۔ بہر حال مقتدی کو یہ موقعہ دینا چاہئے کہ وہ سن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اُم الکتاب ہے۔ لیکن جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کے لئے کرتا ہے۔ آخر رکوع میں آ کر ملا ہے اور اس سے پہلے نہیں مل سکا تو اس کی رکعت ہوگئی۔ اگر چہ اُس نے سورۃ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے رکوع کو پا لیا اس کی رکعت ہوگئی۔ مسائل دو طبقات کے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ تو حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اور تاکید کی کہ نماز میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں۔ وہ ام الکتاب ہے اور اصل نماز وہی ہے۔ مگر جو شخص باوجود اپنی کوشش کے اور اپنی طرف سے جلدی کرنے کے رکوع میں ہی آ کر ملا ہے تو چونکہ دین کی بنا آسانی اور نرمی پر ہے۔ اِس واسطے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی رکعت ہوگئی۔ وہ سورۃ فاتحہ کا ذِکر نہیں ہے بلکہ دیر میں پہنچنے کے سبب رخصت پر عمل کرتا ہے۔ میرا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ ناجائز کام میں مجھے قبض ہو جاتی ہے اور میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اُسے کروں اور یہ صاف ہے کہ جب نماز میں ایک آدمی نے تین حصوں کو پورا پا لیا اور ایک حصہ میں بسبب

کسی مجبوری کے دیر میں مل سکا ہے تو کیا حرج ہے۔ انسان کو چاہئے کہ رخصت پر عمل کرے ہاں جو شخص عمداً اُستی کرتا ہے اور جماعت میں شامل ہونے میں دیر کرتا ہے تو اُس کی نماز ہی فاسد ہے۔ (الحکم 24 فروری 1901 صفحہ 9)

تشہد کے وقت انگلی اُٹھانا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ساکن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مجھے میرے والد صاحب نے بتایا کہ جب حضور علیہ السلام نماز کے وقت تشہد میں بیٹھتے تو تشہد پڑھنے کی ابتدا ہی میں دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنا لیتے تھے اور صرف شہادت والی انگلی کھلی رکھتے تھے۔ جو شہادت کے موقع پر اٹھاتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کے والد چونکہ اہل حدیث میں سے آئے تھے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کو غور کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر مجھ سے مکرم ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب نے بیان کیا ہے کہ ابتداء سے ہی ہاتھ کی انگلیوں کے بند کر لینے کا طریق انہیں یاد نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کبھی ایسا ہوا ہو۔ **واللّٰہُ اَعْلَم۔**

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 567ء568)

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قعدہ میں بیٹھنے اور شہادت کی انگلی اٹھانے کے طریق کو یوں بیان کرتے ہیں:

(حضرت مسیح موعودؑ) دونوں سجدوں کے بعد اس طرح بیٹھ جاتے ہیں جیسا کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھا کرتے ہیں۔ ہاں اس قدر فرق ہوتا ہے کہ پہلے سجدہ کے بعد جب بیٹھتے ہیں تو دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر اس طور پر رکھتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں اور دونوں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوتی ہیں اور دوسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد جب بیٹھتے ہیں تو اپنے بائیں ہاتھ کو تو ویسا ہی رکھتے ہیں اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کو ہتھیلی

سے ملا لیتے ہیں اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ باندھ لیتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان کی انگلی کو سیدھا رکھتے ہیں اور پھر التّحیات پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ. اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اور یہ کہتے ہوئے اس انگلی کو اُٹھا کر اشارہ کرتے ہیں اور پھر ویسی ہی رکھ دیتے ہیں جیسی کہ پہلے رکھی ہوئی تھی۔) پھر وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھتے ہیں۔

(رسالہ تعلیم الاسلام مطبوعہ قادیان ماہ جولائی 1906ء جلد اول نمبر اول صفحہ 178، 179)

تشہد میں انگلی اُٹھانے کی حکمت

ایک شخص نے سوال کیا کہ التّحیات کے وقت نماز میں انگشت سبّابہ (شہادت کی انگلی) کیوں اُٹھاتے ہیں؟ فرمایا:

لوگ زمانہ جاہلیت میں گالیوں کے واسطے یہ اُنگلی اُٹھایا کرتے تھے اس لئے اس کو سبّابہ کہتے ہیں یعنی گالی دینے والی۔ خدا تعالیٰ نے عرب کی اصلاح فرمائی اور وہ عادت ہٹا کر فرمایا کہ خدا کو واحد لاشریک کہتے وقت یہ اُنگلی اُٹھایا کرو تا کہ اس سے وہ الزام اُٹھ جاوے۔ ایسے ہی عرب کے لوگ پانچ وقت شراب پیتے تھے۔ اس کے عوض میں پانچ وقت نماز رکھی۔

(البدر 20 مارچ 1903ء صفحہ 66)

رکوع وسجود میں قرآنی دعا کرنا

مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے سوال کیا کہ رکوع وسجود میں قرآنی آیت یا دعا کا پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا:

سجدہ اور رکوع فروتنی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ کا کلام عظمت چاہتا ہے۔ ماسوا اس کے حدیثوں سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکوع یا سجود میں کوئی قرآنی دعا پڑھی ہو۔ (الحکم 24/اپریل 1903ء صفحہ 11)

رکوع وسجود میں تسبیحات کے بعد اپنی زبان میں دعا کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضورؑ سیدنا مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ''دعا نماز میں بہت کرنی چاہیے'' نیز فرمایا ''اپنی زبان میں دعا کرنی چاہیے لیکن جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو انہیں الفاظ میں پڑھنا چاہئے مثلاً رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** وغیرہ پڑھ کر اوراس کے بعد بیشک اپنی زبان میں دعا کی جائے'' نیز فرمایا کہ ''رکوع وسجدہ کی حالت میں قرآنی دعا نہ کی جائے کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے اور اعلیٰ شان رکھتا ہے اور رکوع اور سجدہ تذلل کی حالت ہے۔اس لئے کلامِ الٰہی کا احترام کرنا چاہیئے۔''

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 166، 167)

سینے پر ہاتھ باندھنا

محمد اسماعیل صاحب سرساوی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ

''میں جو سینہ پر ہاتھ باندھتا تھا ایک دن مجھ سے پوچھا کہ حضرت صاحب یعنی مسیح موعود علیہ السلام کہاں ہاتھ باندھتے تھے؟ میں نے کہا سینہ پر۔ پس اسی روز سے میاں اسمٰعیل نے بھی سینہ پر بلاخوف ہاتھ باندھنے شروع کئے۔'' (تذکرۃ المہدی صفحہ 296)

نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر باندھنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس کسی کا خط آیا کہ کیا نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث بھی ملتی ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے یہ خط

حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ اس بارہ میں جو حدیثیں ملتی ہیں وہ جرح سے خالی نہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ تلاش کریں ضرور مل جائے گی کیونکہ باوجود اس کے کہ شروع عمر میں بھی ہمارے اردگرد سب حنفی تھے مجھے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کبھی پسند نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ طبیعت کا میلان ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی طرف رہا ہے اور ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جس بات کی طرف ہماری طبیعت کا میلان ہو وہ تلاش کرنے سے ضرور حدیث میں نکل آتی ہے۔ خواہ ہم کو پہلے اُس کا علم نہ ہو۔ پس آپ تلاش کریں ضرور مل جائے گی۔ مولوی سرور شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس پر حضرت مولوی صاحب گئے اور کوئی آدھا گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ خوش خوش ایک کتاب ہاتھ میں لئے آئے اور حضرت صاحب کو اطلاع دی کہ حضور حدیث مل گئی ہے اور حدیث بھی ایسی کہ جو علی شرط الشیخین ہے جس پر کوئی جرح نہیں۔ پھر کہا کہ یہ حضور ہی کے ارشاد کی برکت ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 92)

حضرت حاجی غلام احمد صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ نماز میں ہاتھ کس جگہ باندھیں۔ آپ نے فرمایا کہ

ظاہری آداب بھی ضروری ہیں مگر زیادہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف نماز میں رکھنی چاہئے۔

(اصحاب احمد جلد 10 صفحہ 246 نیا ایڈیشن)

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری روایت کرتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دفعہ میں نے نماز جمعہ سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کا رکوع، قیام، قومہ، جلسہ درمیانہ تھا۔ ہر ایک رکن میں اطمینان اور تسلّی ہوتی تھی۔ پھر میں نے ہاتھ باندھنے کی کیفیت دیکھی کہ سینے پر ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر تھا اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلی سے بازو پکڑا ہوا تھا اور تینوں درمیانی انگلیاں بازو پر تھیں اور کہنیوں کے جوڑ سے ورلی طرف ملی ہوئی تھیں۔

(اصحاب احمد جلد 10 صفحہ 257 نیا ایڈیشن)

نماز باجماعت

امام کہاں کھڑا ہو؟

ذکر ہوا کہ چکڑالوی کا عقیدہ ہے کہ نماز میں امام آگے نہ کھڑا ہو بلکہ صف کے اندر رہ کر کھڑا ہو۔فرمایا:

’’امام کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگے کھڑا ہو۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنے ہیں وہ شخص جو دوسرے کے آگے کھڑا ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ چکڑالوی زبانِ عربی سے بالکل جاہل ہے۔‘‘ (بدر 28 مارچ 1907ء صفحہ 9)

امام مقتدیوں کا خیال رکھے

سوال پیش ہوا کہ ایک پیش امام ماہِ رمضان میں مغرب کے وقت لمبی سورتیں شروع کر دیتا ہے۔مقتدی تنگ آتے ہیں کیونکہ روزہ کھول کر کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے۔دن بھر کی بھوک سے ضعف لاحق حال ہوتا ہے۔بعض ضعیف ہوتے ہیں۔اس طرح پیش امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہوگیا ہے۔حضرت نے فرمایا:

’’پیش امام کی اس معاملہ میں غلطی ہے۔اس کو چاہئے کہ مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے اور نماز کو ایسی صورت میں بہت لمبا نہ کرے۔‘‘ (بدر 31؍اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

کسی شخص نے ذکر کیا کہ فلاں دوست نماز پڑھانے کے وقت بہت لمبی سورتیں پڑھتے ہیں۔فرمایا:

’’امام کو چاہئے کہ نماز میں ضعفاء کی رعایت رکھے۔‘‘

نوٹ:۔مرحوم مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی وفات سے تھوڑا عرصہ قبل اتفاقاً ایک

دفعہ مسجد مبارک میں عاجز راقم کو امامت نماز کا موقعہ ہوا۔ جب نماز ختم ہوئی تو مولوی عبداللہ صاحب ہنستے ہوئے آگے بڑھے اور فرمانے لگے۔ حضرت صاحبؑ (مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی نماز ایسی ہی مختصر پڑھاتے تھے جیسی آپ نے پڑھائی۔ یہ ذکر نماز میں امامت کا تھا۔ ورنہ جو نمازیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور خود علیحدگی میں پڑھتے تھے انہیں بہت لمبا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے بہت قبل وقت سے حضرتؑ کی خدمت میں آنے والے تھے اور اُن ایام میں کثرت سے قادیان میں رہتے تھے۔ انہیں حضرت صاحبؑ کی اقتداء میں بہت نمازیں پڑھنے کا موقعہ ملتا رہا۔ (ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صفحہ 131، 132)

بیماری کے باوجود حکیم فضل دین صاحبؓ کو امام بنانا

حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی کو آخری عمر میں بواسیر کا مرض لاحق ہو گیا تھا اور وضو قائم نہیں رہتا تھا۔ اس لئے وہ ایک دفعہ وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور پھر درمیان میں باوجود ریح کے بار بار خارج ہونے کے نماز پڑھتے رہتے تھے اور ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر لیتے تھے۔ ان کی اس بیماری کے ایام میں ایک دفعہ حضرت صاحب نے ان کو فرمایا کہ حکیم صاحب آپ ہی نماز پڑھائیں۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور کو معلوم ہے کہ میرا تو وضو نہیں ٹھہرتا۔ حضور نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی نماز تو ہو جاتی ہے یا نہیں ہوتی۔ انہوں نے عرض کیا کہ نماز تو ہو جاتی ہے۔ مسئلہ ایسا ہی ہے۔ فرمایا

''آپ کی نماز ہو جاتی ہے تو ہماری بھی ہو جائے گی۔ آپ پڑھا دیں۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 23، 24)

غسّال کے پیچھے نماز؟

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ غسّال کو نماز کے واسطے پیش امام بنانا جائز ہے؟

فرمایا:

یہ سوال بے معنے ہے۔غسّال ہونا کوئی گناہ نہیں۔امامت کے لائق وہ شخص ہے جو متقی ہو، نیکوکار، عالم باعمل ہو۔اگر ایسا ہے تو غسّال ہونا کوئی عیب نہیں جو امامت سے روک سکے۔

(بدر 23 مئی 1907 صفحہ 10)

امامت کو بطور پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں

وہ جو امامت کا منصب رکھتے ہیں.......اگر اُن کا اقتدا کیا جائے تو نماز کے ادا ہو جانے میں مجھے شبہ ہے کیونکہ علانیہ طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے امامت کا ایک پیشہ اختیار کر رکھا ہے اور وہ پانچ وقت جا کر نماز نہیں پڑھتے بلکہ ایک دوکان ہے کہ ان وقتوں میں جا کر کھولتے ہیں اور اسی دوکان پر اُن کا اور اُن کے عیال کا گزارہ ہے چنانچہ اس پیشہ کے عزل ونصب کی حالت میں مقدمات تک نوبت پہنچتی ہے اور مولوی صاحبان امامت کی ڈگری کرانے کے لئے اپیل در اپیل کرتے پھرتے ہیں۔ پس یہ امامت نہیں یہ تو حرام خوری کا ایک مکروہ طریقہ ہے۔ (فتح اسلام۔روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 26 حاشیہ)

اجرت پر امام الصلوٰۃ مقرر کرنا

ایک مخلص اور معزز خادم نے عرض کی کہ حضور میرے والد صاحب نے ایک مسجد بنائی تھی۔وہاں جو امام ہے اس کو کچھ معاوضہ وہ دیتے تھے،اس غرض سے کہ مسجد آباد رہے۔وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں میں نے اس کا معاوضہ بدستور رکھا ہے اب کیا کیا جاوے؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

خواہ احمدی ہو یا غیر احمدی جو روپیہ کے لئے نماز پڑھتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔نماز تو خدا کے لئے ہے اگر وہ چلا جائے گا تو خدا تعالیٰ ایسے آدمی بھیج دے گا جو محض خدا کے لئے نماز پڑھیں اور مسجد کو آباد کریں۔ایسا امام جو محض لالچ کی وجہ سے نماز

پڑھتا ہے میرے نزدیک خواہ وہ کوئی ہو احمدی ہو یا غیر احمدی،اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔امام اتقٰی ہونا چاہئے۔بعض لوگ رمضان میں ایک حافظ مقرر کر لیتے ہیں اوراس کی تنخواہ بھی ٹھہرا لیتے ہیں یہ درست نہیں۔ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی محض نیک نیتی اور خداترسی سے اس کی خدمت کردے تو یہ جائز ہے۔

(الحکم 10 نومبر 1905ء صفحہ 6)

پیشہ ورنماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست نہیں

میرے نزدیک جولوگ پیشہ کے طور پرنماز پڑھاتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست نہیں وہ اپنی جمعرات کی روٹیوں یاتنخواہ کے خیال سے نماز پڑھاتے ہیں،اگر نہ ملے تو چھوڑ دیں۔ معاش اگر نیک نیتی کے ساتھ حاصل کی جاوے تو عبادت ہی ہے۔جب آدمی کسی کام کے ساتھ موافقت کرے اور پکّا راہ اختیار کرلے تو تکلیف نہیں ہوتی وہ سہل ہوجاتا ہے۔

(البدر 9 جنوری 1903ء صفحہ 85)

دوسری جماعت

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''مسجد میں جب ایک جماعت ہوچکے،تو حسب ضرورت دوسری جماعت بھی جائز ہے۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 83)

بعض صورتوں میں دو جماعتوں کی ممانعت

حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات کے ڈائری نویس لکھتے ہیں:

سفر گورداسپور میں نماز کے متعلق ذیل کے مسائل میری موجودگی میں حل ہوئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اقدسؑ ابھی وضوفرمارہے تھے اور مولانا محمد احسن صاحب بوجہ علالت طبع نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔اُن کا خیال تھا کہ میں معذور ہوں۔الگ پڑھ لوں،

مگر چند ایک احباب ان کے پیچھے مقتدی بن گئے اور جماعت ہو گئی۔ حضرت اقدس کو علم ہوا کہ ایک دفعہ جماعت ہو چکی ہے اور اب دوسری ہونے والی ہے تو آپؑ نے فرمایا:

''ایک مقام پر دو جماعتیں ہرگز نہ ہونی چاہئیں۔''

(البدر یکم اگست 1904ء صفحہ 4)

حضرت مصلح موعودؓ کے مندرجہ ذیل ارشاد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک جگہ پر دو نمازیں پڑھنے کی ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

حضرت مصلح موعودؓ سے ایک صاحب نے ایک دوسرے دوست کے حوالہ سے عرض کی کہ حضور! یہ کہتے تھے کہ ایک جماعت کے بعد دوسری نہیں ہونی چاہئے۔ فرمایا:

یہ تو منع نہیں ناپسندیدہ ہے وہ بھی مسجد میں۔ کیونکہ اس طرح اگر الگ الگ نمازیں ہونے لگیں تو چند آدمی آئیں اور نماز پڑھیں اور چل دیئے۔ پھر اور چند آئے اور جماعت کو کر کے چل دیئے۔ تو اس طرح جماعت کی اصل غرض جو ہے وہ مفقود ہو جاتی ہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

(الحکم 28 مارچ 1920ء صفحہ 3)

بغیر وجہ کے جماعت الگ الگ ٹکڑوں میں نہ ہو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضورِ اقدس اپنی کوٹھڑی میں تھے اور ساتھ کی کوٹھڑی میں نماز ہونے لگی۔ آدمی تھوڑے تھے۔ ایک ہی کوٹھڑی میں جماعت ہو سکتی تھی۔ بعض احباب نے خیال کیا کہ شاید حضرت اقدس اپنی کوٹھڑی میں ہی نماز ادا کر لیں گے، کیونکہ امام کی آواز وہاں پہنچتی ہے۔ اس پر آپؑ نے فرمایا

''جماعت کے ٹکڑے الگ الگ نہ ہونے چاہئیں بلکہ اکٹھی پڑھنی چاہئے۔ ہم بھی وہاں ہی پڑھیں گے یہ اس صورت میں ہونا چاہئے جبکہ جگہ کی قلت ہو۔''

(البدر یکم اگست 1904ء صفحہ 4)

امام الصلوٰۃ کے لئے ہدایت

کسی شخص نے ذکر کیا کہ فلاں دوست نماز پڑھانے کے وقت بہت لمبی سورتیں پڑھتے ہیں۔فرمایا:

''امام کو چاہئے کہ نماز میں ضعفاء کی رعایت رکھے۔''

(بدر۔20/اپریل1905ءصفحہ 2)

امام بطور وکیل کے ہوتا ہے

کسی کے سوال پر فرمایا:

پرہیز گار کے پیچھے نماز پڑھنے سے آدمی بخشا جاتا ہے نماز تو تمام برکتوں کی کُنجی ہے۔ نماز میں دعا قبول ہوتی ہے۔امام بطور وکیل کے ہوتا ہے اُس کا اپنا دل سیاہ ہو تو پھر وہ دوسروں کو کیا برکت دے گا۔

(الحکم 31 جولائی 1901ء صفحہ 4)

مکفرین و مکذبین کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے

تکفیر کرنے والے اور تکذیب کی راہ اختیار کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہے اس لئے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ پس یاد رکھو کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 64 حاشیہ)

غیراحمدیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حافظ محمد ابراہیم صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ غالباً 1904ء کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے مسجد مبارک میں سوال کیا کہ حضور اگر غیر احمدی باجماعت نماز پڑھ رہے ہوں تو ہم اس وقت نماز کیسے پڑھیں؟ آپؑ نے فرمایا۔تم اپنی الگ پڑھ لو۔ اس نے کہا کہ حضور جب جماعت ہو رہی ہو تو الگ نماز پڑھنی جائز نہیں۔ فرمایا: کہ اگر ان کی نماز باجماعت عنداللہ کوئی چیز ہوتی تو مَیں اپنی جماعت کو الگ پڑھنے کا حکم ہی کیوں دیتا۔ ان کی نماز اور جماعت جناب الٰہی کے حضور کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اس لئے تم اپنی نماز الگ پڑھو اور مقررہ اوقات میں جب چاہو ادا کر سکتے ہو۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس وقت کسی مسجد میں دوسروں کی جماعت ہو رہی ہو، ضرور اسی وقت نماز پڑھی جائے کیونکہ اس سے بعض اوقات فتنہ کا احتمال ہوتا ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ایک احمدی بہرحال الگ نماز پڑھے اور دوسروں کے پیچھے نہ پڑھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 526، 527)

غیروں کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی وجہ

کسی نے سوال کیا کہ جو لوگ آپؑ کے مرید نہیں ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپؑ نے اپنے مریدوں کو کیوں منع فرمایا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا:

جن لوگوں نے جلد بازی کے ساتھ بدظنّی کر کے اس سِلسِلہ کو جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، ردّ کر دیا ہے اور اس قدر نشانوں کی پَروا نہیں کی اور اسلام پر جو مصائب ہیں اس سے لاپروا پڑے ہیں۔ ان لوگوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا اور اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ:28) خدا صرف متقی لوگوں کی نماز

قبول کرتا ہے۔اس واسطے کہا گیا ہے کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھو جس کی نماز خود قبولیت کے درجہ تک پہنچنے والی نہیں۔

(الحکم 17 مارچ 1901ء صفحہ 8)

دو آدمیوں نے بیعت کی۔ ایک نے سوال کیا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

وہ لوگ ہم کو کافر کہتے ہیں۔ اگر ہم کافر نہیں ہیں تو وہ کفر لوٹ کر اُن پر پڑتا ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے۔ اس واسطے ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ پھر اُن کے درمیان جو لوگ خاموش ہیں وہ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ اُن کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ اپنے دل کے اندر کوئی مذہب مخالفانہ رکھتے ہیں جو ہمارے ساتھ بظاہر شامل نہیں ہوتے۔

(بدر 15 دسمبر 1905ء صفحہ 2)

اپنی جماعت کا غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:

صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمہاری نصرت اور فتحِ عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔ دیکھو دُنیا میں رُوٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن مُنہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور رُوٹھنا تو خدا کے لئے ہے۔ تم اگر ان میں رَلے مِلے رہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے، وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے۔

(الحکم 10 اگست 1901ء صفحہ 3)

غیروں کی مساجد میں نماز

ایک شخص نے بعد نماز مغرب بیعت کی اور عرض کیا کہ الحکم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ غیر از

جماعت کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔فرمایا:

ٹھیک ہے اگر مسجد غیروں کی ہے تو گھر میں پڑھ لو، اکیلے پڑھ لو حرج نہیں اور تھوڑے سے صبر کی بات ہے۔

(البدر 28 نومبر 1902ء صفحہ 36)

اکیلے احمدیوں کے لئے ہدایت

بعض احباب نے سوال کیا کہ نماز تنہا پڑھ لیا کریں؟ فرمایا:

ہاں الگ اور تنہا پڑھ لیا کرو۔ یہ سلسلہ خدا کا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان سے الگ رہو۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ خدا جماعت کر دیوے گا۔

(البدر 16 جنوری 1903ء صفحہ 90)

صرف تصدیق کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھو

سید عبداللہ صاحب عرب نے سوال کیا کہ میں اپنے ملک عرب میں جاتا ہوں۔ وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں۔فرمایا :

’’مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔‘‘

عرب صاحب نے عرض کیا وہ لوگ حضورؑ کے حالات سے واقف نہیں ہیں اور اِن کو تبلیغ نہیں ہوئی۔فرمایا:

’’ان کو پہلے تبلیغ کر دینا پھر یا وہ مصدق ہو جائیں گے یا مکذّب۔‘‘

عرب صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے مُلک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔فرمایا:

’’تم خدا کے بنو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ

اس کا متولی اور متکفّل ہو جاتا ہے۔‘‘

(الحکم 24 ستمبر 1901ء صفحہ 6)

عجب خان صاحب تحصیلدار نے حضرت اقدسؑ سے استفسار کیا کہ اگر کسی مقام کے لوگ اجنبی ہوں اور ہمیں علم نہ ہو کہ وہ احمدی جماعت میں ہیں یا نہیں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھی جاوے کہ نہیں؟ فرمایا:

ناواقف امام سے پوچھ لو۔ اگر وہ مصدّق ہو تو نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک جماعت الگ بنانا چاہتا ہے اس لئے اس کے منشاء کی کیوں مخالفت کی جاوے جن لوگوں سے وہ جُدا کرنا چاہتا ہے بار باراُن میں گھُسنا یہی تو اس کے منشاء کے مخالف ہے۔

(البدر 20 فروری 1903ء صفحہ 34 ، 35)

سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضورؑ کے حالات سے واقف نہیں، تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ فرمایا:

پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر، ورنہ اُس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر خاموش رہے نہ تصدیق کرے اور نہ تکذیب، تو وہ بھی منافق ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 299)

متفرق مسائل نماز

نمازوں کی ترتیب ضروری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ اگر امام عصر کی نماز پڑھا رہا ہو اور ایک ایسا شخص مسجد میں آجائے جس نے ابھی ظہر کی نماز پڑھنی ہو یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک ایسا شخص مسجد میں آجائے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہو اسے چاہئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو یا مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔

جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص بعد میں مسجد میں آتا ہے جبکہ نماز ہو رہی ہو تو اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی فتویٰ ہے کہ اگر اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عصر کی نماز پڑھا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ اسی طرح اگر اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عشاء کی نماز پڑھا رہا ہے تو وہ پہلے مغرب کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کونسی نماز پڑھی جا رہی ہے تو وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ایسی صورت میں جو امام کی نماز ہوگی وہی نماز اس کی ہو جائے گی بعد میں وہ اپنی پہلی نماز پڑھ لے۔ مثلاً اگر عشاء کی نماز ہو رہی ہے اور ایک ایسا شخص مسجد میں آجاتا ہے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہے تو اگر اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ عشاء کی نماز ہے تو وہ مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کونسی نماز ہو رہی ہے تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس صورت میں اس کی عشاء کی نماز ہو جائے گی۔ مغرب کی نماز وہ بعد میں پڑھ لے۔ یہی صورت عصر کے متعلق ہے۔

اس موقع پر عرض کیا گیا ہے کہ عصر کے بعد تو کوئی نماز جائز ہی نہیں۔ پھر اگر عدم علم کی صورت میں وہ عصر کی نماز میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد ظہر کی نماز اس کے لئے کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ حضور نے فرمایا ہے یہ تو صحیح ہے کہ بطور قانون عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اگر اتفاقی حادثہ کے طور پر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے تو پھر بھی وہ بعد میں ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں اس کے لئے ظہر کی نماز عصر کی نماز کے بعد جائز ہوگی۔

میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ مسئلہ سنا ہے اور ایک دفعہ نہیں سنا دو دفعہ سنا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جب دوبارہ اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس کے متعلق وضاحت کر چکا ہوں کہ ترتیبِ نماز ضروری چیز ہے۔ لیکن اگر کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ امام کونسی نماز پڑھا رہا ہے عصر کی نماز پڑھا رہا ہے یا عشاء کی نماز پڑھا رہا ہے تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ جو امام کی نماز ہوگی وہی اس کی نماز ہو جائے گی۔ بعد میں وہ اپنی پہلی نماز پڑھ لے۔

(الفضل 27 جون 1948ء صفحہ 3)

نماز با جماعت کھڑی ہونے پر سنتیں پوری کی جاسکتی ہیں

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری روایت کرتے ہیں کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں دیکھنے میں آیا کہ جب تکبیر ہوتی تھی تو جو احباب سنتیں پڑھ رہے ہوتے تھے وہ انہیں پوری کر کے جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ میں بھی مندرجہ بالا حدیث (اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ) کا مطلب ہم یہی سمجھتے تھے کہ جب امام تکبیر کہے اس کے بعد اگر سنتیں پڑھنے والا ایسی حالت میں ہو کہ وہ اپنی سنت کی نماز ختم کر کے رکوع میں امام کے ساتھ مل سکتا ہو تو وہ پوری کر لے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل واقعہ روشنی ڈالتا ہے۔

...... جب امام نے رکوع کے لئے تکبیر کہی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُٹھ کر رکوع

میں شامل ہو گئے۔ سلام کے بعد مولوی صاحبان سے اپنی رکعت کے متعلق ذکر کیا جو بغیر الحمد کے ادا کی تھی تو انہوں نے کہا کہ چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اس لئے آپؑ کی رکعت نہیں ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا صَلٰوۃَ آیا ہے نہ کہ لَا رَکْعَۃَ جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں الحمد تو ضرور پڑھنی چاہئے لیکن اگر کسی وجہ سے کسی رکعت میں الحمد نہ پڑھی جائے تو وہ رکعت ہو جاتی ہے اور اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں شامل ہونے والے کو رکعت پالینے والا ہی شمار کیا ہے۔ اس دن ہم نے سمجھ لیا کہ یہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی ایک رکعت سنت رہتی ہو تو وہ پوری کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو صحیح ہے۔ لیکن فرقہ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے کہ نمازی جس حالت میں ہو امام کے تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیر دے خواہ وہ آخری التَّحِيَّات میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو مگر روایات کے لحاظ سے صحیح وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک تھا اور صحابہ کرام کا بھی اسی پر عمل تھا۔

خلافتِ ثانیہ کے شروع میں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ جب تکبیر شروع ہو جاوے تو سنتیں پڑھنے والا خواہ وہ آخری تشہد ہی پڑھ رہا ہو سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ میں نے جب میر صاحب کا مضمون پڑھا تو اُن سے عرض کیا کہ آپ کا یہ مسلک سلسلہ کے طرزِ عمل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استدلال کے خلاف ہے اور فقہاء نے بھی آپ کے خلاف لکھا ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے مفتی سلسلہ مولوی محمد سرور شاہ صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا طرزِ عمل فقہاء والا ہی بتایا۔ اس کے بعد اس اختلاف کا ذکر میں نے حضرت خلیفہ ثانی سے کیا تو آپ نے بھی مولوی محمد سرور شاہ صاحب کی تائید فرمائی۔

(حیاتِ بقاپوری صفحہ 222 ، 223 نیا ایڈیشن)

سنتیں پڑھنے کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا معمول

حضرت شیخ یعقوب علیؓ صاحب عرفانی روایت کرتے ہیں کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول شروع سے یہ تھا کہ آپ سُنن اور نوافل گھر پر پڑھا کرتے تھے اور فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ التزام آپ کا آخر وقت تک رہا۔ البتہ جب کبھی فرض نماز کے بعد دیکھتے کہ بعض لوگ جو پیچھے سے آکر جماعت میں شریک ہوئے ہیں اور ابھی انہوں نے نماز ختم نہیں کی اور راستہ نہیں ہے تو آپ مسجد میں سنتیں پڑھا کرتے تھے یا کبھی کبھی جب مسجد میں بعد نماز تشریف رکھتے تو سنن مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عام عادت تھی ایک زمانہ میں بعض طالب علموں نے اپنی کوتاہ اندیشی سے یہ سمجھ لیا کہ شاید سنن ضروری نہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے 27/ذی الحجہ 1326 ہجری کے درس قرآن مجید میں فرمایا:

حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی عادت تھی کہ آپ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اندرونِ خانہ چلے جاتے تھے اور ایسا ہی اکثر میں بھی کرتا ہوں۔ اس سے بعض نادان بچوں کو بھی غالباً یہ عادت ہوگئی ہے کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً مسجد سے چلے جاتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ وہ سنتوں کی ادائیگی سے محروم ہو جاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اندر جا کر سب سے پہلے سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ کوئی ہے جو حضرت صاحب کے اس عمل درآمد کے متعلق گواہی دے۔ اس پر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو حسب العادت مجلس درس میں تشریف فرما تھے کھڑے ہوئے اور بآواز بلند کہا بے شک حضرت صاحب کی ہمیشہ عادت تھی کہ آپ مسجد جانے سے پہلے گھر میں سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے اور باہر مسجد میں جا کر

فرض ادا کر کے گھر میں آتے تو فوراً سنتیں پڑھنے کھڑے ہوتے اور نماز سنت پڑھ کر پھر اورکوئی کام کرتے۔ان کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی یہی شہادت دی اوران کے بعد حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اوران کے بعد صاحبزادہ میر محمد اسحاق صاحب نے اور پھر حضرت اقدس (علیہ السلام) کے پرانے خادم حافظ حامد علی صاحب (آج مرحوم) نے بھی اپنی عینی شہادت کا اظہار کیا۔(ایڈیٹر)

(سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 65 تا 67)

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

پیل پایوں کے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں۔فرمایا

اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی کے موافق خلوص دل کے ساتھ اسی کی عبادت کی جائے۔ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا۔ (بدر 13 فروری 1908ء صفحہ 10)

طلوعِ فجر کے بعد سورج نکلنے تک نوافل جائز نہیں

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ نمازِ فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا

نماز فجر کی اذان کے بعد سورج نکلنے تک دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہے۔ (بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

امام کے سلام پھیرنے سے قبل غلطی سے سلام پھیر لینا

نماز مغرب میں آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے پیش امام صاحب کی آواز آخری صفوں تک نہ پہنچ سکنے کے سبب درمیانی صفوں میں سے ایک شخص حسب معمول تکبیر کا بآواز بلند تکرار کرتا جاتا تھا۔آخری رکعت میں جب سب التحیات بیٹھے تھے اور دعائے التحیات اور

درود شریف پڑھ چکے تھے اور قریب تھا کہ پیش امام صاحب سلام کہیں مگر ہنوز انہوں نے سلام نہ کہا تھا کہ درمیانی مکبّر کو غلطی لگی اور اس نے سلام کہہ دیا جس پر آخری صفوں کے نمازیوں نے بھی سلام کہہ دیا اور بعض نے سنتیں بھی شروع کر دیں کہ امام صاحب نے سلام کہا اور درمیانی مکبّر نے جو اپنی غلطی پر آگاہ ہو چکا تھا دوبارہ سلام کہا۔ اس پر ان نمازیوں نے جو پہلے سے سلام کہہ چکے تھے اور نماز سے فارغ ہو چکے تھے مسئلہ دریافت کیا کہ آیا ہماری نماز ہو گئی یا ہم دوبارہ نماز پڑھیں؟

صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے جو خود بھی پچھلی صفوں میں تھے اور امام سے پہلے سلام کہہ چکے تھے فرمایا کہ یہ مسئلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا جا چکا ہے اور حضرت نے فرمایا ہے کہ:۔

آخری رکعت میں التحیات پڑھنے کے بعد اگر ایسا ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (بدر 2 مئی 1907ء صفحہ 2)

باآواز بلند اپنی زبان میں دعا

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور امام اگر اپنی زبان میں (مثلاً اُردو میں) باآواز بلند دُعا مانگتا جائے اور پچھلے آمین کرتے جاویں تو کیا یہ جائز ہے جبکہ حضور کی تعلیم ہے کہ اپنی زبان میں دعائیں نماز میں کر لیا کرو۔ فرمایا:۔

دعا کو باآواز بلند پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف :56) اور دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف :206)

عرض کیا کہ قنوت تو پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا:۔

ہاں ادعیۂ ماثورہ جو قرآن و حدیث میں آ چکی ہیں وہ بے شک پڑھ لی جاویں۔ باقی دعائیں جو اپنے ذوق و حال کے مطابق ہیں وہ دل ہی میں پڑھنی چاہئیں۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 12)

جھرًا دعائیں پڑھنا

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

جب ابتدا میں مَیں قادیان گیا اور مسجد مبارک میں صرف تین چار نمازی ہوا کرتے تھے اور حافظ معین الدین صاحب مرحوم نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جب حضرت مولوی نورالدین ؓ صاحب ہجرت کر کے ... قادیان آ گئے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں اپنی مساجد میں پیش امام بنایا اور وہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ لیکن اُس کے بعد جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ مرحوم بھی ہجرت کر کے قادیان آ گئے تو حضرت مولوی نورالدین صاحب ؓ نے انہیں نماز کے واسطے آگے کر دیا اور پھر جب تک وہ زندہ رہے وہی پیش امام رہے۔ لیکن گاہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام طبیعت کی کمزوری کے سبب مسجد مبارک میں ہی جمعہ بھی پڑھ لیتے تھے اور چونکہ مسجد مبارک میں سب لوگ سما نہ سکتے تھے۔ اس واسطے جمعہ مسجد اقصیٰ میں بھی بدستور ہوتا اور مسجد اقصیٰ میں حضرت مولوی نورالدین صاحب ؓ جمعہ پڑھاتے تھے اور مسجد مبارک میں حضرت مولوی عبدالکریم ؓ صاحب جمعہ پڑھاتے تھے اور گاہے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ باہر گئے ہوئے ہوتے اور حضرت مولوی محمد ؓ احسن صاحب قادیان میں موجود ہوتے تو مسجد مبارک میں وہ جمعہ پڑھاتے۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ مرحوم ہجرت کر کے قادیان چلے آئے تو وہی پیش امام نماز کے ہوتے رہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ مرحوم اپنی قراءت میں ہمیشہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ سے پہلے بالجہر پڑھتے تھے اور فجر اور مغرب اور عشاء کی آخری رکعت میں بعد رکوع عمومًا بلند آواز میں بعض دُعائیں مثلاً رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ اور رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا الخ اور اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ الخ اور اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ بِالْاِمَامِ الْحَكَمِ الْعَادِلِ وغیرہ پڑھا کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحب کی عدم موجودگی میں جب کہ وہ سفر پر ہوں یا

نماز میں کسی وجہ سے نہ آسکیں ۔مولوی حکیم فضل الدین صاحبؓ مرحوم اور گاہے عاجز راقم کو یا کسی اور صاحب کو امامت کے واسطے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم فرماتے تھے۔ حضورؑ خود کبھی پیش امام نہ بنتے تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اولؓ ہمیشہ پیش امام رہے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 22،23)

سجدہ میں قرآنی دعائیں پڑھنا کیوں منع ہے؟

سوال:۔سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا کیوں ناجائز ہے جبکہ سجدہ انتہائی تذلل کا مقام ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

میرا تو یہی عقیدہ رہا ہے کہ سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا جائز ہے لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا حوالہ ملا جس میں آپ نے سجدہ کی حالت میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں بھی اسی مضمون کی ایک حدیث مل گئی لیکن اگر میرے عقیدے کے خلاف یہ امور نہ ملتے تب بھی یہ دلیل میں معقول قرار نہ دیتا کہ سجدہ جب انتہائی تذلل کا مقام ہے تو قرآنی دعاؤں کا سجدہ کی حالت میں پڑھنا جائز ہونا چاہئے۔

امام مالکؒ کا عقیدہ تھا کہ سمندر کی ہر چیز حلال ہے ایک دفعہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا سمندر میں سؤر بھی ہوتا ہے کیا اس کا کھانا بھی جائز ہے۔آپ نے فرمایا سمندر کی ہر چیز کھانی جائز ہے مگر سؤر حرام ہے۔اس نے بار بار یہی سوال کیا مگر آپ نے فرمایا میں اس سوال کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ سمندر کی ہر چیز حلال ہے مگر سؤر حرام ہے۔یہی جواب میں دیتا ہوں کہ سجدہ بے شک تذلل کا مقام ہے مگر قرآن کریم کی چیزیں،اس کی دعائیں سجدہ کی حالت میں

نہیں پڑھنی چاہئیں۔

دعا انسان کو نیچے کی طرف لے جاتی ہے اور قرآن انسان کو اوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے قرآنی دعاؤں کا سجدہ کی حالت میں مانگنا ناجائز ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک بات مل گئی تو پھر اس کے خلاف طریق اختیار کرنا درست نہیں گو وہ ہماری عقل میں نہ ہی آئے۔ (الفضل 16 را پریل 1944ء صفحہ 1-2)

الہامی کلمات نماز میں بطور دعا پڑھنا

آج جو مجھے خواب میں الہام سے کلمات بتلائے گئے ہیں (مراد ہے رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ۔ناقل) میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان کو نماز میں دعا کے طور پر پڑھا جاوے اور میں نے خود تو پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

(البدر 12 دسمبر 1902ء صفحہ 54 کالم 3)

الہامی دعائیں واحد متکلم کے صیغہ کو بصورت جمع پڑھنا

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا جس میں سوال تھا کہ دعا الہامیہ رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ کو صیغہ جمع متکلم میں پڑھ لیا جاوے یا نہ۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اصل میں الفاظ تو الہام کے یہی ہیں (یعنی واحد متکلم میں ہیں۔) اب خواہ کوئی کسی طرح پڑھ لیوے۔قرآن مجید میں دونوں طرح دعائیں سکھائی گئی ہیں۔

واحد کے صیغہ میں بھی جیسے رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح:29) اور جمع کے صیغہ میں بھی جیسے رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة:202)

اور اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے جیسے اس ہماری الہامی دعا میں فَاحْفَظْنِیْ سے یہی مراد نہیں ہے کہ میرے نفس کی حفاظت کر بلکہ نفس کے متعلقات اور جو کچھ لوازمات ہیں سب ہی آجاتے ہیں جیسے گھربار، خویش واقارب، اعضاء اور قویٰ وغیرہ۔

(البدر 26 دسمبر 1902ء صفحہ 69)

حالات کے مطابق دعا کے الفاظ میں تبدیلی

میر ناصر نواب صاحب نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ دعا رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ والی جو الہام ہوئی ہے اگر اس میں بجائے واحد متکلم کے جمع متکلم کا صیغہ پڑھ کر دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو حرج تو نہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

(البدر 19 دسمبر 1902ء صفحہ 58)

قرآنی دعاؤں میں تبدیلی مناسب نہیں

ایک دوست کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں بعض دعائیں جو صیغہ واحد متکلم میں ہوتی ہیں یعنی انسان کے اپنے واسطے ہی ہوسکتی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو صیغہ جمع میں پڑھ کر مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شامل کر لیا کروں اس میں کیا حکم ہے؟

فرمایا:

جو دعائیں قرآن شریف میں ہیں ان میں کوئی تغیر جائز نہیں کیوں کہ وہ کلام الٰہی ہے وہ جس طرح قرآن شریف میں ہے اسی طرح پڑھنا چاہیے۔ ہاں حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں۔ ان کے متعلق اختیار ہے کہ صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع پڑھ لیا کریں۔

(بدر 4 راپریل 1907ء صفحہ 6)

دعا میں رقت پیدا کرنے والے الفاظ کا استعمال

دعا کے متعلق ذکر تھا، فرمایا:

دعا کے لئے رِقت والے الفاظ تلاش کرنے چاہئیں۔ یہ مناسب نہیں کہ انسان مسنون دُعاؤں کے ایسا پیچھے پڑے کہ اُن کو جنتر منتر کی طرح پڑھتا رہے اور حقیقت کو نہ پہچانے۔ اتباعِ سنّت ضروری ہے، مگر تلاشِ رقّت بھی اتباعِ سُنَّت ہے۔ اپنی زبان میں جس کو تم خوب سمجھتے ہو، دعا کرو۔ تا کہ دعا میں جوش پیدا ہو۔ الفاظ پرست مَخذُول ہوتا ہے۔ حقیقت پرست بننا چاہئے۔ مسنون دعاؤں کو بھی برکت کے لئے پڑھنا چاہئے۔ مگر حقیقت کو پاؤ۔ ہاں جس کو زبانِ عربی سے موافقت اور فہم ہو وہ عربی میں پڑھے۔

(الحکم 10 ستمبر 1901ء صفحہ 9)

وتر کیسے پڑھے جائیں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ وتر کس طرح پڑھنے چاہئیں۔ اکیلا بھی جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

اکیلا وتر تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ وتر تین ہیں خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھ لو۔ خواہ تینوں ایک ہی سلام سے درمیان میں التحیات بیٹھ کر پڑھ لو۔ ایک وتر ٹھیک نہیں۔

(الحکم 10/اپریل 1903ء صفحہ 14)

بہتر ہے اوّل وقت وتر پڑھ لیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں فضل محمد صاحب دکاندار محلّہ دارالفضل نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جبکہ مولوی کرم دین والا مقدمہ تھا اور گورداسپور میں اس کی پیشی تھی تو وہاں پر میں نے ایک شیشم کے درخت کے نیچے حضرت صاحب کے حضور عرض کی کہ حضورؑ عشاء کی نماز کے بعد اگر وتر نہ پڑھے جائیں اور پچھلے

وقت بھی رہ جاویں تو پھران کوکس وقت پڑھا جاوے۔تب حضورؑ نے فرمایا کہ ''بہتر یہی ہے کہ پہلے وقت ہی پڑھ لئے جاویں۔'' یعنی نماز عشاء کے بعد ہی پڑھ لینے چاہئیں۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 172)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وتر پڑھنے کا طریق

سوال:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام وتر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے تھے یا تین پڑھ کر؟

اس کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:۔

''عموماً دو پڑھ کر۔'' مولوی سید سرور شاہ صاحب نے کہا جس قدر واقف لوگوں سے اور روایتیں سنی ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیرتے تھے پھر ایک پڑھتے۔

(الفضل 12/جون 1922ء صفحہ 7)

وتر اور دعائے قنوت

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی روایت کرتے ہیں کہ

ایک روز میں نے حضرت اقدس سے پوچھا وتر کی کتنی رکعت ہیں اور کس طرح پڑھنا چاہئے فرمایا وتر تو ایک ہی رکعت ہے۔وتر ایک کو کہتے ہیں لیکن ایک رکعت جائز نہیں ہے۔اس لئے دو رکعت نفل اور اس کے ساتھ لگا دی گئی ہیں اور دو طریق سے پڑھنے چاہئیں۔ایک طریق کہ جس طرح حنفی پڑھتے ہیں اور دوسرا طریق یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کے سلام پھیر دے اور ایک رکعت چپکے سے اُٹھ کر پڑھ لے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ قنوت پڑھنی چاہئے فرمایا ہاں ضرور پڑھنی چاہئے۔پھر میں نے عرض کیا کہ بعض مولوی اس دعائے قنوت کو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں فرمایا وہ بڑی غلطی کرتے ہیں یہ دعائے قنوت اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِی عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَ

نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَ نَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ بڑی عجیب اورتوحید کی بھری ہوئی دعا ہے ایسے الفاظ توحید کے سوائے اس سید المرسلین سید المؤحدین صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے سے ادا نہیں ہو سکتے ہیں اور یہ خاص الٰہی تعلیم ہے ان پاک الفاظ کے بھی قربان اور اس منہ کے بھی قربان جس منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 116)

تہجد کی نماز کا طریق

عبدالعزیز صاحب سیالکوٹی نے لائل پور میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز اس طرح سے جیسا کہ اب تعامل اہل اسلام ہے بجا نہ لاتے بلکہ آپ صرف اُٹھ کر قرآن پڑھ لیا کرتے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ یہی مذہب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے...... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بوساطت منشی نبی بخش صاحب اور مولوی نورالدین صاحب یہ امر تحقیق کے لئے پیش کیا گیا جس پر حضرت امام الزمان علیہ السلام نے مفصلہ ذیل فتویٰ دیا۔

میرا یہ ہرگز مذہب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر فقط قرآن شریف پڑھ لیا کرتے تھے اور بَس۔ مَیں نے ایک دفعہ یہ بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا کوئی اَور ایسی وجہ ہو کہ وہ تہجد کے نوافل ادا نہ کر سکے تو وہ اُٹھ کر استغفار، درود شریف اور الحمد شریف ہی پڑھ لیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نوافل ادا کرتے، آپ کثرت سے گیارہ رکعت پڑھتے آٹھ نفل اور تین وتر۔ آپ کبھی ایک ہی وقت میں ان کو پڑھ لیتے اور کبھی اس طرح سے ادا کرتے کہ دو رکعت پڑھ لیتے اور پھر سو جاتے اور پھر اُٹھتے اور دو رکعت پڑھ لیتے اور سو جاتے۔ غرض سو کر اور اُٹھ کر نوافل اسی طرح ادا کرتے جیسا کہ اب تعامل ہے اور

جس کو اب چودھویں صدی گذر رہی ہے۔ (البدر 16 نومبر 1903ء صفحہ 335)

تہجد کا اوّل وقت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ رمضان شریف میں تہجد پڑھنے کے متعلق حضور سے کسی نے سوال کیا یا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تہجد کے لئے اول وقت اُٹھنا چاہئے نہ کہ عین صبح کی نماز کے ذرا قبل....

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اول وقت سے رات کا حصہ مراد نہیں بلکہ تہجد کے وقت کا اول حصہ مراد ہے یعنی نصف شب کے جلد بعد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ طریق ہوتا تھا کہ تہجد ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ لمبی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو صبح کی اذان سے قبل کسی قدر استراحت کا موقعہ مل جاتا تھا لیکن نوجوان بچے اگر تہجد کی عادت ڈالنے کے لئے صبح کی اذان سے کچھ وقت پہلے بھی اُٹھ لیا کریں تو ہرج نہیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 671، 672)

ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا

ذکر ہوا کہ ایک رکعت میں بعض لوگ قرآن کو ختم کرنا کمالات میں تصور کرتے ہیں اور ایسے حافظوں اور قاریوں کو اس امر کا بڑا فخر ہوتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

یہ گناہ ہے اور ان لوگوں کی لاف زنی ہے۔ جیسے دنیا کے پیشہ والے اپنے پیشہ پر فخر کرتے ہیں۔ ویسے ہی یہ بھی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق کو اختیار نہ کیا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو کر سکتے تھے مگر آپ نے چھوٹی چھوٹی سورتوں پر اکتفا کی۔

(البدر 19 جون 1903ء صفحہ 169)

نماز اشراق پر مداومت ثابت نہیں

مکرم میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام مکتوب میں آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

اس عاجز نے پہلے لکھ دیا تھا کہ آپ اپنے تمام اورادِ معمولہ کو بدستور لازم اوقات رکھیں صرف ایسے طریقوں سے پرہیز چاہئے ۔جن میں کسی نوع کا شرک یا بدعت ہو۔پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اشراق پر مداومت ثابت نہیں تہجد کے فوت ہونے پر یا سفر سے واپس آکر پڑھنا ثابت ہے۔لیکن تعبّد میں کوشش کرنا اور کریم کے دروازہ پر پڑے رہنا عین سنت ہےوَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعۃ :11) (مکتوبات احمد جلد اوّل صفحہ 528)

تعدادرکعات

پوچھا گیا کہ نمازوں میں تعداد رکعت کیوں رکھی ہے؟ فرمایا:

اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اسرار رکھے ہیں ۔جو شخص نماز پڑھے گا۔وہ کسی نہ کسی حد پر تو آخر رہے گا ہی ۔اور اسی طرح پر ذکر میں بھی ایک حد تو ہوتی ہے۔لیکن وہ حد وہی کیفیت اور ذوق و شوق ہوتا ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ جب وہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بس کر جاتا ہے۔

دوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں ۔جو شخص اس میں پڑتا ہے وہی سمجھ سکتا ہے۔اصل غرض ذکر الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے۔اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک تاجر نے ستر ہزار کا سودا لیا اور ستر ہزار کا دیا مگر وہ ایک آن میں بھی خدا سے جدا نہیں ہوا۔پس یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے۔

لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (النور:38)

جب دل خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں ۔اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے، کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔اسی طرح پر جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں ۔وہ کسی حال میں بھی

خدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ (الحکم 24 جون 1904ء صفحہ 1)

نماز کے بعد تسبیح

ایک صاحب نے پوچھا کہ بعد نماز تسبیح لے کر 33 مرتبہ اللہ اکبر وغیرہ جو پڑھا جاتا ہے۔آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ حسب مراتب ہوا کرتا تھا اور اسی حفظ مراتب نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مشکلات پیش آئی ہیں اور انھوں نے اعتراض کر دیا ہے کہ فلاں دو احادیث میں باہم اختلاف ہے حالانکہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلیم بلحاظ محل اور موقعہ کے ہوتی تھی۔مثلاً ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ نیکی کیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ اس میں یہ کمزوری ہے کہ ماں باپ کی عزت نہیں کرتا۔آپؐ نے فرمایا کہ نیکی یہ ہے کہ تو ماں باپ کی عزت کر۔اب کوئی خوش فہم اس سے یہ نتیجہ نکال لے کہ بس اور تمام نیکیوں کو ترک کر دیا جاوے یہی نیکی ہے۔ایسا نہیں، اسی طرح پر تسبیح کے متعلق بات ہے۔قرآن شریف میں تو آیا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:46) اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔اب یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا نماز کے بعد ہی ہے تو 33 مرتبہ تو کثیر کے اندر نہیں آتا۔پس یاد رکھو کہ 33 مرتبہ والی بات حسب مراتب ہے، ورنہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو سچے ذوق اور لذت سے یاد کرتا ہے، اسے شمار سے کیا کام۔وہ تو بیرون از شمار یاد کرے گا۔

ایک عورت کا قصّہ مشہور ہے کہ وہ کسی پر عاشق تھی۔اس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے پھیر رہا ہے۔اس عورت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اپنے یار کو یاد کرتا ہوں۔عورت نے کہا یار کو یاد کرنا اور پھر گِن گِن کر؟

درحقیقت یہ بات بالکل سچی ہے کہ یار کو یاد کرنا ہو تو پھر گن گن کر کیا یاد کرنا ہے اور اصل

بات یہی ہے کہ جب تک ذکر الٰہی کثرت سے نہ ہو وہ لذت اور ذوق جو اس ذکر میں رکھا گیا ہے حاصل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو 33 مرتبہ فرمایا ہے وہ آنی اور شخصی بات ہو گی۔ کوئی شخص ذکر نہ کرتا ہو گا تو آپؐ نے اسے فرما دیا کہ 33 مرتبہ کر لیا کر۔ اور یہ جو تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھتے ہیں یہ مسئلہ بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آشنا ہو تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ نے کبھی ایسی باتوں کا التزام نہیں کیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا تھے۔ (الحکم 24 جون 1904ء صفحہ 1)

غیر معمولی اوقات والے علاقوں میں نماز کیسے پڑھیں؟

مولوی محمد عبد اللہ صاحب بوتالویؒ لکھتے ہیں کہ

قاضی ضیاء الدین صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے سنایا کہ سردار فضل حق صاحبؓ ساکن دھرم کوٹ کے اسلام لانے کا واقعہ ہمارے سامنے ہوا تھا۔ جب سردار صاحب عید کے دن قادیان آکر مسلمان ہوئے اور اس کے بعد کچھ دن قادیان ٹھہرے تھے۔ ان کے دیگر رشتہ دار اس عرصہ میں چڑھائی کر کے آئے اور ان کو اسلام سے ہٹا کر واپس سکھ مت میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ ایک دن ایک جتھ سکھوں کا آیا۔ جس میں بوڑھے بوڑھے اور اپنے مذہب کے واقف لوگ بھی تھے۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں فروکش تھے۔ وہ لوگ بھی مسجد مبارک میں ہی آ گئے۔ اور غیظ و غضب سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے اسلام پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ مرجاجی! ہمیں یہ بتاؤ کہ جس ملک میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ وہاں مسلمان کیا کریں گے۔ یہ سوال انہوں نے اپنے خیال میں عقدۂ لا ینحل سمجھ کر پیش کیا۔ لیکن حضرت اقدسؑ نے نہایت آسانی کے ساتھ فوراً جواب دیا کہ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ جو انسانی طاقت سے باہر ہو۔ لہٰذا اگر انسان چھ مہینے کا روزہ نہیں رکھ سکتا۔ تو نہ رکھے۔ اس صورت

میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ رہا نماز کے وقتوں کا سوال۔ سو آج کل تو گھڑیوں کے ذریعہ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اور دن اور رات کا اندازہ بھی اس مقام پر شرق اور غرب کے لحاظ سے کیا جاسکتا ہے۔ اس پر وہ سکھ خاموش اور لاجواب ہو گئے اور جو اعتراض کا پہاڑ بنا کر وہ لائے تھے۔ وہ حضورؑ نے ذراسی پھونک سے ہی اُڑادیا۔

(اصحابِ احمد جلد 6 صفحہ 112، 113 روایت قاضی ضیاء الدین صاحب۔ نیا ایڈیشن)

نماز جمع کرنے کی صورت میں سنتیں معاف ہو جاتی ہیں

سوال:۔ نماز جمع کرنے کی صورت میں سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلے تو اس بات کے متعلق علماء میں اختلاف تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عمل سے ہم نے جو کچھ تواتر سے دیکھا ہے اور پوچھنے والوں کے جواب میں آپ نے ہمیشہ جو کچھ فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں فرضوں سے پہلی سنتیں بھی اور بعد کی سنتیں بھی معاف ہو جاتی ہیں۔

سوال:۔ اگر نماز جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز جمع کی جائے تو کیا پھر بھی سنتیں معاف ہیں؟

جواب:۔ نماز جمعہ سے قبل جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ دراصل جمعہ کے نفل ہیں اور جمعہ کے ساتھ مخصوص ہیں اس لئے نماز جمعہ سے قبل سنتیں بہر حال پڑھنی چاہئیں۔

(الفضل 14 اکتوبر 1946ء صفحہ 4)

حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

غالباً یہ واقعہ مارچ 1899ء کا ہے جبکہ مَیں لاہور سے چند روز کے واسطے قادیان آیا ہوا تھا۔ چونکہ مَیں اُس کمرے میں ٹھیرایا گیا جو مسجد مبارک اور حضرت مسیح موعودؑ کے کمرے کے درمیان ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازوں کے واسطے اُسی کمرے میں

سے گذر کر آتے تھے اور اس کے علاوہ بھی کئی دفعہ دروازہ کھولتے اور مجھے کوئی شے کھانے کی دے جاتے مثلاً آم یا کوئی اور شے۔ عاجز کے حال پر حضورؑ کی نہایت مہربانی اور شفقت تھی۔

انہیں ایام میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: آج نماز ظہر وعصر ہر دو جمع کر کے پڑھی جائیں گی۔ (عموماً ایسی جمع کے دن ظہر کی نماز اپنے وقت سے ذرا پیچھے اور عصر اپنے وقت سے قبل پڑھی جاتی تھی۔ یا عصر کو ظہر کے وقت ساتھ ملا لیا جاتا تھا۔ یا ظہر میں دیر کر کے ہر دو نمازیں عصر کے وقت پڑھ لی جاتی تھیں) مَیں چار رکعت سنت پڑھنے کے واسطے اُسی کمرے میں کھڑا ہوا جیسا کہ ظہر کی نماز کے چار رکعت فرض سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کمرے میں ہی وضو کر کے اور پہلی سنتیں پڑھ کر مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے مگر پچھلی دو رکعت سنت عموماً مسجد ہی میں پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد تھوڑی دیر کے واسطے وہیں مسجد میں خدام کی ملاقات اور بات چیت کے واسطے بیٹھ جایا کرتے تھے۔

غرض مَیں چار رکعت سنت کی نیت کر کے ابھی کھڑا ہی ہوا تھا اور چند احباب اور بھی کمرے میں تھے کیونکہ مسجد مبارک میں کمی گنجائش کے سبب بعض احباب ساتھ کے کمروں میں نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔ حضرت صاحبؑ نے مسجد جانے کے واسطے دروازہ کھولا۔ جب میرے پاس سے گذرنے لگے اور مجھے سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: نماز جمع ہو گی سُنتوں کی ضرورت نہیں۔ یہ فرما کر آگے کو بڑھے اور پھر پیچھے پھر کر دیکھا کہ میں نماز میں مشغول تھا تو پھر فرمایا: نماز جمع ہو گی سنتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ فرما کر مسجد کے اندر داخل ہو گئے اور میں نے کھڑے کھڑے سلام پھیر دیا اور سنتیں نہیں پڑھیں۔ جتنے آدمی کمرے میں موجود تھے۔ اُن سب پر اس بات کا خاص اثر ہوا کہ حضرت صاحبؑ نے نماز کے جمع ہونے کے وقت سنتوں کا پڑھا جانا پسند نہیں فرمایا۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 63، 64)

نماز میں قرآن شریف کھول کر پڑھنا مناسب نہیں

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ قرآن شریف کی لمبی سُورتیں یاد نہیں ہوتیں اور نماز میں پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے۔کیا ایسا کر سکتے ہیں کہ قرآن شریف کو کھول کر سامنے کسی رحل یا میز پر رکھ لیں یا ہاتھ میں لے لیں اور پڑھنے کے بعد الگ رکھ کر رکوع سجود کر لیں اور دوسری رکعت میں پھر ہاتھ میں اُٹھا لیں۔حضرت صاحبؑ نے فرمایا:۔

''اِس کی کیا ضرورت ہے۔آپ چند سورتیں یاد کر لیں اور وہی پڑھ لیا کریں۔''

(ذِکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 174)

امام وقت کے بلانے پر نماز توڑنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں مسجد مبارک میں ظہر کی نماز سے پہلی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیت الفکر کے اندر سے مجھے آواز دی۔ میں نماز توڑ کر حضرت کے پاس چلا گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ حضور میں نماز توڑ کر حاضر ہوا ہوں۔آپ نے فرمایا اچھا کیا۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیت الفکر اس حجرہ کا نام ہے جو حضرت کے مکان کا حصہ ہے اور مسجد مبارک کے ساتھ شمالی جانب متصل ہے۔ابتدائی ایام میں حضرت عموماً اس کمرہ میں نشست رکھتے تھے اور اسی کی کھڑکی میں سے نکل کر مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ رسول کی آواز پر نماز توڑ کر حاضر ہونا شرعی مسئلہ ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ عمل صالح کسی خاص عمل کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نام ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 163)

ضرورتاً نماز توڑنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مسجد مبارک میں نماز ظہر یا عصر شروع ہوچکی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام درمیان میں سے نماز توڑ کر کھڑکی کے راستہ گھر میں تشریف لے گئے اور پھر وضو کر کے نماز میں آ ملے اور جو حصہ نماز کا رہ گیا تھا وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کیا۔ یہ معلوم نہیں کہ حضور بھول کر بے وضو آ گئے تھے یا رفع حاجت کے لئے گئے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 783)

سخت مجبوری میں نماز توڑنا جائز ہے

افریقہ سے ڈاکٹر محمد علی خاں صاحب نے استفسار کیا کہ اگر ایک احمدی بھائی نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے اس کا افسر آ جاوے اور دروازہ کو ہلا ہلا کر اور ٹھونک ٹھونک کر پکارے اور دفتر یا دوائی خانہ کی چابی مانگے تو ایسے وقت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ اسی وجہ سے ایک شخص نوکری سے محروم ہو کر ہندوستان واپس کیا گیا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:

ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ دروازہ کھول کر چابی افسر کو دے دیتا (یہ ہسپتال کا واقعہ ہے اس لئے فرمایا) کیونکہ اگر اس کے التوا سے کسی آدمی کی جان چلی جاوے تو یہ سخت معصیت ہوگی۔ احادیث میں آیا ہے کہ نماز میں چل کر دروازہ کھول دیا جاوے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر لڑکے کو کسی خطرہ کا اندیشہ ہو یا کسی موذی جانور سے جو نظر پڑتا ہو ضرر پہنچتا ہو تو لڑکے کو بچانا اور جانور کو مار دینا اس حال میں کہ نماز پڑھ رہا ہے گناہ نہیں ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گھوڑا کھل گیا ہو تو اُسے

باندھ دینا بھی مفسد نماز نہیں ہے کیونکہ وقت کے اندر نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہے۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اشد ضرورتوں کے لئے نازک موقع پر یہ حُکم ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک قسم کی رفع حاجت کو مقدم رکھ کر نماز کی پرواہ نہ کی جاوے اور اسے بازیچۂ طفلاں بنادیا جاوے ورنہ نماز میں اشغال کی سخت ممانعت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک دل اور نیت کو بخوبی جانتا ہے۔ (البدر 24 نومبر 1904ء صفحہ 4)

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں) ذکر تھا کہ امیر کابل اجمیر کی خانقاہ میں بوٹ پہنے ہوئے چلا گیا تھا اور ہر جگہ بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی اور اس بات کو خانقاہ کے کارندوں نے بُرا منایا۔ حضرت نے فرمایا

’’اس معاملہ میں امیر حق پر تھا جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے۔‘‘

(بدر 11اپریل 1907ء صفحہ 3)

پان منہ میں رکھ کر نماز ادا کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب کو سخت کھانسی ہوئی۔ ایسی کہ دم نہ آتا تھا۔ البتہ منہ میں پان رکھ کر قدرے آرام معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت آپ نے اس حالت میں پان منہ میں رکھے رکھے نماز پڑھی تاکہ آرام سے پڑھ سکیں۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 605،606)

عورت مرد کے پیچھے الگ صف میں نماز پڑھے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام جالندھر میں قیام پذیر تھے۔ تو میں اوپر کوٹھے پر گیا۔ حضور تنہائی میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے اور رکوع وسجود لمبے

کرتے تھے۔ایک خادمہ غالباً مائی تابی اس کا نام تھا جو بہت بڑھیا تھی ۔حضور کے برابر مصلے پر کھڑے ہوکر نماز پڑھ کر چلی گئی۔ میں دیر تک بیٹھا رہا۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے یہ مسئلہ پوچھا کہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے یا پیچھے۔حضورؑ نے فرمایا اُسے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے ۔ میں نے کہا حضور تابی تو ابھی حضور کے برابر نماز پڑھ کر چلی گئی ہے۔آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو خبر نہیں۔ وہ کب کھڑی ہوئی اور کب چلی گئی۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 122)

نماز میں عورتوں کی الگ صف

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضور نے مغرب وعشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں۔ میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا۔عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔

(ماہانہ الفرقان ستمبر،اکتوبر 1961ء صفحہ 49)

نماز میں مجبوراً عورت کو ساتھ کھڑا کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مَیں نے بارہا دیکھا کہ گھر میں نماز پڑھاتے تو حضرت ام المومنین کو اپنے دائیں جانب بطور مقتدی کے کھڑا کر لیتے حالانکہ مشہور فقہی مسئلہ یہ ہے کہ خواہ عورت اکیلی ہی مقتدی ہو تب بھی اُسے مرد کے ساتھ نہیں بلکہ الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے ۔ ہاں اکیلا مرد مقتدی ہو تو اسے امام کے ساتھ دائیں طرف کھڑا ہونا چاہئے ۔ مَیں نے حضرت ام المومنینؓ سے پوچھا تو انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت صاحب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے بعض اوقات کھڑے ہوکر چکر آجایا کرتا ہے۔اس لئے تم میرے پاس کھڑے ہوکر نماز پڑھ لیا کرو۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 636،637)

امام کا جھرًا بسم اللہ پڑھنا اور قنوت کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر طور پر امام صلوٰۃ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ہوتے تھے اور وہ بالجہر نمازوں میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے اور قنوت بھی کرتے تھے اور حضرت احمد علیہ السلام ان کی اقتداء میں ہوتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایسے مسائل میں حضرت صاحب کسی سے تعرض نہیں فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سب طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر خود آپ کا اپنا طریق وہ تھا جس کے متعلق آپ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اکثر اختیار کیا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 735)

نمازوں میں قنوت کی دعائیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جب تک مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم زندہ رہے وہ ہر فرض نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور صبح اور مغرب اور عشاء میں جہر کے ساتھ قنوت ہوتا تھا۔ قنوت میں پہلے قرآنی دعائیں پھر بعض حدیث کی دعائیں معمول ہوا کرتی تھیں۔ آخر میں درود پڑھ کر سجدہ میں چلے جاتے تھے۔ جو دُعائیں اکثر پڑھی جاتیں تھیں ان کو بیان کر دیتا ہوں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار (البقرة :202)

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ...... (ال عمران:195)

رَبَّنَا ظَلَمۡنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِيۡنَ

(الاعراف :24)

رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ أَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعۡيُنٍ وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ إِمَامًا (الفرقان :75)

رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا........(البقرة:287)

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً... (الفرقان:66)

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (الاعراف:90)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (یونس :86)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (ال عمران:9)

رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُّنَادِىْ لِلإِيْمَانِ أَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا

(ال عمران: 194)

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِالْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ بِالْاِمَامِ الْحَكَمِ الْعَادِلِ

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

خاکسار عرض کرتا ہے کہ آخری سے پہلی دعا میں دراصل مسیح موعود کی بعثت کی دعا ہے مگر بعثت کے بعد اس کے یہ معنے سمجھے جائیں گے کہ اب مسلمانوں کو آپ پر ایمان لانے کی توفیق عطا کر۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 804، 805)

مخصوص حالات میں قنوت پڑھنا

فرمایا:

’’آج کل چونکہ وبا کا زور ہے اس لئے نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہئے۔‘‘

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 115 کالم 2)

فرمایا:

قرآن شریف کا منشاء یہ ہے کہ جب عذاب سر پر آپڑے پھر توبہ عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔ اس سے بیشتر کہ عذابِ الٰہی آکر توبہ کا دروازہ بند کردے توبہ کرو۔ جبکہ دنیا کے قانون

سے اس قدر ڈر پیدا ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قانون سے نہ ڈریں۔ جب بلا سر پر آ پڑے تو پھر اس کا مزہ چکھنا ہی پڑتا ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک شخص تہجد میں اُٹھنے کی کوشش کرے اور پانچ وقت کی نمازوں میں بھی قنوت ملا دیں۔ ہر ایک قسم کی خدا کو ناراض کرنے والی باتوں سے توبہ کریں۔

(الحکم 24 جولائی 1901ء صفحہ 1، 2)

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا

حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب تحریر کرتے ہیں:

ہندوستان میں عمومًا مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ نماز کے اندر تکبیر اولیٰ کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل سوائے مسنون دعاؤں کے جو عربی زبان میں پڑھی جاتی ہیں اور کوئی دعا اپنی زبان اُردو یا فارسی یا انگریزی وغیرہ میں کرنا جائز نہیں ہے اور عمومًا لوگوں کی عادت ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد پھر ہاتھ اُٹھا کر اپنی زبان میں دُعائیں کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات اور خواہشات کا اظہار کرتے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا فرمایا: ''نماز کے اندر سجدہ یا رکوع کے بعد کھڑے ہو کر یا کسی دوسرے موقعہ پر مسنون دعا کہنے کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگنا جائز ہے کیونکہ اپنی زبان میں ہی انسان اچھی طرح اپنے جذبات اور دِلی جوش کا اظہار کرسکتا ہے۔'' کسی نے عرض کی کہ مولوی لوگ تو کہتے ہیں کہ نماز کے اندر اپنی زبان میں دعا کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ فرمایا ''اُن کی نماز تو پہلے ہی ٹوٹی ہوئی ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ دعا خواہ کسی زبان میں کی جائے۔ اِس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔'' فرمایا:

''جو لوگ نماز عربی میں جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ اس کے مطلب کو نہیں سمجھتے اور نہ انہیں کچھ ذوق اور شوق پیدا ہوتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد لمبی دعائیں کرتے ہیں۔

اُن کی مثال اُس شخص کی ہے جو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور تخت کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی عرضی پیش کی جو کسی سے لکھوا لی تھی اور بغیر سمجھنے کے طوطے کی طرح اُسے پڑھ کر سلام کر کے چلا آیا اور دربار سے باہر آ کر شاہی محل کے باہر کھڑے ہوکر پھر کہنے لگا کہ میری یہ عرض بھی ہے اور وہ عرض بھی ہے۔ اُسے چاہیے تھا کہ عین حضوری کے وقت اپنی تمام عرضیں پیش کرتا۔'' فرمایا: ''ایسے لوگوں کی مثال جو نماز میں دعا نہیں کرتے اور نماز کے خاتمہ کے بعد لمبی دعائیں کرتے ہیں۔ اُس شخص کی طرح ہے جس نے اکّے کی چوٹی کو اُلٹا کر زمین پر رکھا اور پیّے اُوپر کی طرف ہو گئے اور پھر گھوڑے کو چلایا کہ اُس اِکّے کو کھینچے۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 197، 198)

نماز میں اپنی زبان میں دعا کرنا جائز ہے

فرمایا:

یہ ضروری بات نہیں ہے کہ دعائیں عربی زبان میں کی جاویں، چونکہ اصل غرض نماز کی تضرع اور ابتہال ہے، اس لئے چاہیے کہ اپنی مادری زبان میں ہی کرے۔ انسان کو اپنی مادری زبان سے ایک خاص اُنس ہوتا ہے اور پھر وہ اس پر قادر ہوتا ہے۔ دوسری زبان سے خواہ اس میں کس قدر بھی دخل ہو اور مہارت کامل ہو، ایک قسم کی اجنبیت باقی رہتی ہے۔ اس لئے چاہیے کہ اپنی مادری زبان ہی میں دعائیں مانگے۔

(الحکم 24 دسمبر 1900ء صفحہ 2)

ایک اور موقعہ پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں۔ چاہیے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ نماز کے اندر دعائیں مانگے، کیونکہ اُس کا اثر دل پر پڑتا ہے تاکہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو۔ کلامِ الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھو اور اس کے معنی یاد رکھو اور دُعا بے شک اپنی زبان

میں مانگو۔ جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ دعا کا وقت نماز ہے۔ نماز میں بہت دعائیں مانگو۔

(الحکم 24 مئی 1901ء صفحہ 9)

نماز میں مسنون دعاؤں کے علاوہ اپنی زبان میں بھی دعا کرو

فرمایا:

نماز کے اندر اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہیے کیونکہ اپنی زبان میں دعا مانگنے سے پورا جوش پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اسی طرح عربی زبان میں پڑھنا چاہیئے اور قرآن شریف کا حصہ جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہے وہ بھی عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیئے۔ اور اس کے بعد مقررہ دعائیں اور تسبیح بھی اسی طرح عربی زبان میں پڑھنی چاہئیں۔ لیکن ان سب کا ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے اور ان کے علاوہ پھر اپنی زبان میں دعائیں مانگنی چاہئیں تا کہ حضور دل پیدا ہو جائے کیونکہ جس نماز میں حضورِ دل نہیں وہ نماز نہیں۔ آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ نماز تو ٹھونگیدار پڑھ لیتے ہیں جلدی جلدی نماز کو ادا کر لیتے ہیں جیسا کہ کوئی بیگار ہوتی ہے، پھر پیچھے سے لمبی لمبی دعائیں مانگنا شروع کرتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد پھر دُعا کی جائے۔ نادان لوگ نماز کو تو ٹیکس جانتے ہیں اور دُعا کو اس سے علیحدہ کرتے ہیں۔ نماز خود دُعا ہے۔ دین و دنیا کی تمام مشکلات کے واسطے اور ہر ایک مصیبت کے وقت انسان کو نماز کے اندر دعائیں مانگنی چاہئیں۔ نماز کے اندر ہر موقع پر دُعا کی جاسکتی ہے۔ رکوع میں بعد تسبیح۔ سجدہ میں بعد تسبیح۔ التحیات کے بعد کھڑے ہو کر۔ رکوع کے بعد بہت دعائیں کرو تا کہ مالا مال ہو جاؤ۔ چاہیے کہ دعا کے وقت آستانہ الوہیت پر رُوح پانی کی

طرح بہہ جائے۔ایسی دُعا دل کو پاک وصاف کر دیتی ہے ۔ یہ دُعا میسر آوے،تو پھر خواہ انسان چار پہر دُعا میں کھڑا رہے گناہوں کی گرفتاری سے بچنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعائیں مانگنی چاہئیں ۔ دعا ایک علاج ہے جس سے گناہ کی زہر دور ہو جاتی ہے۔بعض نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اپنی زبان میں دعا مانگنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ غلط خیال ہے۔ایسے لوگوں کی نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 202،203)

ایک اور موقعہ پر سوال ہوا کہ نماز کے بعد دُعا کرنی یہ سُنّتِ اسلام آئی ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

ہم انکار نہیں کرتے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہوگی مگر ساری نماز دعا ہی ہے اور آج کل دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز کو جلدی جلدی ادا کر کے گلے سے اُتارتے ہیں ۔ پھر دُعاؤں میں اس کے بعد اس قدر خشوع وخضوع کرتے ہیں کہ جس کی حد نہیں اور اتنی دیر تک دُعا مانگتے رہتے ہیں کہ مسافر دو مِیل تک نکل جاوے ۔بعض لوگ اس سے تنگ بھی آجاتے ہیں تو یہ بات معیوب ہے۔خشوع خضوع اصل جزو تو نماز کی ہے ۔ وہ اس میں نہیں کیا جاتا اور نہ اس میں دُعا مانگتے ہیں۔ اس طرح سے وہ لوگ نماز کو منسوخ کرتے ہیں۔انسان نماز کے اندر ہی ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دُعا مانگ سکتا ہے۔

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 114)

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کروانا چھوڑ دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک کے شروع میں حضرت مولوی عبدالکریم ؓ صاحب نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کراتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ہاتھ اُٹھا کر دعا کر لیا کرتے تھے۔لیکن بعد میں آپؑ نے نہایت نرمی کے ساتھ یہ مسئلہ سمجھا دیا

اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔اس حوالے سے حضرت پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی کی مندرجہ ذیل روایت قابلِ غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

خدا کی مہربانی سے مجھے وہ وقت یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے ہم خدام بیٹھے ہوئے تھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بھی تھے جبکہ حضور نے نماز کے اندر دعا کرنے کے متعلق تقریر فرمائی۔ جس کا مطلب میری عبارت میں یہ ہے کہ یہ رسم پڑ گئی ہے کہ نماز کے اندر دعا نہیں کرتے۔ نماز کو بطور رسم و عادت جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں اور جب سلام پھیر چکتے ہیں تو لمبی لمبی دعائیں بڑی تضرّع سے مانگتے ہیں۔ حالانکہ نماز کے اندر دعا چاہیئے۔ نماز خود دعا ہے، نماز اس لئے ہے کہ بندہ اس میں اپنے رب سے دین دنیا کے حسنات طلب کرے اس کی مثال یہ ہے کہ جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو اپنی کوئی حاجت پیش نہ کی اور جب دربار سے رخصت ہوکر باہر آئے تو درخواست کرنی شروع کردی۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پنجگانہ کی جماعت کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی اس تقریر سے پہلے برابر پانچ وقت کی جماعت کے بعد بالالتزام ہاتھ اُٹھا کر دعا کی جاتی تھی۔ امام نماز حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ، حضرت اقدسؑ، سب مقتدی نماز فرض کا سلام پھیر کر ہاتھ اُٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔ مجھے اس طریق پر سب کا مل کر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا یاد ہے۔ کیونکہ میں بھی سب کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر دعا کیا کرتا تھا۔ اس تمام تقریر میں حضرت اقدس نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں یا آئندہ ایسا نہ کیا کریں۔ لیکن حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جس وقت حضور کی یہ تقریر سُنی اس کے بعد نماز کے سلام کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنی چھوڑ دی۔ اور اس وقت سے یہی طریق جاری ہے۔

(افتخار الحق از حضرت صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی صفحہ 494، 495)

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے

مسئلہ پوچھا گیا کہ ہم لوگ عموماً بعد نماز دعا مانگتے ہیں لیکن یہاں نوافل تو خیر دعا بعد نماز نہیں مانگتے۔اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

اصل یہ ہے کہ ہم دعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے اور ہم خود بھی دعا مانگتے ہیں اور صلوٰۃ بجائے خود دعا ہی ہے۔بات یہ ہے کہ میں نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ ہندوستان میں یہ عام بدعت پھیلی ہوئی ہے کہ تعدیل ارکان پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے اور ٹھونگے دار نماز پڑھتے ہیں۔گویا وہ نماز ایک ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ایک بوجھ ہے۔اس لیے اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے،جس میں کراہت پائی جاتی ہے حالانکہ نماز ایسی شے ہے کہ جس سے ایک ذوق،اُنس اور سرور بڑھتا ہے مگر جس طرز پر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے حضور قلب نہیں ہوتا اور بے ذوقی اور بے لطفی پیدا ہوتی ہے۔میں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں بلکہ حضورِ قلب کی کوشش کریں جس سے اُن کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں کہ جس میں حضور قلب کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دعا کے لیے کرتے ہیں اور دیر تک دعا مانگتے رہتے ہیں حالانکہ نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دعا کی جاوے اور اسی لیے اُمُّ الْاَدْعِیَہ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دعا مانگی جاتی ہے۔انسان کبھی خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا جب تک کہ اقام الصلوٰۃ نہ کرے۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اس لیے فرمایا کہ نماز گری پڑتی ہے مگر جو شخص اقام الصلوٰۃ کرتے ہیں۔تو وہ اس کی روحانی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو پھر وہ دعا کی محویت میں ہو جاتے ہیں۔ نماز ایک ایسا شربت ہے کہ جو ایک بار اُسے پی لے اُسے فرصت ہی نہیں ہوتی۔اور وہ فارغ

ہی نہیں ہوسکتا۔ ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔اس سے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھتا ہے تو پھر اس کا اثر نہیں جاتا۔

مومن کو بے شک اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت دعائیں کرنی چاہئیں مگر نماز کے بعد جو دعاؤں کا طریق اس ملک میں جاری ہے وہ عجیب ہے۔بعض مساجد میں اتنی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں کہ آدھ میل کا سفر ایک آدمی کرسکتا ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو بہت نصیحت کی ہے کہ اپنی نماز کو سنوارو، یہ بھی دعا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔کوئی اثر روحانیت اور خشوع وخضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔اس کا یہی سبب ہے کہ وہ، وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے ایسی نمازوں کے لیے ویل آیا ہے۔دیکھو جس کے پاس اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو تو کیا کوڑیوں اور پیسوں کے لیے اسے اس کو پھینک دینا چاہیے۔ ہرگز نہیں۔اول اس جوہر کی حفاظت کا اہتمام کرے اور پھر پیسوں کو بھی سنبھالے۔اس لیے نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے۔

سائل: الحمد شریف بیشک دعا ہے مگر جن کو عربی کا علم نہیں ان کو تو دعا مانگنی چاہیے۔

حضرت اقدس: ہم نے اپنی جماعت کو کہا ہوا ہے کہ طوطے کی طرح مت پڑھو۔سوائے قرآن شریف کے جو رب جلیل کا کلام ہے اور سوائے ادعیہ ماثورہ کے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھیں نماز بابرکت نہ ہوگی جب تک اپنی زبان میں اپنے مطالب بیان نہ کرو۔اس لیے ہر شخص کہ جو عربی زبان نہیں جانتا ضروری ہے کہ اپنی زبان میں اپنی دعاؤں کو پیش کرے اور رکوع میں سجود میں مسنون تسبیحوں کے بعد اپنی حاجات کو عرض کرے۔ایسا ہی التحیات میں اور قیام اور جلسہ میں۔اس لیے میری جماعت کے لوگ اس تعلیم کے موافق نماز کے اندر اپنی زبان میں دعائیں کر لیتے ہیں اور ہم بھی کر لیتے ہیں، اگر چہ ہمیں تو عربی

اور پنجابی یکساں ہی ہیں مگر مادری زبان کے ساتھ انسان کو ایک ذوق ہوتا ہے۔اس لیے اپنی زبان میں نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنے مطالب اور مقاصد کو بارگاہ رب العزۃ میں عرض کرنا چاہیے۔میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ نماز کا تعہد کرو۔جس سے حضور اور ذوق پیدا ہو۔فریضہ تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔باقی نوافل اور سنن کو جیسا چاہو طول دو اور چاہیے کہ اس میں گریہ و بکا ہو تا کہ وہ حالت پیدا ہو جاوے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔نماز ایسی شے ہے کہ سیّئات کو دور کر دیتی ہے۔جیسے فرمایا اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ(ھود :115) نماز کل بدیوں کو دور کر دیتی ہے۔حسنات سے مراد نماز ہے مگر آج کل یہ حالت ہو رہی ہے کہ عام طور پر نمازی کو مکار سمجھا جاتا ہے کیونکہ عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں۔یہ اسی قسم کی ہے جس پر خدا نے واویلا کیا ہے کیونکہ اس کا کوئی نیک اثر اور نیک نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔نرے الفاظ کی بحث میں پسند نہیں کرتا۔آخر مر کر خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔دیکھو ایک مریض جو طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے۔اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا علاج میں کوئی غلطی ہے۔پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے مگر یہاں تو پچاس پچاس برس تک نماز پڑھنے والے دیکھے گئے ہیں کہ بدستور رو بہ دنیا اور سفلی زندگی میں نگونسار ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں اور استغفار کیا چیز ہے۔اس کے معنوں پر بھی انہیں اطلاع نہیں ہے۔طبیعتیں دو قسم کی ہیں۔ایک وہ جو عادت پسند ہوتی ہیں جیسے اگر ہندو کا کسی مسلمان کے ساتھ کپڑا بھی چھو جاوے تو وہ اپنا کھانا پھینک دیتا ہے حالانکہ اس کھانے میں مسلمان کا کوئی اثر سرایت نہیں کر گیا۔زیادہ تر اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال

ہو رہا ہے کہ عادت اور رسم کے پابند ہیں اور حقیقت سے واقف اور آشنا نہیں ہیں۔ جو شخص دل میں یہ خیال کرے کہ یہ بدعت ہے کہ نماز کے پیچھے دعا نہیں مانگتے بلکہ نمازوں میں دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بدعت نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعیہ عربی میں سکھائی تھیں جو اُن لوگوں کی اپنی مادری زبان تھی اسی لیے ان کی ترقیات جلدی ہوئیں۔ لیکن جب دوسرے ممالک میں اسلام پھیلا تو وہ ترقی نہ رہی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اعمال رسم وعادت کے طور پر رہ گئے۔ ان کے نیچے جو حقیقت اور مغز تھا وہ نکل گیا۔ اب دیکھ لو مثلاً ایک افغان نماز تو پڑھتا ہے، لیکن وہ اثر نماز سے بالکل بے خبر ہے۔ یاد رکھو رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز صلوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی قریب ذریعہ نہیں۔ یہ قرب کی کنجی ہے۔ اسی سے کشوف ہوتے ہیں۔ اسی سے الہامات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی اس کو اچھی طرح سے سمجھ کر ادا نہیں کرتا تو وہ رسم اور عادت کا پابند ہے اور اس سے پیار کرتا ہے۔ جیسے ہندو گنگا سے پیار کرتے ہیں۔ ہم دعاؤں سے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا تو سب سے بڑھ کر دعاؤں کی قبولیت پر ایمان ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (المؤمن :61) فرمایا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نماز کے بعد دعا کرنا فرض نہیں ٹھہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی التزامی طور پر مسنون نہیں ہے۔ آپ سے التزام ثابت نہیں ہے۔ اگر التزام ہوتا اور پھر کوئی ترک کرتا تو یہ معصیت ہوتی۔ تقاضائے وقت پر آپ نے خارج نماز میں بھی دعا کر لی اور ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ آپؐ کا سارا ہی وقت دعاؤں میں گزرتا تھا۔ لیکن نماز خاص خزینہ دعاؤں کا ہے جو مومن کو دیا گیا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ جب تک اس کو درست نہ کرلے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ جب نفل سے فرض جاتا رہے تو فرض کو مقدم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ذوق

اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر خارج نماز میں بے شک دعائیں کرے ہم منع نہیں کرتے۔ہم تقدیم نماز کی چاہتے ہیں اور یہی ہماری غرض ہے۔مگر لوگ آج کل نماز کی قدر نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے بہت بعد ہو گیا مومن کے لیے نماز معراج ہے اور وہ اس سے ہی اطمینان قلب پاتا ہے، کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنی عبودیت کا اقرار، استغفار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود غرض وہ سب امور جو روحانی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔موجود ہیں۔ہمارے دل میں اس کے متعلق بہت سی باتیں ہیں جن کو الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔بعض سمجھ لیتے ہیں اور بعض رہ جاتے ہیں مگر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تھکتے نہیں۔کہتے جاتے ہیں۔جو سعید ہوتے ہیں اور جن کو فراست دی گئی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں۔ (الحکم 24/اکتوبر 1902ء صفحہ 11، 12)

عربی کی بجائے کسی اور زبان میں نماز پڑھنا درست نہیں

سوال: ایک شخص نے رسالہ لکھا تھا کہ ساری نماز اپنی ہی زبان میں پڑھنی چاہیے۔

جواب از حضرت اقدسؑ: وہ اور طریق ہوگا، جس سے ہم متفق نہیں۔قرآن شریف بابرکت کتاب ہے اور رب جلیل کا کلام ہے۔اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ہم نے تو ان لوگوں کے لیے دعاؤں کے واسطے کہا ہے، جو اُمی ہیں اور پورے طور پر اپنے مقاصد عرض نہیں کر سکتے ان کو چاہیے۔کہ اپنی زبان میں دعا کر لیں۔ان لوگوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ فتح محمد ایک شخص تھا۔اس کی چچی بہت بڈھی ہو گئی تھی۔اس نے کلمہ کے معنے پوچھے تو اس کو کیا معلوم تھا کہ کیا ہیں۔اس نے بتائے تو اس عورت نے پوچھا کہ محمدؐ مرد تھا یا عورت تھی۔جب اس کو بتایا گیا کہ وہ مرد تھا، تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی کہ پھر کیا میں اتنی عمر تک بیگانے مرد ہی کا نام لیتی رہی؟ یہ حالت مسلمانوں کی ہو گئی ہے۔

(الحکم 24/اکتوبر 1902ء صفحہ 12)

نمازیں جمع کرنا

مسیح موعود کے لئے نمازیں جمع کی جائیں گی

فرمایا:۔

ہزار شکر کا مقام ہے کہ اس موقعہ پر (ستر دنوں میں تفسیر سورۃ فاتحہ لکھنے کے موقع پر۔ ناقل) ایک پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پوری ہوئی اور وہ یہ ہے کہ اس ستر دن کے عرصہ میں کچھ بباعث امراض لاحقہ اور کچھ بباعث اس کے بوجہ بیماری بہت سے دن تفسیر لکھنے سے سخت معذوری رہی اُن نمازوں کو جو جمع ہوسکتی ہیں جمع کرنا پڑا اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو درمنثور اور فتح باری اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ کتب میں ہے کہ **تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ** یعنی مسیح موعود کے لئے نماز جمع کی جائے گی۔ اب ہمارے مخالف علماء یہ بھی بتلاویں کہ کیا وہ اس بات کو مانتے ہیں یا نہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوکر مسیح موعود کی وہ علامت بھی ظہور میں آ گئی اور اگر نہیں مانتے تو کوئی نظیر پیش کریں کہ کسی نے مسیح موعود کا دعویٰ کر کے دو ماہ تک نمازیں جمع کی ہوں یا بغیر دعویٰ ہی نظیر پیش کرو۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 497)

بیماری کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا

نوٹ از ایڈیٹر تشحیذ:۔ چونکہ کچھ مدت سے حضرت کی طبیعت دن کے دوسرے حصہ میں اکثر خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے نماز مغرب اور عشاء گھر میں باجماعت پڑھ لیتے ہیں۔ باہر تشریف نہیں لا سکتے۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد چند عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو سننے کے قابل ہے۔

فرمایا:۔

کوئی یہ نہ دل میں گمان کر لے کہ یہ روز گھر میں جمع کر کے نماز پڑھا دیتے ہیں اور باہر

نہیں جاتے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ آنے والا شخص نماز جمع کیا کرے گا۔ سو چھ مہینہ تک تو باہر جمع کرواتا رہا ہوں۔ اب میں نے کہا کہ عورتوں میں بھی اس پیشگوئی کو پورا کر دینا چاہئے چونکہ بغیر ضرورت کے نماز جمع کرنا ناجائز ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بیمار کر دیا اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرے۔ کیونکہ وہ پورا نہ ہوتو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو وہ بات جو اس کے اختیار میں ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق پوری کر دینی چاہئے اور خدا تعالیٰ خود بھی سامان مہیا کر دیتا ہے جیسا کہ مجھ کو بیمار کر دیا تا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کر دے۔ جیسا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کسریٰ کا ملک فتح ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو سونے کے کڑے جو لُوٹ میں آئے تھے پہنائے۔ حالانکہ سونے کے کڑے یا کوئی اور چیز سونے کی مردوں کے لئے ایسی ہی حرام ہے جیسا کہ اور حرام چیزیں۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات نکلی تھی اس لئے پوری کی گئی۔ اسی طرح ہر ایک دوسرے انسان کو بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (بدر 7 جون 1906ء صفحہ 5)

جمع بین الصلوٰتین مہدی کی علامت ہے

سب صاحبوں کو معلوم ہوا ایک مدت سے خدا جانے قریباً چھ ماہ سے یا کم وبیش عرصہ سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کی جاتی ہے۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ ایک عرصہ سے جو مسلسل نماز جمع کی جاتی ہے ایک نو وارد یا نو مرید کو جس کو ہمارے اغراض و مقاصد کی کوئی خبر نہیں ہے یہ شبہ

گزرتا ہوگا کہ کاہلی کے سبب سے نماز جمع کر لیتے ہوں گے، جیسے بعض غیر مقلد ذرا ابر ہو یا کسی عدالت میں جانا ہوا تو نماز جمع کر لیتے ہیں اور بلا مطر اور بلا عذر بھی نماز جمع کرنا جائز سمجھتے ہیں مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم کو اس جھگڑے کی ضرورت اور حاجت نہیں نہ ہم اس میں پڑنا چاہتے ہیں کیونکہ میں طبعاً اور فطرتاً اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اور نماز موقوتہ کے مسئلے کو نہایت عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اگرچہ شیعوں اور غیر مقلدوں نے اس پر بڑے بڑے مباحثے کئے ہیں مگر ہم کو ان سے کوئی غرض نہیں صرف نفس کی کاہلی سے کام لیتے ہیں سہل حدیثوں کو اپنے مفید مطلب پا کر ان سے کام لیتے ہیں اور مشکل کو موضوع اور مجروح ٹھہراتے ہیں ہمارا یہ مدعا نہیں بلکہ ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہ رہا ہے کہ جو قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو وہ اگر ضعیف بھی ہو تو تب بھی اس پر عمل کر لینا چاہیے۔

اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تفہیم القا اور الہام کے بدوں نہیں کرتا بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ میں ظاہر نہیں کرتا مگر اکثر ظاہر ہوتے ہیں جہاں تک خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس جمع صلوٰتین کے متعلق ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے **تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ** کی بھی عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اب پوری ہو رہی ہے میرا یہ بھی مذہب ہے کہ اگر کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق تو گو علماء ظواہر اور محدثین اس کو موضوع یا مجروح ہی ٹھہرا دیں گے مگر میں اس کے مقابل اور معارض کی حدیث کو موضوع کہوں گا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے اس کی صحت مجھ پر ظاہر کر دی ہے جیسے **لَا مَهْدِی اِلَّا عِیْسٰی** والی حدیث ہے محدثین اس پر کلام کرتے ہیں مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور میرا یہ مذہب میرا ہی ایجاد کردہ مذہب نہیں بلکہ خود یہ مسلّم مسئلہ

ہے کہ اہل کشف یا اہل الہام لوگ محدثین کی تنقید حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے۔خود مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ میں اس مضمون پر بڑی بحث کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ ماموراور اہل کشف محدثین کی تنقید کے پابند نہیں ہوتے ہیں۔تو جب یہ حالت ہے پھر میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کرتا ہوں خدا تعالیٰ کے القاء اوراشارہ سے کرتا ہوں۔ یہ پیشگوئی جواس حدیث **تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوۃُ** میں کی گئی ہے یہ مسیح موعودؑاور مہدی کی ایک علامت ہے۔یعنی وہ ایسی دینی خدمات اور کاموں میں مصروف ہوگا کہ اس کے لئے نماز جمع کی جائے گی۔اب یہ علامت جبکہ پوری ہوگئی ہے اور ایسے واقعات پیش آ گئے پھراس کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے نہ کہ استہزاء اور انکار کے رنگ میں۔

(الحکم 24 نومبر 1902ء صفحہ 1-2)

مسیح موعودؑ کی خاطر نمازیں جمع کئے جانے کی پیشگوئی

جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے۔ویسا ہی اُس کی رُخصتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں اور رخصت بھی خدا کی طرف سے۔

دیکھو ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ بہ سبب بیماری کے اور تفسیر سورۂ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہورہا ہے اوران نمازوں کے جمع کرنے میں **تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوۃُ** کی حدیث بھی پوری ہورہی ہے کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا، بلکہ کوئی اور ہوگا اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔سواب ایسا ہی ہوتا ہے جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں آ سکتے۔اس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں اوراس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے کہ اُس کی خاطر

ایسا ہوگا۔ چاہیے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عزت و تحریم کریں اور ان سے بے پرواہ نہ ہوویں ورنہ یہ ایک گناہِ کبیرہ ہوگا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو خِفّت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کر دیئے کہ اتنے عرصے سے نمازیں جمع ہو رہی ہیں ورنہ ایک دو دن کے لئے یہ بات ہوتی تو کوئی نشان نہ ہوتا۔ ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں۔

(الحکم 17 فروری 1901ء صفحہ 13، 14)

جمع بین الصلوٰتین کی رخصت سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے

فرمایا:

یہ عاجز صرف چند روز تک مسافرانہ طور پر علیگڑھ میں ٹھہرا تھا اور جو کچھ مسافروں کے لئے شریعت اسلام نے رخصتیں عطا کی ہیں اور اُن سے دائمی طور پر انحراف کرنا ایک الحاد کا طریق قرار دیا ہے ان سب امور کی رعایت میرے لئے ایک ضروری امر تھا سو میں نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا اور میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ میں نے اُس چند روزہ اقامت کی حالت میں بعض دفعہ مسنون طور پر دو نمازوں کو جمع کر لیا ہے اور کبھی ظہر کے اخیر وقت پر ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو اکٹھی کر کے پڑھا ہے مگر حضرات مؤحدین تو کبھی کبھی گھر میں بھی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے ہیں اور بِلَا سَفَرٍ وَمَطَرٍ پر عمل درآمد رہتا ہے۔ میں اس سے بھی انکار نہیں کرسکتا کہ میں نے اِن چند دنوں میں مسجدوں میں حاضر ہونے کا بکلّی التزام نہیں کیا مگر باوجود اپنی علالت طبع اور سفر کی حالت کے بکلی ترک بھی نہیں کیا۔ (فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 25 حاشیہ)

تُجمَعُ لَهُ الصَّلٰوة کے نشان کا ظہور

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں ایک دفعہ

قادیان میں زیادہ عرصہ تک نمازیں جمع ہوتی رہیں۔ مولوی محمد احسن صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کو خط لکھا کہ بہت دن نمازیں جمع کرتے ہوگئے ہیں۔ لوگ اعتراض کریں گے تو ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔ حضرت مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اُسی سے پوچھو (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے) مولوی انوار حسین صاحب شاہ آبادی اس خط و کتابت میں قاصد تھے۔ اُن سے مجھے اس کا حال معلوم ہوا۔ تو میں نے حضرت صاحب سے جا کر عرض کردی۔ اس وقت تو حضور نے کچھ نہ فرمایا لیکن بعد عصر جب حضور معمولاً مسجد کی چھت پر تشریف فرماتے تھے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ ایسے اعتراض دل میں کیوں اُٹھتے ہیں۔ کیا حدیثوں میں نہیں آیا کہ وہ نماز جمع کرے گا۔ ویسے تو نماز جمع کا حکم عام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں میں اس قدر منہمک ہوگا کہ اس کو نمازیں جمع کرنی پڑیں گی۔ اس وقت سید محمد احسن صاحب زار زار رو رہے تھے اور توبہ کر رہے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 119)

جمع صلوٰتین میں افراط اور تفریط دونوں سے بچنا چاہئے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میں نے جب لدھیانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تو میں نے اُس خلوت کو غنیمت جان کر حضور سے استفسار کیا کہ خاکسار نقش بندیہ طریق میں بیعت ہونے سے قبل فرقہ اہل حدیث جس کو عام لوگ وہابی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، میں بھی شامل رہا ہے۔ اُس وقت سے نمازوں کو جمع کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے۔

حضور نے فرمایا کہ جمع صلاتین کے بارہ میں میرے نزدیک مخالف و موافق ہر دو فریق نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک طرف اس پر عاملین کا تو یہ حال ہے کہ بلا عذر شرعی یا

جائز ضرورت کے نمازیں جمع کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حقہ ذرا اچھا چل رہا ہے۔ یا تاش وغیرہ کھیل رہے ہیں۔ اذان ہوئی تو ان کو چھوڑ کر کون جائے۔ جھٹ نماز جمع کرنے کی ٹھان لیتے ہیں چاہے دوسری نماز بھی ادا ہو جائے یا دونوں ضائع ہو جائیں۔ فرمایا: یہ بہت بُری بات ہے۔ نماز جیسے ضروری فرض میں کوتاہی اور غفلت ایمان کی کمزوری پر دال ہے اور دوسری طرف حنفی صاحبان کا یہ حال ہے کہ کیسی ہی ضرورت اور عذر جائز ہو نماز قضاء تو کر دیں گے مگر اہلِ حدیث کی ضد اور مخالفت میں جمع نہ کریں گے۔ فرمایا کہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ حج کے موقعہ پر ایک نماز ہر حاجی کو ٹھیک ادائے رسوم حج کے وقت لازمی طور پر جمع کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ فعل ایسا ہی ممنوع ہوتا۔ جیسا آپ لوگوں کے عمل سے ہویدا ہے تو ایسے مقدس مقام پر اس کی اجازت کیسے ہوتی۔ دراصل ضرورت اور عدم ضرورت کا سوال ہے اور یہی اس بارہ میں معیار ہے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 87)

کس قدر مسافت پر نماز جمع کی جائے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ سے کپورتھلہ تشریف لائے تو صرف ایک دن قیام فرما کر قادیان کو تشریف لے گئے۔ ہم کرتارپور کے اسٹیشن پر پہنچانے گئے۔ یعنی منشی اروڑا صاحب، محمد خاں صاحب اور میں۔ اگر کوئی اور بھی ساتھ کرتارپور گیا ہو تو مجھے یاد نہیں۔ کرتارپور کے اسٹیشن پر ہم نے حضرت صاحب کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز جمع کی۔ نماز کے بعد میں نے عرض کی کہ کس قدر مسافت پر نماز جمع کر سکتے ہیں اور قصر کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا انسان کی حالت کے اوپر یہ بات ہے۔ ایک شخص ناطاقت اور ضعیف العمر ہو تو وہ پانچ چھ میل پر بھی قصر کر سکتا ہے اور مثال دی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزدلفہ میں نماز قصر کی۔ حالانکہ وہ مکہ شریف

سے قریب جگہ ہے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 34، 35)

سخت تنگی کے وقت نمازیں جمع کرنا

ایک صاحب نے ذکر کیا کہ ان کا ایک افسر سخت مزاج تھا روانگی نماز میں اکثر چیں بجبیں ہوا کرتا تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے ضرورتوں کے وقت جمع صلوٰتین رکھا ہے ظہر اور عصر کی نمازیں ایسی حالت میں جمع کر کے پڑھ لیں۔ (البدر 9 جنوری 1903ء صفحہ 82)

غزوۂ خندق کے موقع پر کتنی نمازیں جمع کی گئیں؟

مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

آپ کا یہ شیطانی وسوسہ کہ خندق کھودتے وقت چاروں نمازیں قضا کی گئیں۔ اوّل آپ لوگوں کی علمیت تو یہ ہے کہ قضا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اے نادان! قضا نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ ترک نماز کا نام قضا ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی نماز ترک ہو جاوے تو اس کا نام فوت ہے۔ اسی لئے ہم نے پانچ ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا کہ ایسے بیوقوف بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جن کو ابھی قضا کے معنی بھی معلوم نہیں۔ جو شخص لفظوں کو بھی اپنے محل پر استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ نادان کب یہ لیاقت رکھتا ہے کہ امور دقیقہ پر نکتہ چینی کر سکے۔ باقی رہا یہ کہ خندق کھودنے کے وقت چار نمازیں جمع کی گئیں۔ اس احمقانہ وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں حرج نہیں ہے یعنی ایسی سختی نہیں جو انسان کی تباہی کا موجب ہو۔ اس لئے اس نے ضرورتوں کے وقت اور بلاؤں کی حالت میں نمازوں کے جمع کرنے اور قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر اس مقام میں ہماری کسی معتبر حدیث میں چار (نمازیں) جمع کرنے کا ذکر نہیں بلکہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ واقعہ صرف یہ ہوا تھا کہ ایک نماز یعنی صلوٰۃ العصر معمول سے تنگ وقت

میں ادا کی گئی۔ اگر آپ اس وقت ہمارے سامنے ہوتے تو ہم ذرا آپ کو بٹھا کر پوچھتے کہ کیا یہ متفق علیہ روایت ہے کہ چار نمازیں فوت ہوگئی تھیں۔ **چار نمازیں تو خود شرع کے رو سے جمع ہو سکتی ہیں** یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء۔ ہاں ایک روایت ضعیف میں ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھی گئیں تھیں لیکن دوسری **صحیح حدیثیں** اس کو ردّ کرتی ہیں اور صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ **عصر تنگ وقت میں پڑھی گئی تھی**۔

(نورالقرآن۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 389، 390)

نماز استخارہ

استخارہ کی اہمیت

فرمایا:

آج کل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سنت کو ترک کر دیا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرمالیا کرتے تھے۔سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ تھا۔ چونکہ دہریت کی ہوا پھیلی ہوئی ہے اس لیے لوگ اپنے علم وفضل پر نازاں ہوکر کوئی کام شروع کر لیتے ہیں اور پھر نہاں درنہاں اسباب سے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا نقصان اُٹھاتے ہیں۔اصل میں یہ استخارہ ان بدرسومات کے عوض میں رائج کیا گیا تھا جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتدا سے پہلے کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان اُسے بھول گئے حالانکہ استخارہ سے ایک عقل سلیم عطا ہوتی ہے۔ جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔بعض لوگ کوئی کام خود ہی اپنی رائے سے شروع کر بیٹھتے ہیں اور پھر درمیان میں آکر ہم سے صلاح پوچھتے ہیں۔ہم کہتے ہیں جس علم وعقل سے پہلے شروع کیا تھا اسی سے نبھائیں۔اخیر میں مشورے کی کیا ضرورت؟

(بدر 13 جون 1907ء صفحہ 3)

سفر سے پہلے استخارہ کا طریق

حضرت اقدسؑ نے ایک مہمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

آپ استخارہ کر لیویں۔استخارہ اہل اسلام میں بجائے مہورت کے ہے چونکہ ہندو شرک وغیرہ کے مرتکب ہوکر شگن وغیرہ کرتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے ان کو منع کر کے استخارہ رکھا۔اس کا طریق یہ ہے کہ انسان دو رکعت نماز نفل پڑھے۔اول رکعت میں سورۃ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لے اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ۔ التحیات میں یہ دعا کرے۔

یا الٰہی! میں تیرے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت مانگتا ہوں کیونکہ تجھ ہی کو سب قدرت ہے مجھے کوئی قدرت نہیں اور تجھے سب علم ہے مجھے کوئی علم نہیں اور تو ہی چھپی باتوں کو جاننے والا ہے۔ الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے حق میں بہتر ہے بلحاظ دین اور دنیا کے، تو تُو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے آسان کر دے اور اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے دین اور دنیا میں شر ہے تو مجھ کو اس سے باز رکھ۔

اگر وہ امر اس کے لئے بہتر ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے دل کو کھول دے گا ورنہ طبیعت میں قبض ہو جائے گی۔ دل بھی عجیب شے ہے جیسے ہاتھوں پر انسان کا تصرف ہوتا ہے کہ جب چاہے حرکت دے۔ دل اس طرح اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس پہ اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ ایک وقت میں ایک بات کی خواہش کرتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے نہیں چاہتا۔ یہ ہوائیں اندر سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلتی ہیں۔

(البدر 2 جنوری 1903ء صفحہ 78)

ہر اہم کام سے پہلے استخارہ کرنا

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ روایت کرتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریق عمل تھا۔ کہ ہر ایک اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے ضرور دعا کیا کرتے تھے اور دعا بطریق مسنون دعائے استخارہ ہوتی تھی۔ استخارہ کے معنی ہیں خدا تعالیٰ سے طلب خیر کرنا۔ استخارہ کے نتیجے میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کوئی خواب آ جائے جیسا کہ آج کل کے بعض صوفی استخارہ کرتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ سے خیر طلب کرتے ہیں یہ طریق مسنون نہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے خیر حاصل ہو اور دعائے استخارہ سے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ جو کام ہمارے لئے بہتری اور بھلائی کا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ بغیر دقتوں کے حاصل ہو جاتا ہے اور قلب

میں اس کے متعلق انشراح اورانبساط پیدا ہو جاتا ہے۔

عمومًا استخارہ رات کے وقت بعد نماز عشاء کیا جاتا ہے۔ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر التحیات میں درود شریف اور دیگر مسنون دعاؤں کے بعد دعائے استخارہ پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد فورًا سو رہنا چاہئے اور باتوں میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہوتا لیکن حسبِ ضرورت دوسرے وقت بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 508-509)

نمازعصر میں استخارہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دورانِ ایام مقدمہ کرم دین میں ایک صاحب ابوسعید نامی کو جو ابوسعید عرب کے نام سے مشہور تھے۔ لاہور سے بعض اخباروں کے پرچے لانے کے واسطے بھیجا گیا۔ انہیں کہا گیا کہ آپ سفر سے قبل استخارہ کرلیں۔ اس وقت نماز عصر ہونے والی تھی اور بیت مبارک میں احباب جمع تھے۔ وہاں ہی ان کے سفر کے متعلق تجویز قرار پائی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوسعید صاحب سے فرمایا کہ آپ نماز عصر میں ہی استخارہ کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور پھر لاہور چلے گئے اور جس مقصد کے واسطے بھیجے گئے۔ اس میں کامیاب ہوکر واپس آئے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 509)

استخارہ میں کونسی سورتیں پڑھیں

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک شخص کو اِستخارہ کا یہ طریق بھی بتلایا کہ پہلی رکعت میں سورۃ **قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ** پڑھیں۔ دوسری رکعت میں **قُلْ ھُوَ اللّٰہُ** اور **اَلتَّحِیَّات** میں اپنے مطلب کے واسطے دعا کریں۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 231)

حضرت مسیح موعودؑ کا طریق استخارہ

حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کے نام مکتوب میں حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر کیا:

''امید کہ بعد تین دن کے استخارہ مسنونہ جو سفر کے لئے ضروری ہے، اس طرف کا قصد فرماویں۔ بغیر استخارہ کے کوئی سفر جائز نہیں۔ ہمارا اس میں طریق یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ پہلی رکعت میں سورۃ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھیں یعنی الحمد تمام پڑھنے کے بعد ملا لیں جیسا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ ملایا کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورۃ اخلاص یعنی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ملا لیں اور پھر التحیات میں آخر میں اپنے سفر کے لئے دعا کریں کہ یا الٰہی! میں تجھ سے کہ تو صاحب فضل اور خیر اور قدرت ہے، اس سفر کے لئے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو عواقب الامور کو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہر ایک امر پر قادر ہے اور میں قادر نہیں۔ سو یا الٰہی! اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ یہ سفر سراسر میرے لئے مبارک ہے، میری دنیا کے لئے میرے دین کیلئے اور میرے انجام امر کیلئے اور اس میں کوئی شر نہیں تو یہ سفر میرے لئے میسر کر دے اور پھر اس میں برکت ڈال دے اور ہر ایک شر سے بچا۔ اور اگر تُو جانتا ہے کہ یہ سفر میرا میری دنیا یا میرے دین کے لئے مضر ہے اور اس میں کوئی مکروہ امر ہے تو اس سے میرے دل کو پھیر دے اور اس سے مجھ کو پھیر دے آمین۔ یہ دعا ہے جو کی جاتی ہے۔ تین دن کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تا بار بار کرنے سے اخلاص میسر آوے۔ آج کل اکثر لوگ استخارہ سے لاپرواہ ہیں حالانکہ وہ ایسا ہی سکھایا گیا ہے جیسا کہ نماز سکھائی گئی ہے۔ سو یہ اس عاجز کا طریق ہے کہ اگرچہ دس کوس کا سفر ہو تب بھی استخارہ کیا جاوے۔ سفروں میں ہزاروں بلاؤں کا احتمال ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ استخارہ کے بعد متولّی اور متکفّل ہو جاتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے نگہبان رہتے ہیں جب تک اپنی منزل

تک نہ پہنچے۔اگرچہ یہ دعا تمام عربی میں موجود ہے لیکن اگر یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں کافی ہے اور سفر کا نام لے لینا چاہئے کہ فلاں جگہ کے لئے سفر ہے۔''

(مکتوباتِ احمد جلد دوم صفحہ 349-350)

استخارہ کا ایک آسان طریق

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مرزا دین محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب کے پاس میری آمدورفت اچھی طرح ہوگئی اور مَیں آپ سے پڑھنے بھی لگ گیا۔تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ ہر دو گھروں میں یعنی بخانہ مرزا غلام مرتضےٰ صاحب اور بخانہ مرزا غلام محی الدین صاحب کہہ دیا کرو کہ سب لوگ ہر روز سوتے وقت استخارہ کر کے سویا کریں اور جو خواب آئے وہ صبح ان سے پوچھ لیا کرو اور مجھ سے بھی استخارہ کراتے تھے۔استخارہ یہ سکھایا تھا کہ سوتے ہوئے''یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ'' پڑھا کرو اور پڑھتے پڑھتے سو جایا کرو اور درمیان میں بات نہ کیا کرو۔مَیں صبح سب گھر والوں میں پھر کر خوابیں پوچھتا تھا اور حضرت صاحب کو آکر اطلاع دیتا تھا۔پھر حضرت صاحب سب کی تعبیر بتاتے اور مَیں سب کو جا کر اطلاع دیتا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مرزا غلام مرتضےٰ صاحب اور مرزا غلام محی الدین صاحب حقیقی بھائی تھے۔مرزا غلام مرتضےٰ صاحب حضرت صاحب کے والد تھے اور مرزا غلام محی الدین صاحب چچا تھے۔اس زمانہ میں بس انہی دو گھروں میں سارا خاندان تقسیم شدہ تھا۔اب مرزا غلام محی الدین صاحب کی اولاد میں سے صرف مرزا گل محمد ہیں۔نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ استخارہ کی اصل مسنون دُعا تو لمبی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا دین محمد صاحب کی سہولت کے لئے آپ نے انہیں یہ مختصر الفاظ سکھا دیئے ہوں گے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 628،629)

کھلے نشانات کو دیکھ کر استخارہ کرنا جائز نہیں

ایک شخص کا خط آیا کہ میں آپ کے متعلق استخارہ کرنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ حق پر ہیں یا نہیں؟ فرمایا:

ایک وقت تھا کہ ہم نے خود اپنی کتاب میں استخارہ لکھا تھا کہ لوگ اس طرح سے کریں۔تو خدا تعالیٰ ان پر حق کو کھول دے گا۔مگر اب استخاروں کی کیا ضرورت ہے جب کہ نشانات الٰہی بارش کی طرح برس رہے ہیں اور ہزاروں کرامات اور معجزات ظاہر ہو چکے ہیں۔کیا ایسے وقت میں استخاروں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ کھلے نشانات کو دیکھ کر پھر استخارہ کرنا خدا تعالیٰ کے حضور میں گستاخی ہے۔کیا اب جائز ہے کہ کوئی شخص استخارہ کرے کہ اسلام کا مذہب سچا ہے یا جھوٹا اور استخارہ کرے کہ آنحضرت ﷺ خدا کی طرف سے سچے نبی تھے یا نہیں تھے۔ اس قدر نشانات کے بعد استخاروں کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں۔

(بدر 2 مئی 1907ء صفحہ 2)

نماز استسقاء

سخت گرمی پڑنے اور برسات کے نہ ہونے کا ذکر تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

ایسے موقع پر نماز استسقاء کا پڑھنا سنت ہے۔ میں جماعت کے ساتھ بھی سنت ادا کروں گا مگر میرا ارادہ ہے کہ باہر جا کر علیحدگی میں نماز پڑھوں اور دعا کروں۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے اور دعا مانگنے کا جو لطف ہے وہ لوگوں میں بیٹھ کر نہیں ہے۔

(بدر 10 اگست 1905ء صفحہ 2)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ نماز استسقاء ہوئی تھی جس میں حضرت صاحب بھی شامل ہوئے تھے اور شاید مولوی محمد احسن صاحب مرحوم امام ہوئے تھے۔ لوگ اس نماز میں بہت روئے تھے مگر حضرت صاحب میں چونکہ ضبط کمال کا تھا اس لئے آپ کو میں نے روتے نہیں دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد بہت جلد بادل آ کر بارش ہوگئی تھی بلکہ شاید اسی دن بارش ہوگئی تھی۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 393)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب اس موقع کے بارہ میں ایک روایت تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ نماز استسقاء ہوئی تھی۔ یہ نماز اس بڑ کے درخت کے نیچے ہوئی تھی جہاں گزشتہ سالوں میں جلسہ گاہ مستورات تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس بڑ کے نیچے اور اس کے ساتھ والے میدان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کئی دفعہ عید بھی ہوئی تھی اور جنازے بھی اکثر یہیں ہوا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 622، 623)

نمازکسوف

حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب اپنے بھائی کے ساتھ رمضان میں چاند گرہن لگنے کے بعد اس شوق میں قادیان آئے کہ سورج گرہن کا عظیم نشان حضرت اقدسؑ کے ساتھ دیکھیں اور نمازِ کسوف ادا کریں۔ اس حوالے سے وہ ذکر کرتے ہیں کہ

صبح حضرت اقدسؑ کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی جو کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے مسجد مبارک کی چھت پر پڑھائی اور قریباً تین گھنٹہ یہ نماز وغیرہ جاری رہی۔ کئی دوستوں نے شیشے پر سیاہی لگائی ہوئی تھی جس میں سے وہ گرہن دیکھنے میں مشغول تھے ابھی خفیف سی سیاہی شیشے پر شروع ہوئی تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کو کسی نے کہا کہ سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ آپؑ نے اس شیشہ میں سے دیکھا تو نہایت ہی خفیف سی سیاہی معلوم ہوئی۔ حضور نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ گرہن کو ہم نے تو دیکھ لیا مگر یہ ایسا خفیف ہے کہ عوام کی نظر سے اوجھل رہ جائے گا اور اس طرح ایک عظیم الشان پیشگوئی کا نشان مشتبہ ہو جائے گا۔ حضور نے کئی بار اس کا ذکر کیا تھوڑی دیر بعد سیاہی بڑھنی شروع ہوئی حتّٰی کہ آفتاب کا زیادہ حصہ تاریک ہو گیا۔ تب حضور نے فرمایا کہ ہم نے آج خواب میں پیاز دیکھا تھا اس کی تعبیر غم ہوتی ہے۔ سو شروع میں سیاہی کے خفیف رہنے سے ظہور میں آیا۔ (اصحابِ احمد جلد 1 صفحہ 93، 94۔ نیا ایڈیشن)

قصرِ نماز

سفر کی تعریف

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ مجھے دس پندرہ کوس تک ادھر اُدھر جانا پڑتا ہے۔ مَیں کس کو سفر سمجھوں اور نمازوں میں قصر کے متعلق کس بات پر عمل کروں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اُوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں، خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو۔ اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بعض دفعہ ہم دو دو تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، مگر کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں لیکن جب انسان اپنی گٹھری اُٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بنا دقت پر نہیں ہے۔ جس کو تم عرف میں سفر سمجھو، وہی سفر ہے۔

(الحکم 17؍فروری 1901ء صفحہ 13)

سفر کی حد کیا ہے؟

سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟

فرمایا:۔

ہاں، دیکھو اپنی نیّت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ہر روز معمولی کاروبار یا سفر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیّت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عُرف میں وہ سفر کہلاتا ہو۔ دیکھو۔ یوں تو ہم ہر روز سیر کے لئے دو دو میل نِکل جاتے ہیں مگر یہ سفر نہیں۔ ایسے موقعہ پر دل کے اطمینان کو دیکھ لینا چاہئے کہ اگر وہ بغیر کسی خلجان کے

فتویٰ دے کہ یہ سفر ہے تو قصر کرے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ (اپنے دل سے فتویٰ لو۔) پر عمل چاہئے۔ ہزار فتویٰ ہو پھر بھی مومن کا نیک نیتی سے قلبی اطمینان عمدہ شے ہے۔

عرض کیا گیا کہ انسانوں کے حالات مختلف ہیں۔ بعض نو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے۔ بعض کے لئے تین چار کوس بھی سفر ہے۔ فرمایا:۔

شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا۔ صحابۂ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے۔

عرض کیا گیا۔ حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں:۔ فرمایا:۔

ہاں کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا رہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔ (بدر 23 جنوری 1908ء صفحہ 2)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ نماز قصر کتنی دور کے لئے کرنی چاہئے۔ فرمایا

ایک تو سفر ہوتا ہے اور ایک سیر ہوتی ہے سفر کی نیت سے اگر تین کوس جانا ہو جیسے لودھیانہ سے پھلور تو نماز قصر کرنی چاہئے۔ یہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا اور بعض ضعیف پیر فرتوت اور حاملہ عورتیں ہیں۔ ان کے لئے تو کوس بھر ہی سفر ہو جاتا ہے۔ ہاں سیر کے لئے تو چاہے آٹھ کوس چلا جائے تو نماز قصر نہیں ہے۔

(تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ 116، 117)

مرکز میں نمازوں کا قصر جائز ہے

نماز کے قصر کرنے کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو شخص یہاں آتے ہیں وہ قصر کریں یا نہ؟ فرمایا:۔

جو شخص تین دن کے واسطے یہاں آوے اس کے واسطے قصر جائز ہے میری دانست میں جس سفر میں عزم سفر ہو پھر خواہ وہ تین چار کوس ہی کا سفر کیوں نہ ہو اس میں قصر جائز ہے۔ یہ ہماری سیر سفر نہیں ہے۔ ہاں اگر امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے پوری ہی نماز پڑھنی پڑے گی۔

حکام کا دورہ سفر نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہوگا جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں۔ سعدیؒ نے بھی کہا ہے

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خوابگاہ ساخت

(الحکم 24 اپریل 1903ء صفحہ 10)

کتنے دنوں کے سفر میں نماز قصر کی جاسکتی ہے؟

سوال:۔ نماز کس وقت تک قصر کی جاوے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

جب تک سفر ہو قصر کر سکتے ہیں اور اگر کہیں ٹھہرنا ہو اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو بھی قصر کریں اور اگر زیادہ ٹھہرنا ہو تو پوری پڑھیں۔ (الفضل 18 مارچ 1916ء صفحہ 15)

ایک سفر کے موقعہ پر نماز قصر کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا:۔

میں نماز قصر کر کے پڑھاؤں گا اور گو مجھے یہاں آئے چودہ دن ہو گئے ہیں مگر چونکہ علم نہیں کہ کب واپس جانا ہوگا۔ اس لئے میں نماز قصر کر کے پڑھاؤں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ گورداسپور میں دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک قصر نماز پڑھتے رہے کیونکہ آپ کو پتہ ہی نہیں تھا کہ کب واپس جانا ہوگا۔

(الفضل 25 مئی 1944ء صفحہ 4)

چودہ دن تک قیام کے ارادہ کی صورت میں نماز قصر کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل فتویٰ میں حضرت مسیح موعودؑ کے ایک فیصلے کا ذکر ملتا ہے۔

(یہ فتویٰ محترم ناظر صاحب تعلیم و تربیت قادیان نے 2 دسمبر 1937ء کو

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب مفتی سلسلہ سے پوچھا تھا۔)

سوال:۔سفر کے متعلق جناب حافظ صاحب مرحوم نے (حضرت حافظ روشن علیؓ صاحب مراد ہیں۔ناقل) 14 دن قیام تک قصر کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔اور حضرت اقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام و خلیفہ اولؓ سے مروی ہے کہ صرف تین دِن کے واسطے قصر ہے۔چار دن کے قصد سے مسافر مقیم ہو جاتا ہے۔حافظ صاحب ہمارے مفتی تھے ان کے قول کا ردّ ہم نے نہیں پڑھا۔ہم کس پر عمل کریں۔بعض کا قول ہے مفتی کا قول توڑا نہیں جا سکتا، یہ تو فتویٰ ہے۔فرمان تو فتویٰ کے مطابق ہی ہوگا مگر نبی اور خلیفہ سے اختلاف کرتے ہوئے کیا حجت رکھتے ہیں۔ہم بہر حال نظام کے پابند ہیں۔مگر اس اختلاف کا کیا ازالہ ہے۔اگر ہم سے کوئی پوچھے ہم تو مجبور ہیں۔

اس سوال کے جواب میں حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل فتویٰ دیا۔

جواب:۔جس طرح خلیفہ کے فیصلہ اور مفتی کے فتویٰ میں اختلاف ہو جائے تو خلیفہ کے فیصلہ پر عمل ہونا چاہئے کیونکہ در حقیقت اصل مفتی خلیفہ وقت ہی ہوتا ہے اور مفتی اس کا مقرر کردہ مفتی اور افتاء میں اس کا نائب ہوتا ہے۔اسی طرح خلیفہ اور بانی سلسلہ میں اگر لاعلمی کی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو ترجیح بانی سلسلہ کے قول کو دی جاتی ہے۔کیونکہ اصل وہی ہے اور خلیفہ اس کا نائب اور نائب اصل کا تابع نہ متبوع اور نہ مساوی۔حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ احمدیت سے پہلے اہلحدیث گروہوں میں شامل تھے اور اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ تین دن کے ارادہ اقامت سے مسافر مقیم ہو جاتا ہے۔اس لئے آپ کا احمدی ہونے کے بعد بھی یہی فتویٰ تھا لیکن جن دنوں میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا لیکچر لاہور میں ہوا تھا۔ان دنوں میں حضور کرم دین والے مقدمہ کی وجہ سے گورداسپور میں رہتے تھے اور محض تبدیلی آب و ہوا کے لئے لاہور تشریف لے گئے اور مسافر ہونے کی وجہ سے عموماً نمازیں جمع کی جاتی تھیں اور قصر کی جاتی تھیں۔غالباً تیسرے دن لاہور کی جماعت نے حضور سے لیکچر کی درخواست کی اور

حضورؑ نے منظور فرمائی۔ بعد ازاں جناب خواجہ کمال الدین صاحب جناب ڈپٹی کمشنر کے پاس اجازت لینے کے لئے اور دعوتِ شرکت دینے کے لئے گئے تو صاحب بہادر نے اجازت تو دے دی مگر کہا کہ فلاں وجہ سے میں اس اتوار کو شامل نہیں ہوسکتا اور اگر آئندہ اتوار کو ہوتا تو میں خود بھی اور سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی ضرور شامل ہوتے۔ تو خواجہ صاحب نے حضور کی خدمت میں صاحب بہادر کے جواب اور خواہش شرکت کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا تاریخِ مقدمہ دور ہے، لہٰذا ہم ٹھہر سکتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے حضور کو دس دن قیام کرنا پڑا۔ جس وقت حضور نے ٹھہرنے کا فیصلہ فرمایا اس وقت حضور کی طبیعت علیل تھی اندر ہی سے اس فیصلہ کی اطلاع دے دی تھی اور باہر تشریف نہیں لائے۔ اس کے بعد ظہر کی اذان ہوئی تو حضور نے کہلا بھیجا کہ نماز میں نہیں آسکتا، نماز پڑھ لو۔ چنانچہ اقامت ہوئی اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی اقتداء میں دو رکعتوں کے بعد کے قعدہ میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک پڑھ چکے تو صف میں سے کسی نے سبحان اللہ کہا یعنی پوری نماز پڑھو اور ایک اور سلام پھیرنے کے بعد حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو کہا میاں جا کر اپنے ابا جی سے دریافت کریں کہ یہاں پر اگلے اتوار تک ٹھہرنے کے فیصلہ کے بعد ہمیں نماز پوری پڑھنی چاہئے یا کہ دوگانہ؟ چنانچہ گئے اور واپس آکر فرمایا ابا جی کہتے ہیں کہ دو رکعت ہی پڑھیں، ہم نے کوئی پندرہ دن ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا۔ چنانچہ اسی وقت عصر کی نماز جمع کرتے ہوئے دو رکعت نماز پڑھی گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اس فیصلہ کے بعد سلسلہ احمدیہ میں یہی فتویٰ قائم ہوگیا کہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کے ارادہ سے مسافر مقیم ہوجاتا ہے اور اس سے کم ارادہ کے قیام سے مسافر ہی رہتا ہے۔

(دستخط حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب مفتی سلسلہ فتویٰ نمبر 2-12-1937/55 منقول از رجسٹر فتاویٰ دارالافتاء ربوہ)

ملازمت پیشہ دورانِ سفر قصر نہ کرے

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو شخص بسبب ملازمت کے

ہمیشہ دورہ میں رہتا ہو اس کو نمازوں میں قصر کرنی جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا: جو شخص رات دن دورہ پر رہتا ہے وہ اسی بات کا ملازم ہے۔ وہ حالت دورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہئے۔ (بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

ایک صاحب محمد سعید الدین کا ایک سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں اور میرے بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے رہتے ہیں کیا ہم نماز قصر کیا کریں۔ فرمایا:۔

سفر تو وہ ہے جو ضرورتاً گاہے گاہے ایک شخص کو پیش آوے نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گذار دے۔

(بدر 28 مارچ 1907ء صفحہ 4)

سفر سے پہلے نمازوں کا جمع کرنا

آج ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے حضرت اقدس گورداسپور کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود بھی تھے۔ سٹیشن کے قریب جو سرائے تھی۔ اس میں حضور علیہ السلام نے نزول فرمایا۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں یہاں جمع کر کے پڑھی گئیں۔ (البدر 28 اگست 1903ء صفحہ 250)

مقیم پوری نماز ادا کرے

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب گورداسپور میں مقیم تھے اور احمدی جماعت نزیل قادیان بہ باعث سفر میں ہونے کے نماز جمع کر کے ادا کرتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پوچھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

مقیم پوری نماز ادا کریں

وہ اس طرح ہوتی رہی کہ جماعت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نماز ادا کرتے۔ جماعت دو

رکعت ادا کرتی ،لیکن ڈاکٹر صاحب باقی کی دورکعت بعداز جماعت ادا کر لیتے۔ایک دفعہ حضرت اقدس نے دیکھ کر کہ ڈاکٹر صاحب نے ابھی دورکعت ادا کرنی ہے۔فرمایا کہ:۔

''ٹھہر جاؤ۔ڈاکٹر صاحب دورکعت ادا کر لیویں۔''

پھراس کے بعد جماعت دوسری نماز کی ہوئی۔ایسی حالتِ جمع میں سنّت اورنوافل نہیں ادا کئے جاتے۔ (البدر یکم اگست 1904ء صفحہ 4)

سفر میں قصر کی حدّ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے مجھ سے بذریعہ تحریر ذکر کیا کہ ایک دفعہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قصر نماز کے متعلق سوال کیا۔حضور نے فرمایا۔جس کوتم پنجابی میں وانڈھا کہتے ہو۔بس اس میں قصر ہونا چاہیئے۔مَیں نے عرض کیا کہ کیا کوئی میلوں کی بھی شرط ہے۔آپ نے فرمایا نہیں۔بس جس کوتم وانڈھا کہتے ہووہی سفر ہے جس میں قصر جائز ہے۔مَیں نے عرض کیا کہ مَیں سیکھواں سے قادیان آتا ہوں۔کیا اس وقت نماز قصر کرسکتا ہوں۔آپ نے فرمایا۔ہاں۔بلکہ میرے نزدیک اگرایک عورت قادیان سے ننگل جائے تو وہ بھی قصر کرسکتی ہے۔

خاکسارعرض کرتا ہے کہ سیکھواں قادیان سے غالبًا چارمیل کے فاصلہ پر ہے اورننگل تو شاید ایک میل سے بھی کم ہے۔ننگل کے متعلق جوحضور نے قصر کی اجازت فرمائی ہے۔اس سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان سفر کے ارادہ سے قادیان سے نکلے تو خواہ ابھی ننگل تک ہی گیا ہواس کے لئے قصر جائز ہوجائے گا۔یہ مرادنہیں ہے کہ کسی کام کے لئے صرف ننگل تک آنے جانے میں قصر جائز ہوجاتا ہے۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ ننگل تک آنے جانے کوصرف عورت کے لئے سفر قرار دیا ہو کیونکہ عورت کمزورجنس ہے۔واللہ اعلم۔

(سیرت المہدی جلد1 صفحہ 551،552)

قصر نماز کا تعلق صرف خوف کے ساتھ نہیں بلکہ ہر سفر کے ساتھ ہے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ مَیں اوائل میں اس بات کا قائل تھا کہ سفر میں قصر نماز عام حالات میں جائز نہیں بلکہ صرف جنگ کی حالت میں فتنہ کے خوف کے وقت جائز ہے اور اس معاملہ میں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) کے ساتھ بہت بحث کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گورداسپور میں مقدمہ تھا ایک دفعہ میں بھی وہاں گیا۔ حضرت صاحب کے ساتھ وہاں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ مگر ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ قاضی صاحب آپ نماز پڑھائیں۔ میں نے دل میں پختہ ارادہ کیا کہ آج مجھے موقعہ ملا ہے میں قصر نہیں کروں گا۔ بلکہ پوری پڑھوں گا تا اس مسئلہ کا کچھ فیصلہ ہو۔ قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ ارادہ کر کے ہاتھ اُٹھائے کہ قصر نہیں کروں گا۔ حضرت صاحب میرے پیچھے دائیں طرف کھڑے تھے۔ آپ نے فوراً اقدم آگے بڑھا کر میرے کان کے پاس منہ کر کے فرمایا قاضی صاحب دو ہی پڑھیں گے نا؟ میں نے عرض کیا حضور دو ہی پڑھوں گا۔ بس اس وقت سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا اور میں نے اپنا خیال ترک کر دیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 24، 25)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق نماز

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب تحریر کرتے ہیں:

شروع میں جب قادیان میں نماز کے وقت تین چار آدمی سے زیادہ نہ ہُوا کرتے تھے۔ مسجد مبارک میں حافظ معین الدین صاحب مرحوم اور مسجد اقصیٰ میں میاں جان محمد صاحب کشمیری نماز کے پیش امام ہوا کرتے تھے۔ سنا گیا ہے کہ کبھی کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود بھی نماز میں پیش امام ہوتے تھے مگر یہ میرے یہاں آجانے سے قبل ہوا۔ زِندگی کے آخری سالوں میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً باہر تشریف نہ لا سکتے تھے۔ اس وقت اندر عورتوں میں نماز مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھایا کرتے تھے۔ حضورؑ امامت کے وقت بسم اللہ بالجہر نہ پڑھا کرتے تھے اور رفع یدین بھی نہ کرتے تھے۔ مگر ہاتھ سینہ پر باندھتے تھے۔ اور تشہد میں سبابہ کی انگلی اُٹھاتے تھے۔ باقی نماز ظاہری طریق میں حنفیوں کے طرز پر ہوتی تھی۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم ہمیشہ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے اور آخری رکعت میں بعد رکوع کھڑے ہوکر بآواز بلند دعائیں (قنوت) کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر بزرگانِ دین نے سالہا سال حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے بعض اصحاب جیسا کہ صُوفی غلام محمدؓ صاحب واعظ ماریشس ابتک یہی رویّہ رکھتے ہیں۔‘‘

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 24)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ جب میں شروع شروع میں قادیان آیا تھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز

کے وقت پہلی صف میں دوسرے مقتدیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ لیکن پھر بعض باتیں ایسی ہوئیں کہ آپ نے اندر حجرہ میں امام کے ساتھ کھڑا ہونا شروع کر دیا اور جب حجرہ گرا کر تمام مسجد ایک کی گئی تو پھر بھی آپ بدستور امام کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے رہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اوائل میں مسجد مبارک بہت چھوٹی ہوتی تھی اور لمبی قلمدان کی صورت میں تھی جس کے غربی حصہ میں ایک چھوٹا حجرہ تھا۔ جو مسجد کا حصہ ہی تھا لیکن درمیانی دیوار کی وجہ سے علیحدہ صورت میں تھا۔ امام اس حجرہ کے اندر کھڑا ہوتا تھا اور مقتدی پیچھے بڑے حصہ میں ہوتے تھے۔ بعد میں جب مسجد کی توسیع کی گئی تو اس غربی حجرہ کی دیوار اڑا کر اسے مسجد کے ساتھ ایک کر دیا گیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 270، 271)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز تو مولوی عبدالکریم صاحب پڑھاتے تھے۔ مگر عیدین کی نماز ہمیشہ حضرت مولوی نورالدین صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ الّا ماشاءاللہ اور جنازوں کی نماز عمومًا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود پڑھاتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 440)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فریضہ نماز کی ابتدائی سنتیں گھر میں ادا کرتے تھے اور بعد کی سنتیں بھی عمومًا گھر میں اور کبھی کبھی مسجد میں پڑھتے تھے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نماز کو لمبا کرتے تھے یا خفیف؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ عمومًا خفیف پڑھتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 4، 5)

حضرت منشی برکت علی صاحب شملوی روایت کرتے ہیں

ایک دفعہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا موقعہ ملا۔ جمعہ کی نماز غالبًا حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے پڑھائی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبر کے قریب بیٹھ گئے۔ میں بھی موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کے پاس بیٹھ گیا اور دیکھتا رہا کہ حضور کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے اس طرح سینہ پر ہاتھ باندھے کہ انگلیاں کہنی تک نہیں پہنچتی تھیں۔ آپ کی گردن ذرا دائیں طرف جھکی رہتی تھی۔ جب آپ قعدے میں ہوتے تو دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند رکھتے اور جب کلمۂ شہادت پڑھتے تو شہادت کی انگلی کھڑی کرتے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ آپ آمین بالجہر کرتے تھے۔

اسی دن دوسری بات یہ پیش آئی کہ جب نماز جمعہ پڑھ چکے غالبًا موسم اچھا نہیں تھا۔ یا اور کوئی بات تھی۔ تو یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا عصر کی نماز جمعہ کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے دریافت فرمایا۔ آپ نے کیا جواب دیا۔ وہ مجھے یاد نہیں رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ عصر کی نماز جمع کر کے پڑھ لو۔ چنانچہ وہ دونوں نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں۔

(روایت حضرت منشی برکت علی صاحب شملویؓ اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 192، 193)

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی روایت کرتے ہیں

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز باجماعت کے علاوہ سنن و نوافل اندرون خانہ ادا کرتے تھے۔ پہلی سنتیں عمومًا گھر سے پڑھ کر تشریف لاتے اور پچھلی سنتیں گھر میں تشریف لے جا کر ادا فرماتے تھے۔ البتہ ابتدائی زمانہ میں جبکہ حضور شام کی نماز کے بعد عشاء کی نماز تک مسجد ہی میں تشریف فرمایا کرتے تھے۔ حضور شام کی نماز کی سنتیں مسجد ہی میں ادا

کرتے تھے۔ دوسنت ادافرماتے تھے جو ہلکی ہوتی تھیں مگر سنوار کر پڑھی جاتی تھیں۔ کوئی جلدی یا تیزی ان میں نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ایک اطمینان ہوتا تھا مگر وہ زیادہ لمبی نماز نہ ہوتی تھی۔

ان کے علاوہ بھی کبھی کبھار حضور کو مسجد مبارک میں سنت ادا کرتے دیکھا مگر ہمیشہ حضور کی نماز آسان اور ہلکی ہوا کرتی تھی۔ چند مرتبہ حضور کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرنے کا شرف ملا ہے اور اس کے لئے ابتدائی زمانہ میں ہی ہمیں خاص اہتمام کی ضرورت پڑا کرتی تھی اور ہم میں سے اکثر کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ حضور کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کی جگہ حاصل کریں۔

حضور کو میں نے نماز میں کبھی بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی آمین بالجہر کرتے سنا۔ تشہد میں حضور شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کیا کرتے تھے مگر میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور نے انگلی کو اکڑایا یا پھرایا ہو۔ صرف ہلکا سا اشارہ ہوتا تھا جو عموماً ایک ہی مرتبہ اور بعض اوقات دو مرتبہ بھی ہوتا تھا۔ جو میرے خیال میں امام کے تشہد کو لمبا کرنے کی وجہ سے حضور کلمہ شہادت دوہراتے ہوئے کیا کرتے ہوں گے۔

حضور نماز میں ہاتھ ہمیشہ سینہ پر باندھتے تھے۔ زیر ناف بلکہ ناف پر بھی میں نے کبھی حضور کو ہاتھ باندھے نماز ادا کرتے نہیں دیکھا۔

حضور پُرنور خود امام نہ بنا کرتے تھے بلکہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم و مغفور کو حضور نے نمازوں کی امامت کا منصب عطا فرمایا ہوا تھا۔ نماز جمعہ بھی حضور خود نہ پڑھاتے تھے بلکہ عموماً مولوی صاحب موصوف ہی پڑھایا کرتے تھے اور شاذ و نادر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی بھی پڑھاتے تھے۔ ایک زمانہ میں دو جگہ جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔ مسجد اقصیٰ میں بھی جو کہ جامع مسجد ہے اور مسجد مبارک میں بھی۔ مگر دونوں جگہ امام الصلوٰۃ حضور نہ ہوتے تھے۔ عیدین کی نماز بھی

سوائے شاذ کے حضور خود نہ پڑھاتے تھے۔نماز جنازہ عموماً حضور خود پڑھاتے تھے۔اور حضور کو میں نے نماز جنازہ کسی کے پیچھے پڑھتے نہیں دیکھا یا کم از کم میری یاد میں نہیں۔

(روایت حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اصحاب احمد جلد 9 صفحہ 155، 156 نیا ایڈیشن)

حضرت مسیح موعودؑ کی نماز کا تفصیلی نقشہ

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ رسالہ تعلیم الاسلام میں حضرت مسیح موعودؑ کی نماز کی ادائیگی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

یہاں پر میں اس قدر بیان کروں گا کہ خدا کا برگزیدہ اس عبادت کو اس طریق پر ادا کرتا ہے تا کہ یہ طریق عقل مندوں کے نزدیک اثبات کے لئے کافی اور رفع نزاع کے لئے وافی ہو اور بجائے اس کے کہ میں ہر ایک مسئلہ کے ساتھ یہ لکھوں کہ حضرت اقدسؑ کا یہی معمول بِھا ہے۔ ابتدا ہی میں مَیں یہ بتا دیتا ہوں کہ صلوٰۃ کی جو کیفیت میں یہاں پر لکھوں گا وہ حضرت اقدسؑ کے عمل کے مطابق ہوگی۔

اور وہ یہ ہے کہ جب صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو کعبہ کی طرف رخ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اوپر اُٹھاتے ہیں یہاں تک کہ انگلیاں دونوں کانوں کے برابر ہو جاتی ہیں اور پھر دونوں کو نیچے لا کر سینہ یعنی دونوں پستانوں کے اوپر یا ان کے متصل نیچے اس طور پر باندھ دیتے ہیں کہ بایاں ہاتھ نیچے اور دایاں اوپر ہوتا ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ داہنے ہاتھ کی تینوں درمیانی انگلیوں کے سرے بائیں کہنی تک یا اس سے کچھ پیچھے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں اور انگوٹھے اور کنارے کی انگلی سے پکڑا ہوتا ہے اور اگر اس کے خلاف اوپر یا نیچے یا آگے بڑھا کر یا پیچھے ہٹا کر یا ساری انگلیوں سے کوئی پکڑ کر ہاتھ باندھتا ہے تو کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا۔

ہاتھ باندھ کر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ.... یا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ..... (اس کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ تا وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ پڑھنے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ناقل) اس کے بعد کوئی سورۃ یا قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھتے ہیں اور فاتحہ میں جو اِھْدِنَا کی دعا ہے اس کو بہت توجہ سے اور بعض دفعہ بار بار پڑھتے ہیں اور فاتحہ کے اوّل یا بعد سورۃ کے پہلے یا پیچھے۔غرض کھڑے ہوتے ہوئے اپنی زبان میں یا عربی زبان میں علاوہ فاتحہ کے اور اور دعائیں بڑی عاجزی وزاری اور توجہ سے مانگتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں کو انگلیاں پھیلا کر پکڑتے ہیں اور دونوں بازوؤں کو سیدھا رکھتے ہیں اور پیٹھ اور سر کو برابر رکھتے ہیں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ .... یا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ..... تین یا تین سے زیادہ دفعہ پڑھتے ہیں اور رکوع کی حالت میں اپنی زبان میں یا عربی زبان میں جو دعا کرنا چاہیں کرتے ہیں اس کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ..... کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھڑے کھڑے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ ....یا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ.... یا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی یا اس کے سوا اور کوئی ماثور کلمات کہتے ہیں۔اس کے بعد جو دعا کرنی چاہتے ہیں اپنی زبان میں یا عربی زبان میں کرتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے نیچے جاتے ہیں اور پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ اور پھر

ناک اور پیشانی یا پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے اور پھر ناک اور پیشانی زمین پر رکھ کر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ....یا سُبحَانَكَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ .... کم سے کم تین دفعہ یا اس سے زیادہ طاق پڑھتے ہیں اور چونکہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ سجدہ میں دعا بہت قبول ہوتی ہے۔لہٰذا سجدہ میں اپنی زبان یا عربی زبان میں بہت دعائیں کرتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں اپنے دونوں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اور ان کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھتے ہیں اور دونوں ہاتھوں کے درمیان سر رکھتے ہیں اور دونوں بازوؤں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے جدا کرکے اور دونوں کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھتے ہیں۔ہاں جب لمبا سجدہ کرتے ہوئے تھک جاتے ہیں تو اپنی دونوں کہنیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ کر سہارا لے لیتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اُٹھا کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے ہیں۔اس طور پر کہ داہناں پاؤں کھڑا رکھتے ہیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس کے اوپر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیتے ہیں اور بیٹھ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَ عَافِنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ .... یا اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ تین دفعہ پڑھتے ہیں۔اس کے علاوہ اپنی زبان میں یا عربی زبان میں جو دعا چاہتے ہیں دعا مانگتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے پہلے سجدہ کی مانند سجدہ کرتے ہیں اور پہلے سجدہ کی مانند اس میں وہی کچھ پڑھتے ہیں.... اور دوسرے سجدہ میں بھی دعائیں مانگتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوائے پہلی تکبیر اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُ اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کے بعینہٖ پہلی رکعت کی مانند دوسری رکعت پڑھتے ہیں اور دونوں سجدوں کے بعد اس طرح بیٹھ جاتے ہیں

جیسا کہ دوسجدوں کے درمیان بیٹھا کرتے ہیں۔ ہاں اس قدر فرق ہوتا ہے کہ پہلے سجدہ کے بعد جب بیٹھتے ہیں تو دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر اس طور پر رکھتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں اور دونوں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوتی ہیں اور دوسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد جب بیٹھتے ہیں تو اپنے بائیں ہاتھ کو تو ویسا ہی رکھتے ہیں اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کو ہتھیلی سے ملا لیتے ہیں اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ باندھ لیتے ہیں اوران دونوں کے درمیان کی انگلی کو سیدھا رکھتے ہیں اور پھر اَلتَّحِیَّات پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ علٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اور یہ کہتے ہوئے اس انگلی کو اُٹھا کر اشارہ کرتے ہیں اور پھر ویسی ہی رکھ دیتے ہیں جیسی کہ پہلے رکھی ہوئی تھی) وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ....۔

پس اگر تین چار رکعتیں پڑھنی ہوتی ہیں تو اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پھر باقی رکعتوں کو ویسا ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ دوسری رکعت کو پڑھا تھا اور پھر ان کو ختم کرکے اخیر میں پھر اسی طریق سے یا داہنے پاؤں کو کھڑا کرکے اور بائیں پاؤں کو داہنے کی طرف نکال کر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور یہی اَلتَّحِیَّات پڑھتے ہیں اور اگر دو ہی رکعت والی نماز ہوئی تو یہی آخری بیٹھنا ہوتا ہے اور آخری بیٹھنے میں اَلتَّحِیَّات مذکورہ کے بعد پڑھتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ علٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ علٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ... اس کے بعد پھر کوئی دعا مقرر نہیں بلکہ جو چاہتے ہیں وہ دعا مانگتے ہیں اور ضرور مانگتے ہیں اس کے بعد داہنے

طرف منہ پھیر کر کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ .... اور پھر بائیں طرف بھی اسی طرح منہ پھیر کر کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ۔

پس اللہ اکبر سے نماز شروع ہوتی ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ پر ختم ہو جاتی ہے یہ وہ نماز ہے جو کہ حضرت مسیح موعودؑ اور ان کے اہل علم اور مخلص مہاجر اور رات دن ساتھ رہنے والے اصحاب پڑھتے ہیں جیسا میں نے بیان کیا ہے کہ ہاتھ باندھنے میں اختلاف ہے اور حضرت مسیح موعودؑ اور ان کے مذکورہ بالا خدام فلاں طرز پر باندھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی جاننا چاہئے کہ رفع یدین میں بھی اختلاف ہے۔ (یعنی رکوع کو جاتے ہوئے اور اُٹھنے کے بعد نیچے جاتے ہوئے اور دوسری رکعت کے بعد بیٹھ کر پھر اُٹھتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھوں کو اس طرح اُٹھانا جیسا کہ پہلی تکبیر کے وقت اُٹھاتے ہیں) اور اختلاف یہ ہے کہ بعض ان مقاموں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور بعض نہیں اُٹھاتے اور حضرت مسیح موعودؑ اور ان کے مذکورہ بالا خدام ان مقاموں پر رفع یدین نہیں کرتے۔ ہاں اگر کوئی ان کے سامنے کرے تو اس پر اعتراض بھی نہیں کرتے .....

امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی حالت میں ایک اور مسئلہ میں بھی بہت کچھ نزاع ہے اور وہ ہے بلند آواز سے آمین کہنے کا لیکن حضرت مسیح موعودؑ کا عمل درآمد (جو کہ ترجیح اور ثبوت کے لئے حجت قاطعہ ہے اور حجت قاطعہ بھی ایسی کہ جس پر ہر ایک عقل مند مومن حلف کھا سکتا ہے کہ خدائے علیم کو یہ پسند ہے) یہی ہے کہ آپ بلند آواز سے آمین نہیں کہتے اور نہ کسی کہنے والے پر کوئی اعتراض کرتا ہے

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہ جولائی 1906ء جلد 1 نمبر 5 صفحہ 171 تا 182)

نماز جمعہ اور عید

جمعہ کا اہتمام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن خوشبو لگاتے اور کپڑے بدلتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 61)

نماز جمعہ سے قبل دو سنتیں پڑھنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو جمعہ کے روز مسجد اقصیٰ میں دو رکعت ہی پڑھتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ عام طور پر لوگ قبل از نماز جمعہ چار رکعت پڑھتے ہیں لیکن حضور علیہ السلام کو دو رکعت ہی پڑھتے دیکھا ہے شاید وہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہوں کیونکہ باقی نمازوں میں سُنتیں گھر میں ہی پڑھ کر مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 258)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جمعہ کی پہلی سنتوں کے متعلق ایک دفعہ فرمایا کہ یہ **تَحِیَّۃُ الْمَسْجِدْ** ہیں۔ اس لئے آپ دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 804)

جمعہ سے قبل دو سنتیں پڑھنے کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

بے شک یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں آکر جمعہ کی نماز سے

قبل دو رکعت پڑھیں لیکن ایک اور حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت گھر میں پڑھ کر آتے تھے گو بخاری و مسلم نے چار سنتوں والی روایات کو ترجیح دی ہے لیکن دو سنتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ظہر کی جماعت سے پہلے ہمیشہ چار سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ میں بھی چار ہی پڑھتا ہوں کیونکہ اللہ نے طاقت دی ہے تو کیوں نہ پڑھیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میں نے سینکڑوں دفعہ دیکھا ہے اور متواتر دیکھا ہے۔ آپ ظہر سے پہلے ہمیشہ دو رکعت سنت پڑھا کرتے تھے۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دو رکعت ہماری ہزاروں رکعتوں کے برابر تھیں۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حدیث سے جو اقل سنتیں ثابت ہیں وہی پڑھی ہیں تا کہ باقی وقت آپ تبلیغ اسلام میں صرف کریں۔

(الفضل 10 دسمبر 1929ء صفحہ 7)

کیا دو افراد کا جمعہ ہوسکتا ہے؟

یہ مسئلہ پیش ہوا کہ دو احمدی کسی گاؤں میں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ؟

مولوی محمد احسن صاحب سے خطاب فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ دو سے جماعت ہوجاتی ہے۔ اس لئے جمعہ بھی ہوجاتا ہے فرمایا:

''ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔'' (بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر سوال پیش ہوا کہ نماز جمعہ کے واسطے اگر کسی جگہ صرف ایک دو مرد احمدی ہوں اور کچھ عورتیں ہوں تو کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کو جماعت میں شامل کر کے نماز جمعہ ادا کی جائے۔

حضرت نے فرمایا ’’جائز ہے۔‘‘ (بدر 5 ستمبر 1907ء صفحہ 3)

جمعہ کے لئے جماعت ضروری ہے

ایک صاحب نے بذریعہ خط استفسار فرمایا تھا کہ وہ صرف اکیلے ہی اس مقام پر حضرت اقدس سے بیعت ہیں جمعہ تنہا پڑھ لیا کریں یا نہ پڑھا کریں حضرت اقدس نے فرمایا:

’’جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر دو آدمی مقتدی اور تیسرا امام اپنی جماعت کے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ لیا کریں۔ وَاِلَّا نہ‘‘ (سوائے احمدی احباب کے دوسرے کے ساتھ جماعت اور جمعہ جائز نہیں۔) (البدر 9 جنوری 1903ء صفحہ 83)

اپنا جمعہ الگ پڑھو

سوال پیش ہوا کہ بعض مساجد اس قسم کی ہیں کہ وہاں احمدی اور غیر احمدی کو اپنی جماعت اپنے امام کے ساتھ الگ الگ کرا لینے کا اختیار قانوناً یا باہمی مصالحت سے حاصل ہوتا ہے تو ایسی جگہ جمعہ کے واسطے کیا کیا جاوے؟ کیونکہ ایک مسجد میں دو جُمعے جائز نہیں ہو سکتے۔

فرمایا:۔

جو لوگ تم کو کافر کہتے ہیں اور تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ تو بہر حال تمہاری اذان اور تمہاری نماز جمعہ کو اذان اور نماز سمجھتے ہی نہیں اس واسطے وہ تو پڑھ ہی لیں گے اور چونکہ وہ مومن کو کافر کہہ کر بموجب حدیث خود کافر ہو چکے ہیں۔ اس واسطے تمہارے نزدیک بھی ان کی اذان اور نماز کا عدم وجود برابر ہے۔ تم اپنی اذان کہو اور اپنے امام کے ساتھ اپنا جمعہ پڑھو۔ (بدر 2 مئی 1907ء صفحہ 2)

نمازِ جمعہ کے بعد احتیاطی نماز

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا:۔

قرآن شریف کے حکم سے جمعہ کی نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ جمعہ کی نماز پڑھ لی تو حکم ہے کہ جاؤ اب اپنے کاروبار کرو۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت میں جمعہ کی نماز اور خطبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ بادشاہ مسلمان نہیں ہے تعجب ہے کہ خود بڑے امن کے ساتھ خطبہ اور نماز جمعہ پڑھتے بھی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہوسکتا پھر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ جمعہ ہوا یا نہیں۔ اس واسطے ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھا ہے۔ ایسے لوگ ایک شک میں گرفتار ہیں۔ ان کا جمعہ بھی شک میں گیا اور ظہر بھی شک میں گئی۔ نہ یہ حاصل ہوا اور نہ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز جمعہ پڑھو اور احتیاطی کی کوئی ضرورت نہیں۔ (بدر 6 جون 1907ء صفحہ 8)

اہل اسلام میں سے بعض ایسے بھولے بھالے بھی ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تو جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں پھر اس کے بعد اس احتیاط سے کہ شاید جمعہ ادا نہ ہوا ہو۔ ظہر کی نماز بھی پوری ادا کرتے ہیں اس کا نام انہوں نے احتیاطی رکھا ہے۔ اس کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا:

یہ غلطی ہے اور اس طرح سے کوئی نماز بھی نہیں ہوتی کیونکہ نیت میں اس امر کا یقین ہونا ضروری ہے کہ میں فلاں نماز ادا کرتا ہوں اور جب نیت میں شک ہوا تو پھر وہ نماز کیا ہوئی؟

(البدر مؤرخہ 11 ستمبر 1903ء صفحہ 366)

ایک اور موقعہ پر فرمایا

احتیاطی نماز کیا ہوتی ہے۔ جمعہ کے تو دو ہی فرض ہیں۔ احتیاطی فرض کچھ چیز نہیں۔

فرمایا: لدھیانہ میں ایک بار میاں شہاب الدین بڑے پکے موحد نے جمعہ کے بعد احتیاطی نماز پڑھی۔ میں نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو بڑے پکے موحد تھے۔ اُس نے کہا کہ میں نے جمعہ کی احتیاطی نہیں پڑھی بلکہ میں نے مار کھانے کی احتیاطی پڑھی ہے۔

(الحکم 10 راگست 1901ء صفحہ 7)

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب روایت کرتے ہیں کہ شروع زمانہ میں جبکہ احمدیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ 1893ء یا اِس کے قریب کا واقعہ ہے ایک غریب احمدی کسی گاؤں کی مسجد میں بطورِ درویش کے رہا کرتا تھا اور کبھی کبھی قادیان آتا تھا۔ اُس نے عرض کی کہ جمعہ کے دِن لوگ دو رکعت نماز جمعہ پڑھتے ہیں اور اس کے علاوہ چار رکعت نماز ظہر بھی پڑھتے ہیں۔ اس کا نام اِحتیاطی رکھتے ہیں۔ اِس کا کیا حُکم ہے۔ فرمایا:

''نماز جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ شُبہ میں ہیں اُن کا جمعہ اور ظہر اور ہر دو شبہ میں گئے، نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ احتیاطی ایک فضول بات ہے مگر تم غریب اور کمزور آدمی ہو تم اِس نیّت کی احتیاطی پڑھ لیا کرو کہ کوئی شخص ناحق ناراض ہو کر تمہیں مارنے نہ لگ جائے۔''

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 40، 41)

جمعہ دو جگہوں پر

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ہی اذان کہا کرتے تھے اور خود ہی نماز میں امام ہوا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب امام نماز مقرر ہوئے اور سنا گیا ہے کہ حضرت صاحب نے دراصل حضرت مولوی نورالدین صاحب کو امام مقرر کیا تھا لیکن مولوی صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب کو کروا دیا۔ چنانچہ اپنی وفات تک جو 1905ء میں ہوئی مولوی عبدالکریم صاحب ہی امام رہے۔ حضرت صاحب مولوی عبدالکریم صاحب کے ساتھ دائیں طرف کھڑے ہوا کرتے تھے اور باقی مقتدی پیچھے ہوتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی غیر حاضری میں نیز ان کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جمعہ کے متعلق یہ طریق

تھا کہ اوائل میں اور بعض اوقات آخری ایام میں بھی جب حضرت صاحب کی طبیعت اچھی ہوتی تھی جمعہ بڑی مسجد میں ہوتا تھا جس کو عموماً لوگ مسجد اقصیٰ کہتے ہیں اور مولوی عبدالکریم صاحب امام ہوتے تھے۔ بعد میں جب حضرت کی طبیعت عموماً ناساز رہتی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب حضرت صاحب کے لئے مسجد مبارک میں جمعہ پڑھاتے تھے اور بڑی مسجد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب جمعہ پڑھاتے تھے۔مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد مسجد مبارک میں مولوی محمد احسن صاحب اوران کی غیر حاضری میں مولوی محمد سرور شاہ صاحب امام جمعہ ہوتے تھے اور بڑی مسجد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔حضرت صاحب کی وفات تک یہی طریق رہا۔عید کی نماز میں عموماً مولوی عبدالکریم صاحب اوران کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جنازہ کی نماز حضرت مسیح موعودؑ جب آپ شریک نماز ہوں خود پڑھایا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 148)

قادیان میں دو جمعے اوراس کی وجہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے آخری ایام میں نماز جمعہ دوجگہ ہوتی تھی۔ایک مسجد مبارک میں جس میں حضرت صاحب خود شریک ہوتے تھے اور امام صلوٰۃ مولوی سید محمد احسن صاحب یا مولوی سیّد سرور شاہ صاحب ہوتے تھے اور دوسرے مسجد اقصیٰ میں جس میں حضرت خلیفہ اولؓ امام ہوتے تھے۔دو جمعوں کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود بوجہ طبیعت کی خرابی کے عموماً مسجد اقصےٰ میں تشریف نہیں لے جاسکتے تھے اور مسجد مبارک چونکہ بہت تنگ تھی اس لئے اس میں سارے نمازی سمانہیں سکتے تھے۔لہٰذا دوجگہ جمعہ ہوتا تھا۔ واقعہ مندرجہ روایت مذکورہ بالا ان دنوں کا ہے۔ جبکہ مسجد مبارک میں توسیع کے لئے عمارت لگی ہوئی تھی۔ ان ایام میں مسجد

مبارک والا جمعہ میرے موجودہ مکان کے جنوبی دالان میں ہوا کرتا تھا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 588، 589)

حضرت مصلح موعودؓ اسی صورتِ حال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بعض حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک ہی وقت میں مسجد مبارک میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی اور مسجد اقصیٰ میں بھی اور یہ اس صورت میں ہوتا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے مسجد اقصیٰ میں تشریف نہیں لے جا سکتے تھے۔ (روزنامہ الفضل 18 ستمبر 1930ء صفحہ 5)

سفر میں نمازِ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

سفر میں جمعہ کی نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور چھوڑنا بھی جائز ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سفر میں پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مقدمہ کے موقعہ پر گورداسپور تشریف لے گئے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ آج جمعہ نہیں ہوگا کیونکہ ہم سفر پر ہیں۔

ایک صاحب جن کی طبیعت میں بے تکلفی ہے وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ سنا ہے حضور نے فرمایا آج جمعہ نہیں ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ یوں تو ان دنوں گورداسپور میں ہی تھے مگر اس روز کسی کام کے لئے قادیان آئے تھے۔ ان صاحب نے خیال کیا کہ شائد جمعہ نہ پڑھے جانے کا ارشاد آپ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ مولوی صاحب یہاں نہیں ہیں۔ اس لئے کہا حضور مجھے بھی جمعہ پڑھانا آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں آتا ہوگا مگر ہم تو سفر پر ہیں۔ ان صاحب نے کہا کہ حضور مجھے اچھی طرح جمعہ پڑھانا آتا ہے اور میں نے بہت دفعہ پڑھایا بھی ہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ ان صاحب کو

جمعہ پڑھانے کی بہت خواہش ہے تو فرمایا کہ اچھا آج جمعہ ہو جائے۔ تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سفر کے موقع پر جمعہ پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی اور جب سفر میں جمعہ پڑھا جائے تو میں پہلی سنتیں پڑھا کرتا ہوں اور میری رائے یہی ہے کہ وہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ وہ عام سنن سے مختلف ہیں اور وہ جمعہ کے احترام کے طور پر ہیں۔ (الفضل 24/جنوری 1942 صفحہ 1)

جمعہ پڑھنے کے لئے تعطیل کی تجویز

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب تحریر کرتے ہیں:

1895,96ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گورنمنٹ میں ایک تحریک کرنی چاہی تھی کہ سرکاری دفاتر کے مسلمانوں کو نماز جمعہ کے ادا کرنے کے واسطے جمعہ کے دن دو گھنٹہ کے لئے رُخصت ہوا کرے۔ اِس کے لئے حضرت صاحبؑ نے ایک میموریل لکھا جس پر مسلمانوں کے دستخط ہونے شروع ہوئے۔ مگر مولوی محمد حسین صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا کہ یہ کام تو اچھّا ہے۔ لیکن مرزا صاحبؑ کو یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ ہم خود اِس کام کو سرانجام دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذریعہ اعلان مشتہر کر دیا کہ ہماری غرض نام سے نہیں بلکہ کام سے ہے۔ اگر مولوی صاحب اس کام کو سرانجام دیتے ہیں تو ہم اس کے متعلق اپنی کارروائی کو بند کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صاحبؑ نے اپنی کارروائی بند کر دی مگر افسوس ہے مولوی محمد حسین صاحب یا کسی دوسرے مسلمان عالم نے اِس کے متعلق کچھ کارروائی نہ کی اور یہ کام اسی طرح درمیان میں رہ گیا۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 42،43)

تعطیل جمعہ کے لئے حکومت کو میموریل بھیجنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جمعہ کے روز تعطیل رکھنے کے لئے متعدد کوششیں کیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی خدمت میں میموریل بھی

بھیجا اور اُن کی سلطنت کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

یہ سلطنت اسلام کے لئے درحقیقت چشمہ فیض ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ حضور لارڈ کرزن بالقابہ نے ایسی نمایاں کارروائیاں کی ہیں کہ مسلمانوں کو کبھی نہیں بھولیں گی جیسا کہ لاہور کے قلعہ کی مسجد کا مسلمانوں کو عطا کرنا اور ایک باہر کی مسجد جس پر ریل والوں کا قبضہ تھا مسلمانوں کو عنایت فرمانا اور نیز اپنی طرف سے لاہور کی شاہی مسجد کے لئے ایک قیمتی لالٹین اپنی جیب سے مرحمت فرمانا۔ ان فیاضانہ کارروائیوں سے جس قدر مسلمان شکرگزار اور گرویدہ ہیں اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا لیکن ایک تمنا ان کی ہنوز باقی ہے اور وہ امید رکھتے ہیں کہ جن ہاتھوں سے یہ مرادیں پوری ہوئی ہیں وہ تمنا بھی انہیں ہاتھوں سے پوری ہوگی اور وہ آرزو یہ ہے کہ روز جمعہ ایک اسلامی عظیم الشان تہوار ہے اور قرآن شریف نے خاص کر کے اس دن کو تعطیل کا دِن ٹھہرایا ہے اور اس بارے میں خاص ایک سورۃ قرآن شریف میں موجود ہے جس کا نام سورۃ الجمعۃ ہے اور اس میں حکم ہے کہ جب جمعہ کی بانگ دی جائے تو تم دنیا کا ہر ایک کام بند کردو اور مسجدوں میں جمع ہوجاؤ اور نماز جمعہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو اور جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ سخت گنہ گار ہے اور قریب ہے کہ اسلام سے خارج ہو اور جس قدر جمعہ کی نماز اور خطبہ سننے کی قرآن شریف میں تاکید ہے اس قدر عید کی نماز کی بھی تاکید نہیں۔ اسی غرض سے قدیم سے اور جب سے کہ اسلام ظاہر ہوا ہے جمعہ کی تعطیل مسلمانوں میں چلی آئی ہے اور اس ملک میں بھی برابر آٹھ سو برس تک یعنی جب تک کہ اس ملک میں اسلام کی سلطنت رہی جمعہ میں تعطیل ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے ریاست پٹیالہ میں جمعہ کی تعطیل ان دنوں تک ہوتی رہی اور اس ملک میں تین قومیں ہیں۔ ہندو، عیسائی، مسلمان۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کو ان کے مذہبی رسوم کا دن گورنمنٹ نے دیا ہوا ہے یعنی اتوار جس میں وہ اپنے مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں جس کی تعطیل عام طور پر ہوتی ہے لیکن یہ تیسرا فرقہ یعنی مسلمان اپنے تہوار کے دن سے یعنی جمعہ سے محروم ہیں۔ برٹش انڈیا میں کون مسلمان ہے جو آہ مار کر

یہ نہیں کہتا کہ کاش جمعہ کی تعطیل ہوتی لیکن اس کرزنی دور میں جبکہ لارڈ کرزن اس ملک کے وائسرائے ہیں مسلمانوں کو اس تمنا کے پورے ہونے میں بہت کچھ امید بڑھ گئی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جبکہ لارڈ موصوف نے دلی فیاضی اور ہمدردی سے ان کی مساجد واگذار کرادی ہیں تو پھر وہ امر جو مسجدوں کی علت غائی ہے یعنی نماز جمعہ، یہ امر بھی انہی ہاتھوں سے انجام پذیر ہوگا۔ مسجد تو مثل دسترخوان یا میز کے ہے جس پر روٹی رکھی جاتی ہے مگر نماز جمعہ اصل روٹی ہے۔ تمام مساجد کی بڑی بھاری غرض نماز جمعہ ہے پس کیا ہمارے عالی ہمت وائسرائے لارڈ کرزن یہ روا رکھیں گے کہ وہ ہمیں دسترخوان تو دیں مگر روٹی نہ دیں۔ ایسی دعوت تو ناقص ہے اور امید نہیں کہ ایسا فیاض دل جوانمرد ایسی کمی کو اپنے پر گوارا کرے اور اگر ایسا ہمدرد وائسرائے جس کے بعد کم امید ہے کہ اس کی نظیر ملے اس فیاضی کی طرف توجہ نہ فرماوے تو پھر اس کے بعد عقل تجویز نہیں کرسکتی کہ مسلمانوں کے لئے کبھی وہ دن آوے کہ دوسرے وائسرائے سے یہ مراد پاسکیں۔ یہ ایک ایسی مراد ہے کہ اس کا انجام پذیر ہونا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ برطانیہ کی محبت کی طرف ایک زبردست کشش سے کھینچ لے گا اور ان احسانوں کی فہرست میں جو اس گورنمنٹ نے مسلمانوں پر کئے ہیں اگر یہ احسان بھی کیا گیا کہ عام طور پر جمعہ کی تعطیل دی جائے تو یہ ایسا احسان ہوگا کہ جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہوگا..... اگر گورنمنٹ اس مبارک دن کی یادگار کے لئے مسلمانوں کے لئے جمعہ کی تعطیل کھول دے یا اگر نہ ہوسکے تو نصف دن کی ہی تعطیل دے دے تو میں سمجھ نہیں سکتا کہ عام دلوں کو خوش کرنے کے لئے اس سے زیادہ کوئی کارروائی ہے مگر چونکہ گورنمنٹ کی فیاضی کا تنگ دائرہ نہیں ہے اور اگر توجہ پیدا ہو تو اس کی کچھ پروا نہیں ہے اس لئے صرف نصف دن کی تعطیل ایک ادنیٰ بات ہے۔ یقین ہے کہ گورنمنٹ عالیہ اس مبارک یادگار میں پورے دن کی تعطیل عنایت فرمائے گی اور یہی مسلمانوں کو توقع ہے۔

(الحکم 24 جنوری 1903ء صفحہ 5-6)

اگر جمعہ کا خطبہ ثانیہ نہ آتا ہو

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کے بعد میں قادیان جاتا رہا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا رہا کہ جمعہ کی نماز میں پڑھاتا اور حضرت صاحب اور حافظ حامد علی صرف مقتدی ہوتے۔ میں نے کہا مجھے خطبہ پڑھنا نہیں آتا۔ حضورؑ نے فرمایا: ''کوئی رکوع پڑھ کر اور بیٹھ کر کچھ درود شریف پڑھ دو۔ انہی دنوں الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ، عبدالحق اکاؤنٹنٹ اور حافظ محمد یوسف سب اوورسیئر تینوں مولوی عبدالحق صاحب غزنوی کے مرید تھے۔ یہ بہت آیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا موقعہ ہوا ہے کہ میں قادیان گیا ہوں تو یہ بھی وہاں ہوتے۔'' (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 29)

قضاء عمری

ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ قضاء عمری کیا شے ہے جو کہ لوگ (عیدالاضحیٰ) کے پیشتر جمعہ کو ادا کرتے ہیں۔ فرمایا:

میرے نزدیک یہ فضول باتیں ہیں۔ ان کی نسبت وہی جواب ٹھیک ہے جو کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیا تھا جبکہ ایک شخص ایک ایسے وقت نماز ادا کر رہا تھا جس وقت میں نماز جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے اسے جواب دیا کہ مَیں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا۔ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى عَبْدًا إِذَا صَلّٰى (العلق :10-11) یعنی تو نے دیکھا اس کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے۔ نماز جو رہ جاوے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا ہاں روزہ کا ہوسکتا ہے۔

اور جو شخص عمداً سال بھر اس لئے نماز کو ترک کرتا ہے کہ قضا عمری والے دن ادا کرلوں گا وہ تو گنہگار ہے اور جو شخص نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اس نیت سے پڑھتا ہے کہ آئندہ

نماز ترک نہ کروں گا تو اس کے لئے حرج نہیں۔ ہم تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ ہی کا جواب دیتے ہیں۔ (البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 114)

ایک شخص نے سوال کیا کہ میں چھ ماہ تک تارکِ صلوٰۃ تھا۔ اب میں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟ فرمایا

''نماز کی قضاء نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے۔''

(بدر 24 تا 31 دسمبر 1908ء صفحہ 5)

عورتوں کے لئے جمعہ کا استثناء

ایک صاحب نے عورتوں پر جمعہ کی فرضیت کا سوال کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اس میں تعامل کو دیکھ لیا جاوے اور جو امر سنّت اور حدیث سے ثابت ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس کی تفسیر کیا کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جب مستثنیٰ کر دیا ہے تو پھر یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہی رہا۔ (البدر 11 ستمبر 1903ء صفحہ 366)

قادیان میں عید الفطر

اخبار البدر قادیان نے عید الفطر کی تقریبِ سعید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لنگر خانہ میں نماز عید سے پیشتر احباب کے لئے میٹھے چاول تیار کروائے اور سب احباب نے تناول فرمائے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے ایک دو ماسٹروں نے مدرسہ کے مکین اور یتیم طلباء کے واسطے صدقہ فطر جمع کیا جو کہ عید کی نماز سے پیشتر ہی ہر ایک مومن کو ادا کر دینا چاہئے۔ گیارہ بجے کے قریب خدا کا برگزیدہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ سادے لباس میں ایک چوغہ زیب تن کئے ہوئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لایا جس قدر احباب تھے انہوں نے دوڑ دوڑ کر حضرت اقدس کی دست بوسی اور عید کی مبارک باد دی۔ اتنے میں حکیم نور الدین صاحب تشریف لائے اور آپ نے نماز عید کی

پڑھائی اور ہر دو رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پیشتر سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام نے گوش مبارک تک حسبِ دستور اپنے ہاتھ اُٹھائے۔

(البدر 9 جنوری 1903ء صفحہ 85)

عیدین کی تکبیرات

حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ ''پیارے احمد کی پیاری پیاری باتیں'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

مجھے خوب یاد ہے نماز عیدین تو حضرت خلیفہ اولؓ ہی پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے بڑ کے درخت کے نیچے جا کر فرمایا کہ ہمیشہ تو مولوی نورالدین صاحب نماز پڑھاتے ہیں۔ آج سید محمد احسن صاحب کو کہہ دیں کہ یہ نماز پڑھا دیں اور خطبہ بھی یہی پڑھا دیں۔ میں نے یہ بات خلیفہ اولؓ سے کہہ دی، انہوں نے فرمایا کہ بہتر ہے۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب (امروہی) آج تم نماز پڑھاؤ۔ پس مولوی صاحب نے نماز پڑھائی۔ نماز سے پہلے مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بخاری میں اول رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں بھی آئی ہیں۔ ارشاد ہو تو کروں؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے، بے شک اب ایسا ہی کرو۔ بات یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح سے عید کی نماز پڑھی جاتی تھی جیسے کہ حنفی تین تکبیریں کہتے ہیں۔ مگر اس سال سے سات اور پانچ تکبیریں عام رائج ہو گئیں۔ (الحکم مورخہ 14 تا 21 مئی 1919 صفحہ 6)

خطیب اور امام الگ الگ ہو سکتے ہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں پہنچ کر حسبِ معمول مخدومنا حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی اقتداء میں نماز عید ایک خاصے مجمع سمیت ادا فرمائی مگر خطبہ عید حضرت اقدسؑ نے دیا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 367)

مساجد

مساجد کیسی ہوں

فرمایا:

اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانہ خدا ہوتا ہے جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہوگئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیے پھر خدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا لیکن شرط یہ ہے کہ قیامِ مسجد میں نیت بہ اخلاص ہو۔ محض لِلّٰہِ اُسے کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی شر کو ہرگز دخل نہ ہو، تب خدا برکت دے گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد مرصّع اور پکی عمارت کی ہو۔ بلکہ صرف زمین روک لینی چاہیے اور وہاں مسجد کی حد بندی کر دینی چاہیے اور بانس وغیرہ کا کوئی چھپر وغیرہ ڈال دو کہ بارش وغیرہ سے آرام ہو۔ خدا تعالیٰ تکلفات کو پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کی مسجد چند کھجوروں کی شاخوں کی تھی اور اسی طرح چلی آئی پھر حضرت عثمانؓ نے اس لیے کہ ان کو عمارت کا شوق تھا اپنے زمانہ میں اسے پختہ بنوایا۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اور عثمانؓ کا قافیہ خوب ملتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے ان کو ان باتوں کا شوق تھا۔ غرضیکہ جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو اور وعظ وغیرہ کرے ور جماعت کے لوگوں کو چاہیے کہ سب مل کر اسی مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ جماعت اور اتفاق میں بڑی برکت ہے۔ پراگندگی سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے اور یہ وقت ہے کہ اس وقت اتحاد اور اتفاق کو بہت ترقی دینی چاہیے اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے جو کہ پھوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

(البدر 24/اگست 1904ء صفحہ 8)

مسجد کا ایک حصہ مکان میں ملانا

ایک شخص نے سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ میرے دادا نے مکان کے ایک حِصّہ ہی کو مسجد بنایا تھا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی تو کیا اس کو مکان میں ملا لیا جاوے؟ فرمایا

''ہاں، ملا لیا جاوے۔'' (الحکم 17؍اکتوبر 1902ء صفحہ 11)

ایک مسجد کے لئے چندہ کی درخواست

کہیں سے خط آیا کہ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرّکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

ہم تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں جن کے مقابل میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے تو ہم کس طرح سے شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے۔اب لوگوں کو چاہئے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس ایک شخص آیا کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں۔آپ بھی اِس میں کچھ چندہ دیں۔انہوں نے عذر کیا کہ مَیں اس میں کچھ نہیں دے سکتا۔ حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ دیتے۔اس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرّکاً کچھ دے دیجئے۔آخر انہوں نے ایک دَوَنی کے قریب سکہ دیا۔شام کے وقت وہ شخص دَوَنی لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! یہ تو کھوٹی نِکلی ہے۔وہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا خوب ہوا۔ دراصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ مَیں کچھ دوں۔مسجدیں بہت ہیں اور مجھے اس میں اسراف معلوم ہوتا ہے۔ (الحکم 24 مئی 1901ء صفحہ 9)

نماز جنازہ اور تدفین

سورۃ یٰسین کی سنت پر عمل کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوریؓ نے بیان کیا کہ بشیر اوّل کی پیدائش کے وقت مَیں قادیان میں تھا۔قریباً آدھی رات کے وقت حضرت مسیح موعودؑ مسجد میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ اس وقت ہمارے گھر میں دردِ زہ کی بہت تکلیف ہے۔آپ یہاں یٰسین پڑھیں اور میں اندر جا کر پڑھتا ہوں اور فرمایا کہ یٰسین کا پڑھنا بیمار کی تکلیف کو کم کرتا ہے۔چنانچہ نزع کی حالت میں بھی اسی لئے یٰسین پڑھی جاتی ہے کہ مرنے والے کو تکلیف نہ ہو اور یٰسین کے ختم ہونے سے پہلے تکلیف دور ہو جاتی ہے۔اس کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے اور میں یٰسین پڑھنے لگ گیا تھوڑی دیر کے بعد جب میں نے ابھی یٰسین ختم نہیں کی تھی۔آپ مسکراتے ہوئے پھر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا ہمارے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔اس کے بعد حضرت صاحب اندر تشریف لے گئے اور میں خوشی کے جوش میں مسجد کے اوپر چڑھ کر بلند آواز سے مبارک باد مبارک باد کہنے لگ گیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 66)

وفات کے متعلق عوام کے بعض غلط تصورات

فرمایا:

جمعہ کے دن مرنا، مرتے وقت ہوش کا قائم رہنا یا چہرہ کا رنگ اچھا ہونا۔ان علامات کو ہم قاعدہ کلیہ کے طور سے ایمان کا نشان نہیں کہہ سکتے کیونکہ کئی دہریہ بھی اس دن مرتے ہیں۔ان کا ہوش قائم اور چہرہ سفید رہتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ بعض امراض ہی ایسے ہیں مثلاً دق وسل کہ ان کے مریضوں کا اخیر تک ہوش قائم رہتا ہے بلکہ طاعون کی بعض قسمیں بھی ایسی ہی

ہیں۔ہم نے بعض دفعہ دیکھا کہ مریضوں کو کلمہ پڑھایا گیا اور یٰسین بھی سنائی۔ بعدازاں وہ بچ گیا اور پھر وہی برے کام شروع کر دیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدق دل سے ایمان نہیں لایا۔ اگر سچی توبہ کرتا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا اصل میں اس وقت کا کلمہ پڑھنا ایمان لانا نہیں۔ یہ تو خوف کا ایمان ہے جو مقبول نہیں۔ (بدر 16 جنوری 1908ء صفحہ 3)

غسلِ میت۔ بیری کے پتوں کا استعمال

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میر شفیع احمد صاحب محقق دہلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت مَیں لاہور میں تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں رہا کرتا تھا۔ جب آپ فوت ہوئے تو مَیں اور ایک اور احمدی نوجوان حضرت صاحب کے غسل دینے کے لئے بیری کے پتے لینے گئے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ کس بزرگ نے پتے لانے کے لئے کہا تھا۔ مَیں روتا جارہا تھا اور اسلامیہ کالج کے پشت پر کچھ بیریاں تھیں وہاں سے پتے توڑ کر لایا تھا۔ گرم پانی میں ان پتوں کو کھولا کر اس پانی سے حضور کو غسل دیا گیا تھا۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 749)

سب کا جنازہ پڑھ دیا

قاضی سیّد امیر حسین صاحب کا ایک چھوٹا بچہ فوت ہونے پر جنازے کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لے گئے اور خود ہی جنازہ پڑھایا۔ عموماً جنازے کی نمازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اگر موجود ہوتے تو خود ہی امامت کرتے۔ اس وقت نماز جنازہ میں شامل ہونے والے دس پندرہ آدمی ہی تھے۔ بعد سلام کسی نے عرض کی کہ حضورؑ میرے لئے بھی دعا کریں۔ فرمایا: میں نے تو سب کا ہی جنازہ پڑھ دیا ہے۔ مراد یہ تھی کہ جتنے لوگ نماز جنازہ میں شامل ہوئے تھے، اُن سب کے لئے نماز جنازہ کے اندر حضرت صاحبؑ نے دعائیں کر دی تھیں۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 161۔162)

حضرت مسیح ناصریؑ کا جنازہ

ڈاکٹر سید عبدالستار صاحب رعیہ نے عرض کی کہ ایک شخص منشی رحیم بخش عرضی نویس بڑا سخت مخالف تھا مگر اب تحفہ گولڑویہ پڑھ کر اس نے مسیح کی موت کا تو اعتراف کر لیا ہے اور یہ بھی مجھ سے کہا کہ مسیح کا جنازہ پڑھیں؟ میں نے تو یہی کہا کہ بعد استصواب و استمزاج حضرت اقدس جواب دوں گا۔ فرمایا:۔

''جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے کچھ حرج نہیں۔ وہ پڑھ لیں۔''

(الحکم 10 نومبر 1902ء صفحہ 7)

خاندانی قبرستان میں دعا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب ایک دفعہ غیر معمولی طور پر غرب کی طرف سیر کو گئے تو راستے سے ہٹ کر عید گاہ والے قبرستان میں تشریف لے گئے اور پھر آپ نے قبرستان کے جنوب کی طرف کھڑے ہو کر دیر تک دعا فرمائی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کوئی خاص قبر سامنے رکھی تھی؟ مولوی صاحب نے کہا میں نے ایسا نہیں خیال کیا اور میں نے اس وقت دل میں یہ سمجھا تھا کہ چونکہ اس قبرستان میں حضرت صاحب کے رشتہ داروں کی قبریں ہیں اس لئے حضرت صاحب نے دعا کی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ وہاں ایک دفعہ حضرت صاحب نے اپنی والدہ صاحبہ کی قبر پر دعا کی تھی۔ مولوی صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ جب حضرت صاحب کی لڑکی امۃ النصیر فوت ہوئی تو حضرت صاحب اسے اسی قبرستان میں دفنانے کے لئے لے گئے تھے اور آپ خود اسے اُٹھا کر قبر کے پاس لے گئے۔ کسی نے آگے بڑھ کر حضور سے لڑکی کو لینا چاہا مگر آپ نے فرمایا کہ میں خود لے جاؤں گا اور حافظ روشن علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت صاحب نے وہاں اپنے کسی بزرگ کی قبر بھی دکھائی تھی۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 203، 204)

چہلم کی حکمت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے یعنی مُردے کے مرنے سے چالیسویں دن کھانا کھلا کر تقسیم کرتے ہیں غیر مقلد اس کے بہت مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھانا کھلانا ہو تو کسی اور دن کھلا دیا جائے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ چالیسویں دن غربا میں کھانا تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ یہ مردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے۔ پس جس طرح لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دیا جاتا ہے اسی طرح مردے کی روح کی رخصت پر بھی غرباء میں کھانا دیا جاتا ہے تا اسے اس کا ثواب پہنچے۔ گویا روح کا تعلق اس دنیا سے پورے طور پر چالیس دن میں قطع ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ صرف حضرت صاحب نے اس رسم کی حکمت بیان کی تھی ورنہ آپ خود ایسی رسوم کے پابند نہ تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 167، 168)

مزاروں کی زیارت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ محترمہ کنیز فاطمہ صاحبہ اہلیہ میر قاسم علی صاحب نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ حضرت صاحب 1905ء میں دہلی میں تھے اور وہاں جمعہ کو میری بھی بیعت لی۔ اور دعا فرمائی۔ باہر دشمنوں کا بھاری ہجوم تھا۔ میں بار بار آپؑ کے چہرے کی طرف دیکھتی تھی کہ باہر اس قدر شور ہے اور حضرت صاحبؑ ایک شیر کی طرح بیٹھے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا ''شیخ یعقوب علی صاحب کو بلاؤ۔ گاڑی لائیں۔'' میر صاحب نے کہا حضور گاڑی کیا کرنی ہے؟ آپ نے فرمایا ''قطب صاحب جانا ہے۔'' میں نے کہا حضور اس قدر خلقت ہے۔ آپ ان میں سے کیسے گزریں گے؟ آپؑ نے فرمایا ''دیکھ لینا میں ان میں سے نکل جاؤں گا۔'' میر صاحب کی اپنی فٹن بھی

تھی، دو گاڑیاں اور آ گئیں۔ ہم سب حضرت صاحبؑ کے خاندان کے ساتھ گاڑیوں میں بھر کر چلے گئے۔ پہلے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے والد کے مزار پر تشریف لے گئے اور بہت دیر تک دعا فرمائی اور آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے مقبرہ پر تشریف لے گئے۔ آپؑ نے تمام مقبرہ کو خوب اچھی طرح سے دیکھا۔ پھر مقبرہ کے مجاوروں نے حضورؑ سے پوچھا۔ آپ حضرت نظام الدین صاحب کو کیا خیال فرماتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ''ہم انہیں بزرگ آدمی خیال کرتے ہیں۔'' پھر آپؑ نے مقبرہ کے مجاوروں کو کچھ رقم بھی دی جو مجھے یاد نہیں کتنی تھی۔ پھر آپؑ مع مجاوروں کے قطب صاحب تشریف لے گئے۔ وہاں کے مجاوروں نے آپ کو بڑی عزت سے گاڑی سے اتارا اور مقبرہ کے اندر لے گئے کیونکہ مقبرہ نظام الدین اولیاء میں تو عورتیں اندر چلی جاتی ہیں لیکن قطب صاحب میں عورتوں کو اندر نہیں جانے دیتے۔ ان لوگوں نے حضورؑ کو کھانے کے لئے کہا۔ حضورؑ نے فرمایا ''ہم پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہے۔'' وہاں کے مجاوروں کو بھی حضورؑ نے کچھ دیا۔ پھر حضور علیہ السلام وہاں سے شام کو واپس گھر تشریف لے آئے۔ مجاور کچھ راستہ تک ساتھ آئے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 199، 200)

مردہ سے مدد مانگنا جائز نہیں

فرمایا:

مردوں سے مدد مانگنے کا خدا نے کہیں ذکر نہیں کیا بلکہ زندوں ہی کا ذکر فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا جو اسلام کو زندوں کے سپرد کیا۔ اگر اسلام کو مُردوں پر ڈالتا تو نہیں معلوم کیا آفت آتی۔ مردوں کی قبریں کہاں کم ہیں۔ کیا ملتان میں تھوڑی قبریں ہیں ''گرد وگرما گدا و گورستان'' اس کی نسبت مشہور ہے۔ میں بھی ایک بار ملتان گیا۔ جہاں کسی قبر پر جاؤ مجاور کپڑے اتارنے کو گرد ہو جاتے ہیں۔ پاک پٹن میں مردوں کے فیضان سے دیکھ لو کیا ہو رہا ہے؟ اجمیر میں جا کر

دیکھو بدعات اور محدثات کا بازار کیا گرم ہے۔غرض مردوں کو دیکھو گے تو اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ ان کے مشاہد میں سوا بدعات اور ارتکاب مناہی کے کچھ نہیں۔خدا تعالیٰ نے جو صراط المستقیم مقرر فرمایا ہے وہ زندوں کی راہ ہے، مردوں کی راہ نہیں۔پس جو چاہتا ہے کہ خدا کو پائے اور حیّ و قیوم خدا کو ملے، تو وہ زندوں کو تلاش کرے کیونکہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے نہ مردہ، جن کا خدا مردہ ہے، جن کی کتاب مردہ، وہ مردوں سے برکت چاہیں تو کیا تعجب ہے لیکن اگر سچا مسلمان جس کا خدا زندہ خدا، جس کا نبی زندہ نبی، جس کی کتاب زندہ کتاب ہے اور جس دین میں ہمیشہ زندوں کا سلسلہ جاری ہو اور ہر زمانہ میں ایک زندہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے والا آتا ہو۔وہ اگر اس زندہ کو چھوڑ کر بوسیدہ ہڈیوں اور قبروں کی تلاش میں سرگرداں ہو تو البتہ تعجب اور حیرت کی بات ہے!!

(الحکم 24 جولائی 1902ء صفحہ 10، 11)

قبرستان میں جا کر منتیں مانگنا

سوال:۔قبرستان میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:۔''نذر و نیاز کے لیے قبروں پر جانا اور وہاں جا کر منتیں مانگنا درست نہیں ہے ہاں وہاں جا کر عبرت سیکھے اور اپنی موت کو یاد کرے تو جائز ہے۔''

(الحکم 31 مئی 1903ء صفحہ 9 حاشیہ)

میت کو گاڑی پر قبرستان لے جانا

فرمایا:

جو خدانخواستہ اس بیماری (یعنی طاعون۔ناقل) سے مرجائے وہ شہید ہے۔اس کے واسطے ضرورت غسل کی نہیں اور نہ نیا کفن پہنانے کی ضرورت ہے۔اس کے وہی کپڑے رہنے دو اور ہو سکے تو ایک سفید چادر اس پر ڈال دو اور چونکہ مرنے کے بعد میت کے جسم میں زہریلا اثر زیادہ

ترقی پکڑتا ہے اس واسطے سب لوگ اس کے اردگرد جمع نہ ہوں۔ حسب ضرورت دو تین آدمی اس کی چارپائی کو اُٹھائیں اور باقی سب دور کھڑے ہو کر مثلاً ایک سوگز کے فاصلہ پر جنازہ پڑھیں۔ جنازہ ایک دعا ہے اور اس کے واسطے ضروری نہیں کہ انسان میت کے سر پر کھڑا ہو۔ جہاں قبرستان دور ہو مثلاً لاہور میں سامان ہو سکے تو کسی گاڑی یا چھکڑے پر میت کو لاد کر لے جاویں اور میت پر کسی قسم کی جزع فزع نہ کی جاوے۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔

(بدر 4 اپریل 1907ء صفحہ 6)

صبح کے وقت زیارت قبور سنت ہے

حضرت مسیح موعودؑ کے سفر دہلی کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب اخبار بدر لکھتے ہیں:

صبح حضرت مسیح موعودؑ مردانہ مکان میں تشریف لائے۔ دہلی کی سیر کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا: لہو ولعب کے طور پر پھرنا درست نہیں البتہ یہاں بعض بزرگ اولیاء اللہ کی قبریں ہیں۔ ان پر ہم بھی جائیں گے۔ فرمایا:

ایسے بزرگوں کی فہرست بناؤ تا کہ جانے کے متعلق انتظام کیا جائے۔

حاضرین نے یہ نام لکھائے۔ (1) شاہ ولی اللہ صاحب (2) خواجہ نظام الدین صاحب (3) جناب قطب الدین صاحب (4) خواجہ باقی باللہ صاحب (5) خواجہ میر درد صاحب (6) جناب نصیر الدین صاحب چراغ دہلی۔

چنانچہ گاڑیوں کا انتظام کیا گیا اور حضرت بمع خدام گاڑیوں میں سوار ہو کر سب سے اوّل حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر پہنچے۔ راستہ میں حضرت نے زیارت قبور کے متعلق فرمایا:

”قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارت قبور کے لیے ایک سنت ہے۔ یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آ جاتا ہے۔ انسان اس دنیا میں مسافر ہے۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان قبر پر

جاوے تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّااِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ ۔''

(بدر 31/اکتوبر 1905ء صفحہ 1)

قبر پر جا کر کیا دعا کرنی چاہئے؟

حضرت مسیح موعودؑ کے سفر دہلی کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب اخبار بدر لکھتے ہیں:

خواجہ باقی باللہ کے مزار پر جب ہم پہنچے تو وہاں بہت سی قبریں ایک دوسرے کے قریب قریب اور اکثر زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ میں نے غور سے دیکھا کہ حضرت اقدس نہایت احتیاط سے ان قبروں کے درمیان سے چلتے تھے تا کہ کسی کے اوپر پاؤں نہ پڑے۔ قبر خواجہ صاحب پر پہنچ کر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور دعا کو لمبا کیا۔ بعد دعا میں نے عرض کی کہ قبر پر کیا دعا کرنی چاہیے تو فرمایا:

''صاحب قبر کے واسطے دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اپنے واسطے بھی خدا تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیے۔ انسان ہر وقت خدا کے حضور دعا کرنے کا محتاج ہے۔''

قبر کے سرہانے کی طرف ایک نظم خواجہ صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے۔ بعد دعا آپ نے وہ نظم پڑھی اور عاجز راقم کو حکم دیا کہ اس کو نقل کر لو۔

(بدر 31/اکتوبر 1905ء صفحہ 1)

ایک اور موقع پر اخبار بدر کے ڈائری نویس لکھتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع خدام سیر کرنے کے واسطے صبح باہر نکلے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔ بعد دعا کے ایک شخص نے چند سوال کئے جو اس کالم میں درج کرنے کے لائق ہیں۔

سوال۔ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہئے؟

جواب۔ ’’میت کے واسطے دعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ اس کے ان قصوروں اور گناہوں کو بخشے جو اُس نے اس دنیا میں کئے تھے اور اس کے پس ماندگان کے واسطے بھی دعا کرنی چاہئے۔‘‘

سوال۔ دعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہئے؟

جواب۔ ’’یہ تکلفات ہیں۔تم اپنی ہی زبان میں جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے۔میت کے واسطے دعا کرو۔‘‘

(بدر 19 جنوری 1906ء صفحہ 6)

حفاظت کے خیال سے پختہ قبر بنانا جائز ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میرا بھائی فوت ہوگیا ہے میں اس کی قبر پکی بناؤں یا نہ بناؤں۔فرمایا:

اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکی قبریں اور نقش ونگار اور گنبد بنائے جائیں تو یہ حرام ہے لیکن اگر خشک مُلاّ کی طرح یہ کہا جائے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچی ہی اینٹ لگائی جائے تو یہ بھی حرام ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ عمل نیت پر موقوف ہے۔ہمارے نزدیک بعض وجوہ میں پکی کرنا درست ہے مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے،بعض جگہ قبر میں سے میت کو کتے اور بجو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں۔مردے کے لئے بھی ایک عزت ہوتی ہے۔اگر ایسے وجوہ پیش آجائیں تو اس حد تک کہ نمود اور شان نہ ہو بلکہ صدمے سے بچانے کے واسطے قبر کا پکا کرنا جائز ہے۔اللہ اور رسول نے مومن کی لاش کے واسطے بھی عزت رکھی ہے۔ورنہ عزت ضروری نہیں تو غسل دینے،کفن دینے،خوشبو لگانے کی کیا ضرورت ہے۔مجوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو۔مومن اپنے لئے ذلت نہیں چاہتا،حفاظت ضروری ہے۔جہاں تک نیت صحیح ہے خدا تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرتا۔دیکھو مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کے پختہ گنبد ہو اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں مثلاً نظام الدین،فریدالدین،

قطب الدین، معین الدین رحمۃ اللہ علیہم۔ یہ سب صلحاء تھے۔

(الحکم 17 مئی 1901ء صفحہ 12)

قبروں کی حفاظت اور درستگی کروانا

حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض قبروں کی درستگی کے لئے ایک خط لکھا جس میں آپ نے لکھا:

مقبرہ بہشتی میں قبروں کی بری حالت ہے ایک تو قبروں میں نالیوں کی وجہ سے سیلاب ویسے ہی رہتا ہے اور یہ نالیاں درختوں کے لئے ضروری ہیں پھر اس پر یہ زیادہ ہے۔ پانی جو آیا کرتا ہے اس کی سطح سے یہ قبریں کوئی دو فٹ نیچی ہیں۔ اب معمولی آب پاشی ہے اور ان بارشوں سے اکثر قبریں دب جاتی ہیں۔ پہلے صاحب نور اور غوثاں کی قبریں دب گئی تھیں ان کو میں (نے) درست کرا دیا تھا۔ اب پھر یہ قبریں دب گئی ہیں اور یہ پانی صاف نظر آتا ہے کہ نالیوں کے ذریعہ گیا ہے۔ پس اس کے متعلق کوئی ایسی تجویز تو میر صاحب فرمائیں گے کہ جس سے روز کے قبروں (کے) دبنے کا اندیشہ جاتا رہے مگر میرا مطلب اس وقت اس عریضہ سے یہ ہے کہ ابھی تو معمولی بارش سے یہ قبریں دبی ہیں پھر معلوم نہیں کوئی رَو آ گیا تو کیا حالت ہوگی۔

اس لئے نہایت ادب سے عرض ہے کہ اگر حضور حکم دیں تو میں اپنے گھر کے لوگوں کی قبر کو پختہ کر دوں اور ایک (دو) دوسری قبریں بھی یا (جیسا) حضور حکم دیں ویسا کیا جائے۔

اس کے جواب میں حضورؑ نے تحریر فرمایا:

''میرے نزدیک اندیشہ کی وجہ سے کہ تا سیلاب کے صدمہ کی وجہ سے نقصان (نہ ہو) پختہ کرنے میں کچھ نقصان نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات باقی رہے مخالف لوگوں کے اعتراضات تو وہ تو کسی طرح کم نہیں ہو سکتے۔''

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 310)

کیا فاتحہ خوانی جائز ہے

سوال پیش ہوا کہ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ فاتحہ خوانی ایک دعائے مغفرت ہے پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فرمایا:

''ہم تو دیکھتے ہیں وہاں سوائے غیبت اور بے ہودہ بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی کریمؐ یا صحابہ کرامؓ وائمہ عظام میں سے کسی نے یوں کیا؟ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی؟ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں، ناجائز ہے۔ جو جنازہ میں شامل نہ ہوسکیں وہ اپنے طور سے دعا کریں یا جنازہ غائب پڑھ دیں۔''

(بدر 9 مئی 1907ء صفحہ 5)

کھانے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ محرم کے دنوں، اِمامَین کی روح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:

''عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ شِرک کی رسومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسومات کا کرنا ناجائز ہے۔''

(الحکم 17 مئی 1901ء صفحہ 12)

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی شخص حضرت سید عبدالقادر کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا پکا کر کھلا دے تو کیا یہ جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا:

طعام کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر اگر طعام پکا کر کھلایا جائے تو یہ جائز ہے لیکن ہر ایک امر نیت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کے

کھانے کے واسطے کوئی خاص تاریخ مقرر کرے اور ایسا کھانا کھلانے کو اپنے لیے قاضی الحاجات خیال کرے تو یہ ایک بت ہے اور ایسے کھانے کا لینا دینا سب حرام ہے اور شرک میں داخل ہے۔ پھر تاریخ کے تعین میں بھی نیت کا دیکھنا ہی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ملازم ہے اور اُسے مثلاً جمعہ کے دن ہی رخصت مل سکتی ہے تو ہرج نہیں کہ وہ اپنے ایسے کاموں کے واسطے جمعہ کا دن مقرر کرے۔ غرض جب تک کوئی ایسا فعل نہ ہو جس میں شرک پایا جائے صرف کسی کو ثواب پہنچانے کی خاطر طعام کھلانا جائز ہے۔ (بدر 8 راگست 1907ء صفحہ 5)

میت کی طرف سے صدقہ خیرات کرنا اور قرآن شریف کا پڑھنا

سوال۔ کیا میّت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواب۔ میّت کو صدقہ خیرات جو اس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی بجائے دعا ہے جو میت کے حق میں کرنی چاہئے۔ میت کے حق میں صدقہ خیرات اور دعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سنت سے ثابت ہے لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جائے کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مہر لگاتا ہے۔

(بدر 19 جنوری 1906ء صفحہ 6)

حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ ''پیارے احمد کی پیاری پیاری باتیں'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں حسبِ دستور حضرت اقدس علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ جو قرآن شریف پڑھ کر مردوں کی روح کو ثواب پہنچاتے ہیں، اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:

پہلے علماء میں اختلاف ہے.... کلام اور کلام اللہ کا ثواب ہمارے نزدیک مُردوں کو نہیں پہنچتا۔ قرآن شریف عمل کرنے کے واسطے آیا ہے نہ کہ طوطے کی طرح پڑھنا.... ثواب پہنچانے کے واسطے اگر یہ ہوتا بھی تو قرآن شریف میں ذکر ہوتا۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن شریف نازل ہوا ہے وہ اس کے اَوَّلُ الْمُسْتَحِقِّیْن تھے۔ آپ کی نسبت اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْن تو آ گیا ہے اور دیکھو قرآن شریف میں آیا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب:57) یعنی اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھیجو۔ درود کے معنی دعا ہی کے ہیں اور سلام کے معنی دعا ہی کے ہیں۔ دعا ہی آئی ہے۔ یہ نہیں آیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر قرآن پڑھ پڑھ کر ثواب پہنچاتے ہیں اے ایمان والو تم بھی قرآن پڑھ پڑھ کر نبی کی روح کو سلام پہنچایا کرو.... قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا، دعا کرنی چاہئے اور دعا ہی حدیثوں میں آئی ہے۔ چنانچہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ الخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ یہ عمل کرنے کے واسطے ہے تا کہ اس پر عمل کر کے خدا تک انسان پہنچ جاوے اور خدا سے پختہ پیوند و تعلق ہو جاوے اور منازل سلوک طے ہو جاویں وغیرہ وغیرہ۔ ہاں صدقات و خیرات کا ثواب پہنچتا ہے۔ (الحکم مورخہ 14 تا 21 مئی 1919 صفحہ 8)

جس کے ہاں ماتم ہو اُس کے ساتھ ہمدردی

حضرت کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ کیا یہ جائز ہے کہ جب کارقضا کسی بھائی کے گھر میں ماتم ہو جائے تو دوسرے دوست اپنے گھر میں اس کا کھانا تیار کریں۔ فرمایا

''نہ صرف جائز بلکہ برادرانہ ہمدردی کے راہ سے یہ ضروری ہے کہ ایسا کیا جاوے۔''

(بدر 11 جولائی 1907ء صفحہ 3)

کسی احمدی کا طاعون سے مرنا

فرمایا:

مخالفین کا یہ اعتراض کہ بعض ہماری جماعت کے آدمی طاعون سے کیوں مرتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ہم نے کبھی کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کی کہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی شخص کبھی طاعون میں گرفتار نہ ہوگا۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ اول طبقہ کے لوگ اس قسم کی بیماری میں گرفتار ہوکر نہیں مرتے۔کوئی نبی،صدیق،ولی کبھی طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی طاعون ہوئی تھی۔مگر کیا حضرت عمرؓ پر بھی اس کا کوئی اثر ہوا تھا؟عظیم الشان صحابہؓ میں سے کوئی طاعون میں گرفتار نہیں ہوا۔ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے مرا ہے؟ ہاں اس میں شک نہیں کہ ایسی بیماری کے وقت بعض ادنیٰ طبقہ کے مومنین (طاعون۔ناقل) میں گرفتار ہوتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔خدا تعالیٰ ان کی کمزوریوں اور گناہوں کو اس طرح سے غفر کرتا ہے جیسا کہ ان جہادوں میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ کئے۔اگرچہ پہلے سے پیشگوئی تھی کہ ان جہادوں میں کفار جہنم میں گرائے جائیں گے۔تاہم بعض مسلمان بھی قتل کئے گئے مگر اعلیٰ طبقہ کے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ جیسوں میں سے کوئی شہید نہیں ہوا، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جنگ میں شہادت میں اعلیٰ درجہ کے لوگ شامل نہیں ہوتے اسی طرح طاعون میں بھی اگر ہماری جماعت کا کوئی آدمی گرفتار ہو جائے تو یہ اس کے واسطے شہادت ہے اور خدا تعالیٰ اس کا اس کو اجر دے گا۔ (بدر 16 مئی 1907ء صفحہ 3)

احمدی شہید کا جنازہ فرشتے پڑھتے ہیں

ذکر تھا کہ بعض جگہ چھوٹے گاؤں میں ایک ہی احمدی گھر ہے اور مخالف ایسے متعصب ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی احمدی مر جائے گا تو ہم جنازہ بھی نہ پڑھیں گے۔حضرت نے فرمایا کہ

ایسے مخالفوں کا جنازہ پڑھا کر احمدی نے کیا لینا ہے۔ جنازہ تو دعا ہے۔ جو شخص خود ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک مَغْضُوْب عَلَیْھِم میں ہے۔اس کی دعا کا کیا اثر ہے؟ احمدی شہید کا جنازہ خود فرشتے پڑھیں گے۔ایسے لوگوں کی ہرگز پروانہ کرو اور اپنے خدا پر بھروسہ کرو۔

(بدر 16 مئی 1907ء صفحہ 3)

غیراحمدیوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا

فرمایا:۔

اگر مُتوفّٰی بالجھر مکفّر اور مکذّب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں کیونکہ علّام الغیوب خدا کی پاک ذات ہے۔

فرمایا۔ جو لوگ ہمارے مکفّر ہیں اور ہم کو صریحًا گالیاں دیتے ہیں۔اُن سے السلام علیکم مت لو اور نہ اُن سے مِل کر کھانا کھاؤ۔ ہاں خرید و فروخت جائز ہے اس میں کسی کا احسان نہیں۔

جو شخص ظاہر کرتا ہے کہ مَیں نہ اُدھر کا ہوں اور نہ اِدھر کا ہوں اصل میں وہ بھی ہمارا مکذّب ہے اور جو ہمارا مصدِّق نہیں اور کہتا ہے کہ مَیں ان کو اچھا جانتا ہوں۔ وہ بھی مخالف ہے ایسے لوگ اصل میں منافق طبع ہوتے ہیں۔اُن کا یہ اصول ہوتا ہے کہ

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

ان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلّق نہیں ہوتا۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے۔مگر یاد رکھو کہ جو شخص ایک طرف کا ہوگا اس سے کسی نہ کسی کا دل ضرور دُکھے گا۔

(البدر 24/اپریل 1903ء صفحہ 105)

ایک اور موقعہ پر آپؑ نے فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منافق کو کُرتہ دیا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ممکن ہے اس نے غرغرہ کے وقت توبہ کر لی ہو، مومن کا کام ہے کہ حسن ظن رکھے اسی لئے

نماز جنازہ کا جواز رکھا ہے کہ ہر ایک کی پڑھ لی جاوے ہاں اگر کوئی سخت معاند ہو یا فساد کا اندیشہ ہے تو پھر نہ پڑھنی چاہئے ہماری جماعت کے سر پر فرضیت نہیں ہے بطور احسان کے ہماری جماعت دوسرے غیر از جماعت کا جنازہ پڑھ سکتی ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبة :104)

اس میں صلوٰۃ سے مراد جنازہ کی نماز ہے اور سَكَنٌ لَّهُمْ دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا گنہگار کو سکینت اور ٹھنڈک بخشتی تھی۔

(البدر 14 نومبر 1902ء صفحہ 19)

طاعون سے مرنے والے مخالفین کا جنازہ

ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے اور اکثر مخالف مکذّب مرتے ہیں ان کا جنازہ پڑھا جاوے کہ نہ؟ فرمایا:

یہ فرض کفایہ ہے اگر کنبہ میں سے ایک آدمی بھی چلا جاوے تو ہو جاتا ہے مگر اب یہاں ایک تو طاعون زدہ ہے کہ جس کے پاس جانے سے خدا روکتا ہے۔ دوسرے وہ مخالف ہے خواہ نخواہ تداخل جائز نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دو اور اگر وہ چاہے گا تو اُن کو خود دوست بنا دے گا یعنی مسلمان ہو جاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو چلایا ہے۔ مداہنہ سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا بلکہ اپنا حصہ ایمان کا بھی گنواؤ گے۔

(البدر 15 مئی 1903ء صفحہ 130)

غیر احمدیوں کا جنازہ پڑھنے کا مسئلہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

ایک سوال غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے کے متعلق کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک یہ مشکل پیش کی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض صورتوں میں جنازہ پڑھنے کی اجازت دی

ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض حوالے ایسے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور ایک خط بھی ملا ہے جس پر غور کیا جائے گا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ چنانچہ آپ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق بھی کرتا تھا جب وہ مرا تو مجھے یاد ہے آپ ٹہلتے جاتے اور فرماتے کہ اس نے کبھی شرارت نہ کی تھی بلکہ میرا فرمانبردار ہی رہا ہے۔ ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا اور شدت مرض میں مجھے غش آ گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑا نہایت درد سے رو رہا تھا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ میری بڑی عزت کیا کرتا تھا لیکن آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا حالانکہ وہ اتنا فرمانبردار تھا کہ بعض احمدی بھی اتنے نہ ہوں گے۔.....

قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو بظاہر اسلام لے آیا ہے لیکن یقینی طور پر اس کے دل کا کفر معلوم ہو گیا ہے تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ پھر غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ (انوار خلافت۔ انوار العلوم جلد 3 صفحہ 148-149)

ایک اور موقع پر حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ فلاں غیر احمدی کا جنازہ حضرت مسیح موعودؑ نے پڑھایا تھا۔ ممکن ہے آپ نے کسی کی درخواست پر پڑھایا ہو لیکن کوئی خدا کی قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو کہا تھا کہ فلاں غیر احمدی فوت ہو گیا ہے۔ آپ اس کا جنازہ پڑھ دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو کہا گیا کہ فلاں کا جنازہ پڑھ دیں اور آپ نے یہ سمجھ کر کہ وہ احمدی ہو گا پڑھ دیا۔ اس طرح ہوا ہو گا۔ میرے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ میں کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھے بھی اس طرح کی ایک بات پیش آئی تھی اور وہ یہ کہ یہاں ایک طالب علم ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اس کا جنازہ پڑھ دیں۔ میں نے پڑھ دیا بعد میں معلوم

ہوا کہ وہ غیر احمدی تھی۔ وہ لڑکا مجھ سے اپنی والدہ کے لئے دعا بھی کراتا رہا کہ وہ احمدی ہو جائے لیکن اس وقت مجھے یاد نہ رہا۔ اسی طرح اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی کا جنازہ پڑھ دیا تو وہ ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ ہاں اگر چند معتبر آدمی حلفیہ بیان کریں کہ ہم نے حضرت مسیح موعود کو کہا تھا کہ فلاں غیر احمدی فوت ہو گیا ہے۔ آپ اس کا جنازہ پڑھ دیں اور پھر آپ نے پڑھ دیا تو ہم مان لیں گے۔ کیا کوئی ایسے شاہد ہیں؟

پس جب تک کوئی اس طرح نہ کرے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آپ نے کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور ہمارے پاس غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنے کے متعلق ایک بہت بڑا ثبوت ہے اور وہ یہ کہ یہاں حضرت مسیح موعودؑ کے اپنے بیٹے کی لاش لائی گئی اور آپ کو جنازہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ پھر سرسید کے جنازہ پڑھنے کے متعلق مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کا خط موجود ہے کہ آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔ کیا وہ آپ کو کافر کہتے تھے ہرگز نہیں۔ ان کا تو مذہب ہی یہ تھا کہ کوئی کافر نہیں ہے۔ جب ان کے جنازہ کے متعلق خط لکھا گیا تو جیسا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مندرجہ ذیل خط میں ایک دوست کو تحریر فرماتے ہیں آپ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا:۔

''متوفّٰی کی خبر وفات سن کر خاموش رہے۔ ہماری لاہور جماعت نے متفقاً زور شور سے عرضداشت بھیجی کہ وہاں جنازہ پڑھا جائے اور پھر نوٹس دیا جائے کہ سب لوگ جماعت کے ہر شہر میں اسی تقلید پر جنازہ پڑھا جائے اور اس سے نوجوانوں کو یقین ہوگا کہ ہمارا فرقہ صلح کُل فرقہ ہے۔ اس پر حضرت صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا اور لوگ نفاق سے کوئی کارروائی کریں تو بچ بھی جائیں مگر ہم پر تو ضرور غضبِ الٰہی نازل ہو۔ اور فرمایا ہم تو ایک محرک کے تحت میں ہیں۔ بغیر اس کی تحریک کے کچھ نہیں کر سکتے نہ ہم کوئی کلمہ بد اس کے حق میں کہتے ہیں اور نہ کچھ اور کرتے ہیں۔ تفویض الی اللہ کرتے ہیں۔ فرمایا جس تبدیلی کے ہم منتظر بیٹھے ہیں۔ اگر ساری دنیا

خوش ہو جائے اور ایک خدا خوش نہ ہو تو کبھی ہم مقصود حاصل نہیں کر سکتے۔''

(الفضل 28/مارچ 1915ء صفحہ 8)

پس ہم کس طرح کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز سمجھ سکتے ہیں۔

(تقریر جلسہ سالانہ 27 دسمبر 1916ء۔ انوار العلوم جلد 3 صفحہ 422-423)

مشتبہ الحال شخص کا جنازہ

سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا اور سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو، اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔''

سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ نماز کا امام حضورؑ کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ فرمایا:

پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اُس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو۔ اور اگر کوئی خاموش رہے، نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

اگر کوئی ایسا آدمی مر جائے جو تم میں سے نہیں اور اس کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے غیر لوگ موجود ہوں اور وہ پسند نہ کرتے ہوں کہ تم میں سے کوئی جنازہ کا پیش امام بنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایسے مقام کو ترک کرو۔ اور اپنے کسی نیک کام میں مصروف ہو جاؤ۔

(الحکم 30 اپریل 1902ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں مجلس افتاء نے حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فتویٰ کی روشنی میں سفارش پیش کی جسے حضورؓ نے منظور فرمایا۔

مجلس کے نزدیک اس خط میں مشتبہ الحال شخص سے مراد ایسا شخص ہے جو اگرچہ باقاعدہ طور پر جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہو مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکذب بھی نہ ہو بلکہ احمدیوں سے میل جول رکھتا ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ایک گونہ تصدیق کرتا ہو ایسے شخص کے جنازہ کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ظاہراً کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اگرچہ انقطاع کو بہتر قرار دیا ہے۔

جماعت احمدیہ کا عمل ایسے شخص کے بارہ میں بھی حضور کے ارشاد کے آخری حصہ پر ہے۔ یعنی انقطاع کو بہرحال بہتر خیال کیا گیا ہے۔ مناسب حالات میں پہلے حصے پر بھی عمل کرنے میں کچھ حرج نہیں (جس کی اجازت لی جاسکتی ہے) بشرطیکہ امام احمدیوں میں سے ہو۔ اگر نماز جنازہ میں امام احمدی نہ ہو سکتا ہو تو پھر ایسے شخص کے جنازہ کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خط مورخہ 23رفروری 1902ء

''جو شخص صریح گالیاں دینے والا، کافر کہنے والا اور سخت مکذب ہے اس کا جنازہ تو کسی طرح درست نہیں مگر جس شخص کا حال مشتبہ ہے گویا منافقوں کے رنگ میں ہے۔ اُس کے لئے کچھ ظاہراً حرج نہیں ہے کیونکہ جنازہ صرف دعا ہے اور انقطاع بہرحال بہتر ہے۔''

(فرمودات مصلح موعودؓ صفحہ 119)

کشفی قوت کے ذریعہ میّت سے کلام ہوسکتا ہے

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب روایت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے۔

''ارواح کا قبور سے تعلق ہے اور ہم اپنے ذاتی تجربہ سے کہتے ہیں کہ مردوں سے کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے کشفی قوت اور حس کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو یہ بات حاصل نہیں۔ روح کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور رُوح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے۔ جہاں اُسے ایک مقام ملتا ہے۔''

(ذکر حبیب حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 187)

مردوں سے استفاضہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ زندگی میں کسی مردے سے تعلق ہو یا مرید کا اپنے پیر سے ہو۔ کیا وہ بھی اس سے فیض پا لیتا ہے؟ فرمایا:

صوفی تو کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد بھی فیض پاتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں ایک دائرہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور مرنے کے بعد وہ دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اس کے سب قائل ہیں چنانچہ یہاں تک بھی مانا ہے کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان سے آئیں گے تو چونکہ وہ علومِ عربیہ سے ناواقف ہوں گے، کیا کریں گے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ علومِ عربیہ پڑھیں گے اور حدیث اور فقہ بھی پڑھیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ امر تو ان کے لیے موجب عار ہے کہ وہ کسی مولوی کے شاگرد ہوں۔ اس لیے مانا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر میں بیٹھیں گے اور وہاں بیٹھ کر استفاضہ کریں گے مگر اصل میں یہ دونوں باتیں غلط ہیں مگر اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ قبور سے استفاضہ ہوسکتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ امر بطریق شرک نہ ہو جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ (الحکم 10 دسمبر 1905ء صفحہ 2 تا 4)

نعش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

حضرت مفتی محمد صادق صاحب؄ تحریر کرتے ہیں:

مرزا ایوب بیگ صاحب ایک ہی ایسے خوش نصیب آدمی ہیں جن کی وفات مقبرہ بہشتی کے قیام سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی مگر حضرت صاحب نے اجازت دی کہ ان کی ہڈیاں فاضلکا ضلع فیروز پور سے صندوق میں لاکر مقبرہ بہشتی میں دفن کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بلند درجات نصیب کرے۔ (ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 7 حاشیہ)

امانتاً دفن شدہ میت کا چہرہ دیکھنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی؄ کی خدمت میں کسی نے سوال کیا کہ میری والدہ کی وفات پر تقریباً

چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ اب تابوت ربوہ لانے کا ارادہ ہے۔ وفات کے وقت میں گھر پر موجود نہیں تھا کیا اب تابوت کھول کر چہرہ دیکھ سکتا ہوں؟

جواب:۔فرمایا۔دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا ایوب بیگ کی نعش کو دیکھنے کی اجازت دی تھی اور وہ تابوت میں بھی نہ تھی مگر لاش کی حالت کے متعلق ڈاکٹر بتا سکتا ہے، مفتی نہیں بتا سکتا۔ اگر لاش کی حالت خراب ہو تو اس سے بُرا اثر پڑتا ہے۔

(فرمودات مصلح موعودؓ در بارہ فقہی مسائل صفحہ 131)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی کی نعش کو جب قبرستان میں سے نکال کر بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا تو اس وقت بھی بعض لوگوں نے چہرہ دیکھنے کی خواہش کی۔ چنانچہ حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

جس دن مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کا جنازہ نکالا اور مقبرہ بہشتی میں لے جانے کا ارادہ کیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست کی کہ جنازہ صندوق کے اندر سے دیکھ لیں۔ ... مگر آپؑ نے اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ جب انہوں نے بہت ہی اصرار کیا تو آپؑ نے کراہت سے اجازت دی مگر مجھے یہ بات نہیں معلوم کہ انہوں نے دیکھا یا نہ دیکھا کیونکہ میں بھی اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ ایک لغو امر ہے جس کے پیچھے یہ پڑے ہوئے ہیں اور حضرت اقدس علیہ السلام کی نافرمانی بھی تھی۔ (الحکم مؤرخہ 14 تا 21 مئی 1919 صفحہ 7)

تدفین کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی کی نعش جس دن قبرستان سے نکال کر بہشتی مقبرہ میں دفن کی گئی تو اس دن آپؑ نے جنازہ نکالنے سے قبل ہاتھ اُٹھا کر قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اور دفن کرنے کے بعد بھی ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ (الحکم 14 تا 21 مئی 1919ء صفحہ 7)

روزہ اور رمضان

فرمایا:

’’اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو، اور ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔‘‘

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

رؤیت ہلال

خدائے تعالیٰ نے احکام دین سہل و آسان کرنے کی غرض سے عوام الناس کو صاف اور سیدھا راہ بتلایا ہے اور ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کیلئے یہ حکم نہیں دیا کہ تم جب تک قواعد ظنیہ نجوم کے رو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند انتیس کا ہوگا یا تیس کا۔ تب تک رویت کا ہرگز اعتبار نہ کرو اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے کہ خواہ نخواہ اعمال دقیقہ نجوم کو عوام الناس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور تکلیف مالا یطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وہ لوگ محتاج منجم و ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ نکلتا ہے اپنی رویت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس کے عدد سے تجاوز نہ کریں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حقیقت میں عندالعقل رویت کو قیاساتِ ریاضیہ پر فوقیت ہے۔ آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رویت کو زیادہ تر معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوت باصرہ طرح طرح کے آلات دور بینی و خورد بینی ایجاد کئے اور بذریعہ رویت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی و سفلی کے متعلق وہ صداقتیں معلوم کرلیں کہ جو ہندوؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی اٹکلوں سے ہزاروں برسوں میں بھی معلوم

نہیں ہوئی تھیں اب آپ نے دیکھا کہ رویت میں کیا کیا برکتیں ہیں انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے رویت کی ترغیب دی۔ ذرہ سوچ کر کے دیکھ لو کہ اگر اہل یورپ بھی رویت کو ہندوؤں کی طرح ایک ناچیز اور بے سود خیال کر کے اور صرف قیاسی حسابوں پر جو کسی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھے گئے مدار رکھتے تو کیونکر یہ تازہ اور جدید معلومات چانداور سورج اور نئے نئے ستاروں کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتے سو مکرر ہم لکھتے ہیں کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رویت میں کیا کیا برکات ہیں اور انجام کار کیا کیا نیک نتائج اس سے نکلتے ہیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 192، 193)

چاند دیکھنے میں غلطی ہو جائے تو کیا کریں؟

سیالکوٹ سے ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ یہاں چاند منگل کی شام کو نہیں دیکھا گیا بلکہ بدھ کو دیکھا گیا ہے (جبکہ رمضان بدھ کو شروع ہو چکا تھا۔ ناقل) اس واسطے پہلا روزہ جمعرات کو رکھا گیا تھا۔ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا:

’’اس کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد ایک اور روزہ رکھنا چاہئے۔‘‘

(بدر 31/اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

چاند دیکھنے کی گواہی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ماہ رمضان کا روزہ خود چاند دیکھ کر تو نہیں بعض غیر احمدیوں کی شہادت پر روزہ رکھ لیا اور اسی دن (ہم) قادیان قریباً ظہر کے وقت پہنچے اور یہ ذکر کیا کہ ہم نے روزہ رکھا ہوا ہے اور حضور علیہ السلام بھی مسجد میں تشریف لے آئے۔ اسی وقت احادیث کی کتابیں مسجد میں ہی منگوائی گئیں اور بڑی توجہ سے غور ہونا شروع ہو گیا کیونکہ قادیان میں اس روز روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ اسی دوران میں ہم سے

سوال ہوا کہ ’’ کیا چاند تم نے خود دیکھ کر روزہ رکھا ہے؟‘‘ ہم نے عرض کیا کہ ’’ بعض غیراحمدیوں نے دیکھا تھا۔‘‘ ہمارے اس فقرے کے کہنے پر کہ ’’چاند غیراحمدیوں نے دیکھا تھا‘‘ کتاب کو تہہ کر دیا اور فرمایا کہ ’’ہم نے سمجھا تھا کہ تم نے خود چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے۔ اس لئے تحقیقات شروع کی تھی۔‘‘

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 265)

سحری میں تاخیر

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میں قادیان میں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں ٹھہرا کرتا تھا۔ میں ایک دفعہ سحری کھا رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لے آئے۔ دیکھ کر فرمایا۔ آپ دال سے روٹی کھاتے ہیں؟ اور اسی وقت منتظم کو بلوایا اور فرمانے لگے کہ آپ سحری کے وقت دوستوں کو ایسا کھانا دیتے ہیں؟ یہاں ہمارے جس قدر احباب ہیں وہ سفر میں نہیں۔ ہر ایک سے معلوم کرو کہ اُن کو کیا کیا کھانے کی عادت ہے اور وہ سحری کو کیا کیا چیز پسند کرتے ہیں۔ ویسا ہی کھانا ان کے لئے تیار کیا جائے۔ پھر منتظم میرے لئے اور کھانا لایا مگر میں کھانا کھا چکا تھا اور اذان بھی ہو گئی تھی۔ حضور نے فرمایا کھالو۔ اذان جلد دی گئی ہے۔ اس کا خیال نہ کرو۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 127)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ 1895ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان میں گزارنے کا اتفاق ہوا اور میں نے تمام مہینہ حضرت صاحب کے پیچھے نماز تہجد یعنی تراویح ادا کی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اوّل شب میں پڑھ لیتے تھے اور نماز تہجد آٹھ رکعت دو دو رکعت کر کے آخر شب میں ادا فرماتے تھے۔ جس میں آپ ہمیشہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی تلاوت فرماتے

تھے یعنی اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم تک اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص کی قراءت فرماتے تھے اور رکوع وسجود میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اکثر پڑھتے تھے۔ اور ایسی آواز سے پڑھتے تھے کہ آپ کی آواز میں سُن سکتا تھا نیز آپ ہمیشہ سحری نماز تہجد کے بعد کھاتے تھے اور اس میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ بعض دفعہ کھاتے کھاتے اذان ہو جاتی تھی اور آپ بعض اوقات اذان کے ختم ہونے تک کھانا کھاتے رہتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دراصل مسئلہ تو یہ ہے کہ جب تک صبح صادق افق مشرق سے نمودار نہ ہو جائے سحری کھانا جائز ہے اذان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ صبح کی اذان کا وقت بھی صبح صادق کے ظاہر ہونے پر مقرر ہے۔ اس لئے لوگ عموماً سحری کی حد اذان ہونے کو سمجھ لیتے ہیں۔ قادیان میں چونکہ صبح کی اذان صبح صادق کے پھوٹتے ہی ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ بعض اوقات غلطی اور بے احتیاطی سے اس سے بھی قبل ہو جاتی ہو۔ اس لئے ایسے موقعوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اذان کا چنداں خیال نہ فرماتے تھے اور صبح صادق کے تبیّن تک سحری کھاتے رہتے تھے اور دراصل شریعت کا منشاء بھی اس معاملہ میں یہ نہیں ہے کہ جب علمی اور حسابی طور پر صبح صادق کا آغاز ہو اس کے ساتھ ہی کھانا ترک کر دیا جاوے بلکہ منشاء یہ ہے کہ جب عام لوگوں کی نظر میں صبح کی سفیدی ظاہر ہو جاوے اس وقت کھانا چھوڑ دیا جاوے۔ چنانچہ تبیّـــن کا لفظ اسی بات کو ظاہر کر رہا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال کی اذان پر سحری نہ چھوڑا کرو بلکہ ابن مکتوم کی اذان تک بیشک کھاتے پیتے رہا کرو۔ کیونکہ ابن مکتوم نابینا تھے اور جب تک لوگوں میں شور نہ پڑ جاتا تھا کہ صبح ہو گئی ہے، صبح ہو گئی ہے اس وقت تک اذان نہ دیتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 295، 296)

سحری کے وقت احتیاط کی ایک مثال

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ ماہ رمضان میں سحری کے وقت کسی شخص نے اصل وقت سے پہلے اذان دے دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے دودھ کا گلاس منہ کے قریب کیا ہی تھا کہ اذان کی آواز آئی۔ اس لئے وہ گلاس مَیں نے وہیں رکھ دیا۔ کسی شخص نے عرض کی۔ کہ حضور ابھی تو کھانے پینے کا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا دل نہیں چاہتا کہ بعد اذان کچھ کھایا جائے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ روایت اگر درست ہے تو حضور نے اس وقت اپنی ذات کے لئے یہ احتیاط برتی ہوگی۔ ورنہ حضور کا طریق یہی تھا کہ وقت کا شمار اذان سے نہیں بلکہ سحری کے نمودار ہونے سے فرماتے تھے۔ اوراس میں بھی اس پہلو کو غلبہ دیتے تھے کہ فجر واضح طور پر ظاہر ہو جاوے۔ جیسا کہ قرآنی آیت کا منشاء ہے مگر بزرگوں کا قول ہے کہ فتویٰ اور ہے اور تقویٰ اور۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 520)

سفر میں روزہ، حکم ہے اختیار نہیں

آپ سے دریافت کیا گیا کہ سفر کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

قرآن کریم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** (البقرة :185) یعنی مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ اس میں امر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ جس کا اختیار ہو رکھ لے جس کا اختیار ہو نہ رکھے۔ میرے خیال میں مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور چونکہ عام طور پر اکثر لوگ رکھ لیتے ہیں اس لئے اگر کوئی تعامل سمجھ کر رکھ لے تو کوئی حرج نہیں مگر **عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** کا پھر بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

اس پر مولوی نور الدین صاحبؓ نے فرمایا کہ یوں بھی تو انسان کو مہینے میں کچھ روزے رکھنے چاہئیں۔

ہم اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت اقدس نے بھی فرمایا تھا کہ سفر میں تکالیف اٹھا کر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اطاعت امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا۔ یہ غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر اور نہی میں سچا ایمان ہے۔

(الحکم 31 جنوری 1899ء صفحہ 7)

مسافر اور مریض روزہ نہ رکھیں

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ معلوم کر کے کہ لاہور سے شیخ محمد چٹو آئے ہیں اور احباب بھی آئے ہیں۔ محض اپنے خلق عظیم کی بناء پر باہر نکلے غرض یہ تھی کہ باہر سیر کو نکلیں گے۔ احباب سے ملاقات کی تقریب ہوگی۔ چونکہ پہلے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت اقدس باہر تشریف لائیں گے اس لئے اکثر احباب چھوٹی مسجد میں موجود تھے۔ جب حضرت اقدس اپنے دروازے سے باہر آئے تو معمول کے موافق خدام پروانہ وار آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھ کر بعد سلام مسنون فرمایا:

حضرت اقدس۔ آپ اچھی طرح سے ہیں؟ آپ تو ہمارے پرانے ملنے والوں میں سے ہیں۔

بابا چٹو۔ شکر ہے۔

حضرت اقدس:۔ (حکیم محمد حسین قریشی کو مخاطب کر کے) یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کے کھانے ٹھہرنے کا پورا انتظام کر دو۔ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو اور میاں نجم الدین کو تاکید کر دو کہ ان کے کھانے کے لئے جو مناسب ہو اور پسند کریں وہ تیار کرے۔

حکیم محمد حسین:۔ بہت اچھا حضور۔انشاءاللہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

حضرت اقدس:۔ (بابا چٹو کو خطاب کر کے) آپ تو مسافر ہیں۔روزہ تو نہیں رکھا ہوگا؟

بابا چٹو:۔ نہیں مجھے تو روزہ ہے میں نے رکھ لیا ہے۔

حضرت اقدس:۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس لئے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہیے۔ میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالت سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے۔ کیوں کہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرمانبرداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔اس نے تو یہی حکم دیا ہے **مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** (البقرہ:185) اس میں کوئی قید اور نہیں لگائی کہ ایسا سفر ہو یا ایسی بیماری ہو۔ میں سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا اور ایسا ہی بیماری کی حالت میں۔ چنانچہ آج بھی میری طبیعت اچھی نہیں اور میں نے روزہ نہیں رکھا۔ چلنے پھرنے سے بیماری میں کچھ کمی ہوتی ہے اس لئے باہر جاؤں گا۔کیا آپ بھی چلیں گے۔

بابا چٹو:۔ نہیں میں تو نہیں جا سکتا۔آپ ہو آئیں۔ یہ حکم تو بے شک ہے مگر سفر میں کوئی تکلیف نہیں پھر کیوں روزہ نہ رکھا جاوے۔

حضرت اقدس:۔ یہ تو آپ کی اپنی رائے ہے۔قرآن شریف نے تو تکلیف یا عدم تکلیف کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اب آپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔زندگی کا اعتبار کچھ نہیں۔انسان کو وہ راہ اختیار کرنی چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے اور صراط مستقیم مل جاوے۔

بابا چٹو:۔ میں تو اسی لئے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ فائدہ اٹھاؤں۔اگر یہی راہ سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت ہی میں مرجاویں۔

حضرت اقدس:۔ ہاں یہ بہت عمدہ بات ہے۔ میں تھوڑی دور ہو آؤں۔آپ آرام کریں۔

(یہ کہہ کر حضرت اقدس سیر کو تشریف لے گئے۔) (الحکم 31 جنوری 1907ء صفحہ 14)

بیمار اور مسافر کے روزہ رکھنے کا ذکر تھا۔حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ شیخ ابن عربی کا قول ہے کہ اگر کوئی بیمار یا مسافر روزہ کے دنوں میں روزہ رکھ لے تو پھر بھی اسے صحت پانے پر ماہ رمضان کے گذرنے کے بعد روزہ رکھنا فرض ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** (البقرة : 185) جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ ماہ رمضان کے بعد کے دنوں میں روزے رکھے۔اس میں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مریض یا مسافر اپنی ضد سے یا اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے انہی ایام میں روزے رکھے تو پھر بعد میں رکھنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ خدتعالیٰ کا صریح حکم یہ ہے کہ وہ بعد میں روزے رکھے۔ بعد کے روزے اس پر بہر حال فرض ہیں۔ درمیان کے روزے اگر وہ رکھے تو یہ امر زائد ہے اور اس کے دل کی خواہش ہے۔اس سے خدا تعالیٰ کا وہ حکم جو بعد میں رکھنے کے متعلق ہے ٹل نہیں سکتا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام میں روزہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔خدا تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہئے ،مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔

(بدر 17 اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

ظہر کے وقت روزے کھلوا دیئے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں رحمت اللہ صاحب ولد حضرت میاں عبداللہ سنوری صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام لدھیانہ تشریف لائے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا.... ہم سب غوث گڑھ سے ہی روزہ رکھ کر لدھیانہ گئے تھے۔ حضور نے والد صاحب مرحوم سے خود دریافت فرمایا، یا کسی اور سے معلوم ہوا (یہ مجھے یاد نہیں) کہ یہ سب غوث گڑھ سے آنے والے روزہ دار ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا میاں عبداللہ! خدا کا حکم جیسا روزہ رکھنے کا ہے ویسا ہی سفر میں نہ رکھنے کا ہے۔ آپ سب روزے افطار کردیں۔ ظہر کے بعد کا یہ ذکر ہے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 125)

عصر کے بعد روزہ کھلوا دیا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کوئی مہمان یہاں حضرت صاحب کے پاس آیا۔ اسے اس وقت روزہ تھا اور دن کا زیادہ حصہ گذر چکا تھا بلکہ شاید عصر کے بعد کا وقت تھا۔ حضرت صاحب نے اسے فرمایا آپ روزہ کھول دیں۔ اس نے عرض کیا کہ اب تھوڑا سا دن رہ گیا ہے۔ اب کیا کھولنا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا آپ سینہ زوری سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سینہ زوری سے نہیں بلکہ فرمانبرداری سے راضی ہوتا ہے۔ جب اس نے فرما دیا ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے تو نہیں رکھنا چاہیے۔ اس پر اس نے روزہ کھول دیا۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 97)

سفر میں روزہ رکھنے پر روزہ کھلوا دیا

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

ایک مرتبہ میں اور حضرت منشی اروڑے خان صاحب اور حضرت خان صاحب محمد خاں

صاحب لدھیانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے روزہ رکھا ہوا تھا اور میرے رفقاء نے نہیں رکھا تھا۔ جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تھوڑا سا وقت غروب آفتاب میں باقی تھا۔ حضرت کو انہوں نے کہا کہ ظفر احمد نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ حضرت فوراً اندر تشریف لے گئے اور شربت کا ایک گلاس لے کر آئے اور فرمایا روزہ کھول دو۔ سفر میں روزہ نہیں چاہئے۔ میں نے تعمیل ارشاد کی اور اس کے بعد بوجہ مقیم ہونے کے ہم روزہ رکھنے لگے۔ افطاری کے وقت حضرت اقدس خود تین گلاس ایک بڑے تھال میں رکھ کر لائے۔ ہم روزہ کھولنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور منشی جی کو (منشی اروڑے خاں صاحب کو) ایک گلاس میں کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسکرائے اور جھٹ اندر تشریف لے گئے۔ اور ایک بڑا لوٹا شربت کا بھر کر لائے اور منشی جی کو پلایا۔ منشی جی یہ سمجھ کر حضرت اقدس کے ہاتھ سے شربت پی رہا ہوں پیتے رہے اور ختم کر دیا۔

(روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 224 نیا ایڈیشن)

سفر میں روزہ کھول دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں فضل محمد صاحب دکاندار محلّہ دارالفضل نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ مقدمہ تھا اور اس کی ایک پیشی کے لئے موضع دھاریوال میں جانا پڑا۔ گرمی کا موسم تھا اور رمضان کا مہینہ تھا۔ بہت دوست اردگرد سے موضع دھاریوال میں گئے اور بہتوں نے روزے رکھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک مشہور سردارنی نے جو موضع کھنڈے میں مشہور سرداروں میں سے ہے حضور کی خدمت اقدس میں دعوت کا پیغام بھیجا۔ حضور نے دعوت منظور فرمائی۔ سردارنی نے میٹھے چاول وغیرہ کی دعوت دی۔ بعض دوستوں نے حضور سے روزہ کے متعلق عرض کی۔ فرمایا سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ چنانچہ اس وقت سب دوستوں نے روزے چھوڑ دیئے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 303)

سفر میں رخصت، ملامت کی پرواہ نہ کی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ملک مولا بخش صاحب پنشنر نے بواسطہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رمضان شریف میں امرتسر میں تشریف لائے اور آپ کا لیکچر منڈوہ بابو گھنیا لعل (جس کا نام اب بندے ماترم پال ہے) میں ہوا۔ بوجہ سفر کے حضور کو روزہ نہ تھا لیکچر کے دوران مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے چائے کی پیالی پیش کی۔ حضور نے توجہ نہ فرمائی پھر وہ اور آگے ہوئے۔ پھر بھی حضور مصروفِ لیکچر رہے۔ پھر مفتی صاحب نے پیالی بالکل قریب کر دی تو حضور نے لے کر چائے پی لی اس پر لوگوں نے شور مچادیا۔ یہ ہے رمضان شریف کا احترام، روزے نہیں رکھتے اور بہت بکواس کرنا شروع کر دیا۔ لیکچر بند ہو گیا اور حضور پس پردہ ہو گئے۔ گاڑی دوسرے دروازے کے سامنے لائی گئی اور حضور اس میں داخل ہو گئے۔ لوگوں نے اینٹ پتھر وغیرہ مارنے شروع کئے اور بہت ہلّڑ مچایا۔ گاڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا مگر حضور بخیر و عافیت قیام گاہ پر پہنچ گئے اور بعد میں سنا گیا کہ ایک غیر احمدی مولوی یہ کہتا تھا کہ ''اَج لوکاں نے مرزے نوں نبی بنادِتّا'' یہ میں نے خود اس کے منہ سے نہیں سُنا۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کے ساتھ ہم باہر نکلے اور ان کی خدمت میں عرض کی کہ لوگ اینٹ پتھر مارتے ہیں۔ ذرا ٹھہر جائیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ گیا جس کو مارتے تھے۔ مجھے کون مارتا ہے۔ چونکہ مفتی فضل الرحمٰن صاحب کے چائے پیش کرنے پر یہ سب گڑبڑ ہوئی تھی۔ اس لئے سب آدمی ان کو کہتے تھے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے بھی ان کو ایسا کہا۔ وہ بیچارے تنگ آ گئے اور بعد میں میاں عبدالخالق صاحب مرحوم احمدی نے مجھے بتلایا کہ جب یہ معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوا کہ مفتی صاحب نے خواہ مخواہ لیکچر خراب کر دیا تو حضور نے فرمایا: مفتی صاحب نے کوئی بُرا کام نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے کہ

سفر میں روزہ نہ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے فعل سے اس حکم کی اشاعت کا موقع پیدا کر دیا۔ پھر تو مفتی صاحب شیر ہو گئے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 147)

مسافر کا حالتِ قیام میں روزہ رکھنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

سوال پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزہ کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔

ادھر الفضل میں میرا یہ اعلان شائع کیا گیا ہے کہ احمدی احباب جو سالانہ جلسہ پر آئیں وہ یہاں آ کر روزے رکھ سکتے ہیں مگر جو نہ رکھیں اور بعد میں رکھیں ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

اس کے متعلق اول تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرا کوئی فتویٰ الفضل میں شائع نہیں ہوا۔ ہاں ایک فتویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا میری روایت سے چھپا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ زمانہ خلافت کے پہلے ایام میں، مَیں سفر میں روزہ رکھنے سے منع کیا کرتا تھا کیونکہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تھا کہ آپ مسافر کو روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا مرزا یعقوب بیگ صاحب رمضان میں آئے اور انہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا لیکن عصر کے وقت جبکہ وہ آئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہہ کر روزہ کھلوا دیا کہ سفر میں روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ اس پر اتنی لمبی بحث اور گفتگو ہوئی کہ حضرت خلیفہ اولؓ نے سمجھا کہ شاید کسی کو ٹھوکر لگ جائے۔ اس لئے آپ ابن عربی کا ایک حوالہ دوسرے دن تلاش کر کے لائے کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔

اس واقعہ کا مجھ پر یہ اثر تھا کہ میں سفر میں روزہ رکھنے سے روکتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک رمضان میں مولوی عبداللہ صاحب سنوری یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے تو انہوں نے کہا میں نے سنا ہے آپ باہر سے یہاں آنے والوں کو روزہ رکھنے سے منع کرتے ہیں مگر میری

روایت ہے کہ یہاں ایک صاحب آئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں ٹھہرنا ہے۔ اس دوران میں، مَیں روزے رکھوں یا نہ رکھوں؟ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہاں آپ روزے رکھ سکتے ہیں کیونکہ قادیان احمدیوں کے لئے وطن ثانی ہے۔ گو مولوی عبداللہ صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے مقرب تھے مگر میں نے صرف ان کی روایت کو قبول نہ کیا اور لوگوں کی اس بارے میں شہادت لی تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان کی رہائش کے ایام میں روزہ رکھنے کی اجازت دیتے تھے۔ البتہ آنے اور جانے کے دن روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس وجہ سے مجھے پہلا خیال بدلنا پڑا۔ پھر جب اس دفعہ رمضان میں سالانہ جلسہ آنے والا تھا اور سوال اُٹھا کہ آنے والوں کو روزہ رکھنا چاہیئے یا نہیں تو ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب جلسہ رمضان میں آیا تو ہم نے خود مہمانوں کو سحری کھلائی تھی۔ ان حالات میں جب میں نے یہاں جلسہ پر آنے والوں کو روزہ رکھنے کی اجازت دی تو یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی فتویٰ ہے۔ پہلے علماء تو سفر میں روزہ رکھنا بھی جائز قرار دیتے رہے ہیں اور آج کل کے سفر کو تو غیر احمدی مولوی سفر ہی نہیں قرار دیتے، لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے سفر میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ پھر آپ نے ہی یہ بھی فرمایا کہ یہاں قادیان میں آکر روزہ رکھنا جائز ہے۔ اب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم آپ کا ایک فتویٰ تو لے لیں اور دوسرا چھوڑ دیں۔

(الفضل 4 / جنوری 1934ء صفحہ 3-4)

(اس مسئلہ پر سیرت المہدی سے بھی ایک روایت ملتی ہے)

حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ 1903ء کا ذکر ہے کہ میں اور ڈاکٹر صاحب مرحوم رُڑکی سے آئے۔ چار دن کی رخصت تھی۔ حضورؑ نے پوچھا:

’’سفر میں تو روزہ نہیں تھا؟‘‘ ہم نے کہا نہیں۔ حضورؑ نے ہمیں گلابی کمرہ رہنے کو دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: ہم روزہ رکھیں گے۔ آپؑ نے فرمایا ’’بہت اچھا! آپ سفر میں ہیں۔‘‘ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ حضورؑ! چند روز قیام کرنا ہے دل چاہتا ہے روزہ رکھوں۔ آپؑ نے فرمایا۔ ’’اچھا! ہم آپ کو کشمیری پراٹھے کھلائیں گے۔‘‘ ہم نے خیال کیا کشمیری پراٹھے خدا جانے کیسے ہوں گے؟ جب سحری کا وقت ہوا اور ہم تہجد و نوافل سے فارغ ہوئے اور کھانا آیا تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود گلابی کمرے میں تشریف لائے۔ (جو کہ مکان کی نچلی منزل میں تھا) حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مکان کی اوپر والی تیسری منزل پر رہا کرتے تھے۔ ان کی بڑی اہلیہ کریم بی بی صاحبہ جن کو مولویانی کہا کرتے تھے۔ کشمیری تھیں اور پراٹھے اچھے پکایا کرتی تھیں۔ حضورؑ نے یہ پراٹھے ان سے ہمارے واسطے پکوائے تھے۔ پراٹھے گرما گرم اوپر سے آتے تھے اور حضور علیہ السلام خود لے کر ہمارے آگے رکھتے تھے اور فرماتے تھے۔ ’’اچھی طرح کھاؤ۔‘‘ مجھے تو شرم آتی تھی اور ڈاکٹر صاحب بھی شرمسار تھے مگر ہمارے دلوں پر جو اثر حضورؑ کی شفقت اور عنایت کا تھا اس سے روئیں روئیں میں خوشی کا لرزہ پیدا ہو رہا تھا۔ اتنے میں اذان ہوگئی تو حضورؑ نے فرمایا کہ ’’اور کھاؤ، ابھی بہت وقت ہے۔‘‘ فرمایا: ’’قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** (البقرۃ:188) اس پر لوگ عمل نہیں کرتے۔ آپ کھائیں ابھی وقت بہت ہے۔ مؤذن نے وقت سے پہلے اذان دے دی ہے۔‘‘ جب تک ہم کھاتے رہے حضورؑ کھڑے رہے اور ٹہلتے رہے۔ ہر چند ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضورؑ تشریف رکھیں، میں خود خادمہ سے پراٹھے پکڑ لوں گا یا میری بیوی لے لیں گی مگر حضورؑ نے نہ مانا اور ہماری خاطر تواضع میں

لگے رہے۔اس کھانے میں عمدہ سالن اور دودھ سویاں وغیرہ کھانے بھی تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 202، 203)

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

روزوں کی بابت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک جگہ پر تین دن سے زائد اقامت کرنی ہو تو پھر وہ روزے رکھے اور اگر تین دن سے کم اقامت کرنی ہو تو روزے نہ رکھے اور اگر قادیان میں کم دن ٹھہرنے کے باوجود روزے رکھ لے تو پھر روزے دوبارہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ (فتاوٰی حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب رجسٹر نمبر 5 دارالافتاء ربوہ)

بیمار ہونے پر روزہ کھول دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ لدھیانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رمضان کا روزہ رکھا ہوا تھا کہ دل گھٹنے کا دَورہ ہوا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔اس وقت غروبِ آفتاب کا وقت بہت قریب تھا مگر آپ نے فوراً روزہ توڑ دیا۔آپ ہمیشہ شریعت میں سہل راستہ کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حدیث میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی ذکر آتا ہے کہ آپ ہمیشہ دو جائز رستوں میں سے سہل رستہ کو پسند فرماتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 637)

معمولی بیماری میں روزہ رکھنے کی اجازت

حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

ایک دفعہ میں نے رمضان شریف کا آخری عشرہ قادیان میں گذارا۔ان دنوں میں حضور علیہ السلام کو تپ لرزہ یومیہ آتا تھا۔ظہر کے بعد لرزہ سے تپ ہو جاتا تھا۔اس لئے ظہر کے وقت حضور جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے اور باقی نمازوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ظہر سے

پہلے کبھی کبھی بانتظار نماز یاں بیٹھتے تھے۔ میری عادت تھی کہ میں ضرور اس جگہ پہنچ جایا کرتا تھا جہاں حضور بیٹھتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں دور رہا ہوں۔ اگر ایسا اتفاق ہوتا بھی جو صرف ایک دفعہ ہوا تو خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی سامان کر دیتا کہ میں قریب پہنچ جاؤں۔ غرض جب حضور ظہر کی نماز کے واسطے تشریف لاتے میں طبیعت کا حال دریافت کرتا تو فرماتے کہ سردی معلوم ہو رہی ہے۔ بعض دفعہ فرماتے کہ نماز پڑھو۔ سردی زیادہ معلوم ہو رہی ہے مگر باوجود علالت کے حضور روزہ برابر رکھتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ تپ کی تکلیف ہے اور کئی دن ہو گئے ہیں۔ اگر روزہ افطار کر دیا (یعنی بوقت بخار کھول یا توڑ لیا) کریں (تو بہتر ہو) فرمایا کہ روزہ کی وجہ سے کچھ تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے بلکہ آرام معلوم ہوتا ہے۔ بھوک پیاس کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ رات کو البتہ کچھ زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے روزہ رکھ لیتا ہوں۔ صبح کو تپ اتر جاتا تھا تو حضور سیر کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(اصحاب احمد جلد 10 صفحہ 397، 398 نیا ایڈیشن روایت حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب)

بیماری میں روزہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا معمول

حضرت مصلح موعودؓ سے سوال پوچھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ بیمار رہتے تھے کیا روزہ رکھتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا:

حضرت صاحب خوب روزہ رکھتے تھے مگر چونکہ آخر میں کمزور زیادہ ہو گئے تھے اور مرض میں بھی زیادتی تھی اس لئے تین سال کے روزے نہیں رکھے، یعنی 5، 6، 7 (1905، 1906 اور 1907ء مراد ہے۔ ناقل)

(الفضل 12 جون 1922ء صفحہ 7)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعودؑ کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرا رمضان آیا تو

آپ نے روزے رکھنے شروع کئے مگر آٹھ نو روزے رکھے تھے کہ پھر دَورہ ہوا۔ اس لئے باقی چھوڑ دیئے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو اس میں آپ نے دس گیارہ روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ کی وجہ سے روزے ترک کرنے پڑے اور آپ نے فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو آپ کا تیرھواں روزہ تھا کہ مغرب کے قریب آپ کو دورہ پڑا اور آپ نے روزہ توڑ دیا اور باقی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جتنے رمضان آئے آپ نے سب روزے رکھے مگر پھر وفات سے دو تین سال قبل کمزوری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے اور فدیہ ادا فرماتے رہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ جب آپ نے ابتدا دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑے تو کیا پھر بعد میں ان کو قضاء کیا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں صرف فدیہ ادا کر دیا تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب شروع شروع میں حضرت مسیح موعودؑ کو دورانِ سر اور بردِاطراف کے دورے پڑنے شروع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی اس لئے جب آپ روزے چھوڑتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر دوسرے رمضان تک ان کے پورا کرنے کی طاقت نہ پاتے تھے مگر جب اگلا رمضان آتا تو پھر شوقِ عبادت میں روزے رکھنے شروع فرما دیتے تھے لیکن پھر دورہ پڑتا تھا تو ترک کر دیتے تھے اور بقیہ کا فدیہ ادا کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 59)

مسافر اور مریض فدیہ دیں

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بناء آسانی پر رکھی ہے جو مسافر اور مریض صاحبِ مقدرت ہوں۔ ان کو چاہئے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دے دیں۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (بدر 17 اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

فدیہ دینے کی کیا غرض ہے؟

ایک دفعہ میرے دل میں آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے

واسطے ہے تا کہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہئے ۔خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کرسکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔پس میرے نزدیک خوب ہے کہ دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کرسکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔

(البدر 12 دسمبر 1902ء صفحہ 52)

فدیہ دینے سے روزہ ساقط نہیں ہوتا

حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں:

فدیہ دے دینے سے روزہ اپنی ذات میں ساقط نہیں ہو جاتا بلکہ یہ محض اس بات کا فدیہ ہے کہ اِن مبارک ایّام میں وہ کسی جائز شرعی عذر کی بناء پر باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر یہ عبادت ادا نہیں کر سکے۔آگے یہ عذر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک عارضی اور ایک مستقل۔ فدیہ بشرطِ استطاعت اِن دونوں حالتوں میں دینا چاہئے۔غرضیکہ خواہ کوئی فدیہ بھی دے دے بہرحال سال دو سال یا تین سال کے بعد جب بھی اُس کی صحت اجازت دے اُسے پھر روزے رکھنے ہوں گے۔سوائے اس صورت کے کہ پہلے مرض عارضی تھا اور صحت ہونے کے بعد ارادہ ہی کرتا رہا کہ آج رکھتا ہوں کل رکھتا ہوں کہ اِس دوران میں اس کی صحت پھر مستقل طور پر خراب ہو جائے۔ باقی جو بھی کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہو اگر وہ مریض یا مسافر ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ رمضان میں ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے اور دوسرے ایّام میں روزے رکھے۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذہب تھا اور

آپ ہمیشہ فدیہ بھی دیتے تھے اور بعد میں روزے بھی رکھتے تھے اور اِسی کی دوسروں کو تاکید فرمایا کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 389)

فدیہ کسے دیں؟

سوال پیش ہوا کہ جو شخص روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو، اس کے عوض مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔اس کھانے کی رقم قادیان کے یتیم فنڈ میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:

''ایک ہی بات ہے خواہ اپنے شہر میں مسکین کو کھلائے یا یتیم اور مسکین فنڈ میں بھیج دے۔''

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

مزدور بھی مریض کے حکم میں ہے

بعض اوقات رمضان ایسے موسم میں آتا ہے کہ کاشت کاروں سے جبکہ کام کی کثرت مثل تخم ریزی و درودگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی مزدوروں سے جن کا گذارہ مزدوری پر ہے روزہ نہیں رکھا جاتا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا:

'' اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ وطہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدوری پر رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب میسر ہو رکھ لے۔''

اور وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ (البقرۃ :185) کی نسبت فرمایا:

''اس کے معنی یہ ہیں کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔'' (بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 7)

روزہ کس عمر سے رکھا جائے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے روزہ رکھوانا تو میرے نزدیک جرم ہے اور بارہ سال سے

پندرہ سال کی عمر کے بچے کو اگر کوئی روزہ رکھواتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر سے روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں روزے فرض سمجھنے چاہئیں۔

مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوتا تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں روزہ نہیں رکھنے دیتے تھے اور بجائے اس کے کہ ہمیں روزہ رکھنے کے متعلق کسی قسم کی تحریک کرنا پسند کریں ہمیشہ ہم پر روزہ کا رعب ڈالتے تھے۔

(الفضل 11/اپریل 1925ء صفحہ 7)

حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت نے چھوٹی عمر کے بچّوں کو روزہ رکھنے سے منع کیا ہے لیکن بلوغت کے قریب انہیں کچھ روزے رکھنے کی مشق ضرور کرانی چاہئے۔ مجھے جہاں تک یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے پہلا روزہ رکھنے کی اجازت بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں دی تھی۔ لیکن بعض بے وقوف چھ سات سال کے بچّوں سے روزہ رکھواتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس کا ثواب ہوگا۔ یہ ثواب کا کام نہیں بلکہ ظلم ہے کیونکہ یہ عمر نشوونما کی ہوتی ہے۔ ہاں ایک عمر وہ ہوتی ہے کہ بلوغت کے دن قریب ہوتے ہیں اور روزہ فرض ہونے والا ہی ہوتا ہے اُس وقت اُن کو روزہ کی ضرور مشق کرانی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت اور سنّت کو اگر دیکھا جائے تو بارہ تیرہ سال کے قریب کچھ کچھ مشق کرانی چاہئے اور ہر سال چند روزے رکھوانے چاہئیں۔ یہاں تک کہ اٹھارہ سال کی عمر ہو جائے جو میرے نزدیک روزہ کی بلوغت کی عمر ہے۔ مجھے پہلے سال صرف ایک روزہ رکھنے کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجازت دی تھی۔ اِس عمر میں تو صرف شوق ہوتا ہے۔ اِس شوق کی وجہ سے بچے زیادہ روزے رکھنا چاہتے ہیں مگر یہ ماں باپ کا کام ہے کہ انہیں روکیں۔ پھر ایک عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس میں چاہیے کہ بچوں کو جرأت دلائیں کہ وہ کچھ روزے ضرور رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے رہیں کہ وہ زیادہ نہ رکھیں۔ اور دیکھنے

والوں کو بھی اِس پر اعتراض نہ کرنا چاہیے کہ یہ سارے روزے کیوں نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر بچّہ اس عمر میں سارے روزے رکھے گا تو آئندہ نہیں رکھ سکے گا۔ اِسی طرح بعض بچّے خلقی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنے بچوں کو میرے پاس ملاقات کے لئے لاتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ اس کی عمر پندرہ سال ہے حالانکہ وہ دیکھنے میں سات آٹھ سال کے معلوم ہوتے ہیں۔مَیں سمجھتا ہوں ایسے بچّے روزہ کے لئے شاید اکیس سال کی عمر میں بالغ ہوں۔ اِس کے مقابلہ میں ایک مضبوط بچّہ غالبًا پندرہ سال کی عمر میں ہی اٹھارہ سال کے برابر ہوسکتا ہے۔لیکن اگر وہ میرے اِن الفاظ ہی کو پکڑ کر بیٹھ جائے کہ روزہ کی بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہے تو نہ وہ مجھ پر ظلم کرے گا اور نہ خدا تعالیٰ پر بلکہ اپنی جان پر آپ ظلم کرے گا۔ اِسی طرح اگر کوئی چھوٹی عمر کا بچّہ پورے روزے نہ رکھے اور لوگ اُس پر طعن کریں تو وہ اپنی جان پر ظلم کریں گے۔ (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 385)

کم عمری میں روزہ رکھنے کی ممانعت

حضرت نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ عنہا صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:۔

قبل بلوغت کم عمری میں آپؑ روزہ رکھوانا پسند نہیں کرتے تھے۔بس ایک آدھ رکھ لیا کافی ہے۔حضرت اماں جان نے میرا پہلا روزہ رکھوایا تو بڑی دعوتِ افطار دی تھی۔یعنی جو خواتین جماعت تھیں سب کو بلایا تھا۔اس رمضان کے بعد دوسرے یا تیسرے رمضان میں میں نے روزہ رکھ لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا کہ آج میرا روزہ پھر ہے۔آپؑ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔پاس سٹول پر دو پان لگے رکھے تھے۔غالبًا حضرت اماں جانؓ بنا کر رکھ گئی ہوں گی۔آپ نے ایک پان اُٹھا کر مجھے دیا کہ لو یہ پان کھالو۔تم کمزور ہو،ابھی روزہ نہیں رکھنا۔توڑ ڈالو روزہ۔میں نے پان تو کھالیا مگر آپ سے کہا کہ صالحہ (یعنی ممانی جان مرحومہ چھوٹے ماموں جان کی اہلیہ محترمہ) نے بھی رکھا ہے۔اُن کا بھی تڑوا دیں۔فرمایا بلاؤ اس کو ابھی۔میں بُلا لائی۔وہ آئیں تو اُن کو بھی دوسرا پان اُٹھا کر دیا اور فرمایا لو یہ کھالو۔تمہارا روزہ نہیں ہے۔میری عمر دس سال کی ہوگی غالبًا۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 227،228)

شوال کے چھ روزوں کا التزام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جوانی کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مجھ کو معلوم ہوا یا فرمایا اشارہ ہوا کہ اس راہ میں ترقی کرنے کے لئے روزے رکھنے بھی ضروری ہیں۔فرماتے تھے پھر میں نے چھ ماہ لگاتار روزے رکھے اور گھر میں یا باہر کسی شخص کو معلوم نہ تھا کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔صبح کا کھانا جب گھر سے آتا تھا تو میں کسی حاجتمند کو دے دیتا تھا اور شام کا خود کھالیتا تھا۔میں نے حضرت والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ آخر عمر میں بھی آپ نفلی روزے رکھتے تھے یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ آخر عمر میں بھی آپ روزے رکھا کرتے تھے۔خصوصًا شوال کے چھ روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے۔اور جب کبھی آپ کو کسی خاص کام کے متعلق دعا کرنا ہوتی تھی تو آپ روزہ رکھتے تھے۔ہاں مگر آخری دو تین سالوں میں بوجہ ضعف و کمزوری رمضان کے روزے بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔(خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب البریہ میں حضرت صاحب نے روزوں کا زمانہ آٹھ نو ماہ بیان کیا ہے۔)

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 14)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ شوال کے مہینے میں عید کا دن گزرنے کے بعد چھ روزے رکھتے تھے۔اس طریق کا احیاء ہماری جماعت کا فرض ہے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب نے اس کا اہتمام کیا تھا کہ تمام قادیان میں عید کے بعد چھ دن تک رمضان ہی کی طرح اہتمام تھا۔آخر میں چونکہ حضرت صاحب کی عمر زیادہ ہوگئی تھی اور بیمار بھی رہتے تھے اس لئے دو تین سال آپ نے روزے نہیں رکھے۔جن لوگوں کو علم نہ ہو وہ سُن لیں اور جو غفلت میں ہوں ہوشیار ہو جائیں کہ سوائے ان کے جو بیمار اور کمزور ہونے کی وجہ سے

معذور ہیں۔ چھ روزے رکھیں۔ اگر مسلسل نہ رکھ سکیں تو وقفہ ڈال کر بھی رکھ سکتے ہیں۔
(الفضل 8 جون 1922ء صفحہ 7)

روزہ کی حالت میں آئینہ دیکھنا

حضرت اقدسؑ کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔
فرمایا:

''جائز ہے۔''

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

روزہ کی حالت میں سر یا داڑھی کو تیل لگانا

حضرت اقدسؑ کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ حالتِ روزہ میں سر کو یا داڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''جائز ہے۔'' (بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوائی ڈالنا

حضرت اقدسؑ کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوائی ڈالنی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔''

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

روزہ دار کا خوشبو لگانا

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''جائز ہے۔''

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

روزہ دار کا آنکھوں میں سرمہ ڈالنا

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سرمہ ڈالے یا نہ ڈالے؟

فرمایا:

''مکروہ ہے اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سرمہ لگائے ۔ رات کو سرمہ لگا سکتا ہے۔''

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

نمازِ تراویح

اکمل صاحب آف گولیکی نے بذریعہ تحریر حضرت سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کو اُٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے لیکن عموماً محنتی، مزدور، زمیندار لوگ جو ایسے اعمال کے بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں اگر اوّل شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھا دی جائیں تو کیا یہ جائز ہوگا۔

حضرت اقدسؑ نے جواب میں فرمایا

''کچھ حرج نہیں، پڑھ لیں۔''

(بدر 18/ اکتوبر 1906ء صفحہ 4)

تراویح کی رکعات

تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعات پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے۔ فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہے اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصے میں اُسے پڑھا۔ بیس رکعات بعد میں پڑھی گئیں مگر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی۔

(بدر مؤرخہ 6 فروری 1908ء صفحہ 7)

تراویح دراصل نماز تہجد ہی ہے

ایک صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سفر میں نماز کس طرح پڑھنی چاہیے اور تراویح کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا:

''سفر میں دوگانہ سنت ہے۔ تراویح بھی سنت ہے پڑھا کریں اور کبھی گھر میں تنہائی میں پڑھ لیں کیونکہ تراویح دراصل تہجد ہے کوئی نئی نماز نہیں۔ وتر جس طرح پڑھتے ہو بیشک پڑھو۔''

(بدر 26 دسمبر 1907ء صفحہ 6)

نماز تراویح میں غیر حافظ کا قرآن دیکھ کر لقمہ دینا

رمضان شریف میں تراویح کے لئے کسی غیر حافظ کا قرآن دیکھ کر حافظ کو بتلانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ اس کے متعلق نہیں دیکھا۔ اس پر مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے کہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

فرمایا: جائز ہے تو اس سے بہت فائدہ ہوسکتا ہے اور اس کے لئے یہ انتظام بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی شخص تمام تراویح میں بیٹھ کر نہ سنتا رہے بلکہ چار آدمی دو دو رکعت کے لئے سنیں اس طرح ان کی بھی چھ چھ رکعتیں ہو جائیں گی۔

عرض کیا گیا فقہ اس صورت کو جائز ٹھہراتی ہے؟ فرمایا:

اصل غرض تو یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کریم سننے کی عادت ڈالی جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فتویٰ تو ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے ہے جیسے کوئی کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے

تو بیٹھ کر ہی پڑھ لے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے یا جس طرح کسی شخص کے کپڑے کو غلاظت لگی ہو اور وہ اسے دھو نہ سکے تو اسی طرح نماز پڑھ لے، یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ ضرورت کی بات ہے۔

(الفضل 21رفروری 1930ء صفحہ 12)

بے خبری میں کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

خط سے سوال پیش ہوا کہ میں بوقتِ سحر بماہ رمضان اندر بیٹھا ہوا بے خبری سے کھاتا پیتا رہا۔ جب باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سفیدی ظاہر ہوگئی ہے۔ کیا وہ روزہ میرے اوپر رکھنا لازم ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''بے خبری میں کھایا پیا تو اس پر اس روزہ کے بدلہ میں دوسرا روزہ لازم نہیں آتا۔''

(الحکم 24فروری 1907ء صفحہ 14)

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دن روزہ رکھنا

سوال: کیا آنحضرتؐ کے وصال کے دن روزہ رکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ فرمایا:

''ضروری نہیں۔''

(بدر 14مارچ 1907ء صفحہ 5)

کیا محرم کے روزے ضروری ہیں؟

سوال پیش ہوا کہ محرم کے پہلے دس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ فرمایا:

''ضروری نہیں ہے۔''

(بدر 14مارچ 1907ء صفحہ 5)

اعتکاف

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ میں نے کبھی حضرت مسیح موعودؑ کو اعتکاف بیٹھتے نہیں دیکھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ

میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بھی مجھ سے یہی بیان کیا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 62)

اعتکاف کے دوران بات چیت کرنا

سوال: جب آدمی اعتکاف میں ہو تو اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: سخت ضرورت کے سبب کرسکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لئے اور حوائج ضروری کے واسطے باہر جاسکتا ہے۔

(بدر 21 فروری 1907ء صفحہ 5)

اعتکاف کے متعلق بعض ہدایات

ڈاکٹر عباداللہ صاحب امرتسر اور خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر (جو دونوں معتکف تھے) کو مخاطب کر کے فرمایا:

اعتکاف میں یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اندر ہی بیٹھا رہے اور بالکل کہیں آئے جائے ہی نہ۔ چھت پر دھوپ ہوتی ہے وہاں جاکر آپ بیٹھ سکتے ہیں کیونکہ نیچے یہاں سردی زیادہ ہے اور ہر ایک ضروری بات کرسکتے ہیں۔ ضروری امور کا خیال رکھنا چاہئے اور یوں تو ہر ایک کام (مومن کا) عبادت ہی ہوتا ہے۔ (البدر 2 جنوری 1903ء صفحہ 74)

اعتکاف چھوڑ کر مقدمہ کی پیشی پر جانے کو ناپسند فرمایا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر کرتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے زمانہ میں حکیم فضل الدین صاحب بھیروی اعتکاف بیٹھے مگر اعتکاف کے دِنوں میں ہی ان کو کسی مقدمہ میں پیشی کے واسطے باہر جانا پڑ گیا۔ چنانچہ وہ اعتکاف توڑ کر عصر کے قریب یہاں سے جانے لگے تو حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو مقدمہ میں جانا تھا تو اعتکاف بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 97)

زکوٰۃ

روزے، حج اور زکوٰۃ کی تاکید

فرمایا:

''اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔''

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

زکوٰۃ کا نام رکھنے کی وجہ

فرمایا:

زکوٰۃ کا نام اسی لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے لِلّٰہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے اور جب بخل کی پلیدی جس سے انسان طبعًا بہت تعلق رکھتا ہے انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 203، 204)

زیور پر زکوٰۃ

ایک شخص نے عرض کیا کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''جو زیور استعمال میں آتا ہے اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے تو دے دیا جاوے۔ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔'' (الحکم 30؍اپریل 1902ء صفحہ 7)

''جو زیور پہنا جائے اور کبھی کبھی غریب عورتوں کو استعمال کے لئے دیا جائے بعض کا اس کی نسبت یہ فتویٰ ہے کہ اس کی کچھ زکوٰۃ نہیں اور جو زیور پہنا جائے اور دوسروں کو استعمال

کے لئے نہ دیا جائے اس میں زکوٰۃ دینا بہتر ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اسی پر ہمارے گھر میں عمل کرتے ہیں اور ہر سال کے بعد اپنے موجودہ زیور کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو زیور روپیہ کی طرح جمع رکھا جائے اس کی زکوٰۃ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔''

(الحکم 17 نومبر 1905ء صفحہ 11)

قرض پر زکوٰۃ

سوال پیش ہوا کہ جو روپیہ کسی شخص نے کسی کو قرضہ دیا ہوا ہے کیا اس پر اس کو زکوٰۃ دینی لازم ہے؟ فرمایا:

''نہیں۔'' (بدر 21 فروری 1907ء صفحہ 5)

مُعلّق مال پر زکوٰۃ واجب نہیں

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تجارت کا مال جو ہے جس میں بہت سا حصہ خریداروں کی طرف ہوتا ہے اور اُگراہی میں پڑا ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ فرمایا:

جو مال معلّق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے لیکن تاجر کو چاہیے کہ حیلے بہانے سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی مال میں سے برداشت کرتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ اپنے مال موجودہ اور معلّق پر نگاہ ڈالے اور مناسب زکوٰۃ دے کر خدا تعالیٰ کو خوش کرتا رہے۔ بعض لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ (بدر 11 جولائی 1907ء صفحہ 5)

سید کے لئے زکوٰۃ؟

اس سوال کے جواب میں کہ کیا سید کے لئے زکوٰۃ جائز ہے فرمایا:

اصل میں منع ہے اگر اضطراری حالت ہو فاقہ پر فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں

جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ اِلَیۡهِ حدیث سے فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ دینی چاہئے۔ اگر سید کو اور قسم کا رزق آتا ہو تو اسے زکوٰۃ لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے۔ (الحکم 24 راگست 1907ء صفحہ 5)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر چہ صدقہ اور زکوٰۃ سادات کے لئے منع ہے۔ مگر اس زمانہ میں جب ان کے گذارہ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ تو اس حالت میں اگر کوئی سیّد بھوکا مرتا ہو اور کوئی اور صورت انتظام کی نہ ہو تو بے شک اُسے زکوٰۃ یا صدقہ میں سے دے دیا جائے۔ ایسے حالات میں ہرج نہیں ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 718)

زکوٰۃ کے روپے سے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب خرید کر تقسیم کرنا

فرمایا:

اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو ان پر بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی بھی نہیں اور زکوٰۃ نہ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے پس فرض عین ہے جو اسی راہ میں **اعانت اسلام** میں زکوٰۃ دی جاوے۔ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں۔ (نشانِ آسمانی۔ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 409)

صاحب توفیق کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ جیسے زکوٰۃ یا صدقہ سادات کے لئے

منع ہے ویسا ہی صاحب توفیق کے لئے بھی اس کا لینا جائز نہیں ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مَیں نے یہ سُنا ہوا ہے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آج کل سخت اضطرار کی حالت میں جبکہ کوئی اور صورت نہ ہو۔ ایک سیّد بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 566)

زکوٰۃ مرکز میں بھیجی جائے

''چاہئیے کہ زکوٰۃ دینے والا اسی جگہ اپنی زکوٰۃ بھیجے۔''

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 83)

مکان اور جواہرات پر زکوٰۃ نہیں

خط سے سوال پیش ہوا کہ مکان میں میرا پانچ سو روپے کا حصہ ہے اس حصہ میں مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''جواہرات و مکانات پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

(الحکم 24 فروری 1907ء صفحہ 13)

اخبار بدر میں اسی سوال کا جواب کسی قدر تفصیل سے درج ہے۔ چنانچہ اخبار نے لکھا کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا:

مکان خواہ کتنے ہزار روپے کا ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر کرایہ پر چلتا ہو تو آمد پر زکوٰۃ ہے۔ ایسا ہی تجارتی مال پر جو مکان میں رکھا ہے زکوٰۃ نہیں۔ حضرت عمرؓ چھ ماہ کے بعد حساب کر لیا کرتے تھے اور روپیہ پر زکوٰۃ لگائی جاتی تھی۔

(بدر 14 فروری 1907ء صفحہ 8)

صدقہ کا گوشت صرف غرباء کا حق ہے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اہلیہ صاحبہ عبدالعزیز صاحب

سابق پٹواری سیکھواں نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں یہاں قادیان میں بیمار ہوگئی اور دو جانور صدقہ کئے اور حضورؑ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا صدقہ کا گوشت لنگر خانہ میں بھیجا جاوے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ’’یہ غرباء کا حق ہے۔ غرباء کو تقسیم کیا جاوے۔‘‘ چنانچہ غرباء کو تقسیم کیا گیا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 191)

صدقہ کی جنس خود ہی خرید لینا جائز ہے

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں مرغیاں رکھتا ہوں اور ان کا دسواں حصہ خدا تعالیٰ کے نام پر دیتا ہوں اور گھر سے روزانہ تھوڑا تھوڑا آٹا صدقہ کے واسطے الگ کیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے کہ وہ چوزے اور وہ آٹا خود ہی خرید کر لوں اور اس کی قیمت مدِّ متعلقہ میں بھیج دوں؟ فرمایا:

’’ایسا کرنا جائز ہے۔‘‘

نوٹ: لیکن اس میں یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی اشیاء کو اس واسطے خود ہی خرید کرے گا کہ چونکہ خرید وفروخت ہر دو اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ جیسی تھوڑی قیمت سے چاہے خرید لے۔ تو یہ اس کے واسطے گناہ ہوگا۔

(بدر 24/اکتوبر 1907ء صفحہ 3)

حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی اولاد کے لئے صدقہ ناجائز قرار دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے صدقہ ناجائز خیال فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 619)

حج

حج کی تاکید

فرمایا:

''اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو، ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

ارکان حج کی حکمتیں

اسلام کے احکام کے بارہ میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

مضمون پڑھنے والے نے اس اعتراض کے ساتھ یہ اعتراض بھی جڑ دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں حجر اسود ایک ایسا پتھر ہے جو آسمان سے گرا تھا معلوم نہیں کہ اس اعتراض سے اُس کو کیا فائدہ ہے۔ استعارہ کے رنگ میں بعض یہ روایتیں ہیں کہ وہ بہشتی پتھر ہے مگر قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہشت میں کوئی پتھر نہیں ہے بہشت ایسا مقام ہے کہ اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی اور اس دنیا کی کوئی چیز بھی بہشت میں نہیں ہے بلکہ بہشتی نعمتیں ایسی نعمتیں ہیں کہ جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں اور نہ دل میں گذریں اور خانہ کعبہ کا پتھر یعنی حجر اسود ایک روحانی امر کے لئے نمونہ قائم کیا گیا ہے☆۔ (☆حاشیہ۔ خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کے لئے نمونے قائم کئے ہیں چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج :38) یعنی خدا کو

تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ خون پہنچتا ہے مگر تمہاری تقویٰ اس کو پہنچتی ہے یعنی اس سے اتنا ڈرو کہ گویا اس کی راہ میں مر ہی جاؤ اور جیسے تم اپنے ہاتھ سے قربانیاں ذبح کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی خدا کی راہ میں ذبح ہو جاؤ۔ جب کوئی تقویٰ اس درجہ سے کم ہے تو ابھی وہ ناقص ہے۔ منہ) اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو نہ خانہ کعبہ بناتا اور نہ اس میں حجر اسود رکھتا لیکن چونکہ اس کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تا وہ روحانی امور پر دلالت کریں اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے۔ (1) ایک تذلّل اور انکسار (2) دوسری محبت اور ایثار۔ تذلل اور انکسار کے لئے اُس نماز کا حکم ہوا جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر ایک عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دِلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا تا جسم اور روح دونوں اس عبادت میں شامل ہوں اور واضح ہو کہ جسم کا سجدہ بیکار اور لغو نہیں اوّل تو یہ امر مسلّم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کا پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ جسم کا بھی پیدا کرنے والا ہے اور دونوں پر اُس کا حق خالقیت ہے ماسوا اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کی تاثیر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح کا سجدہ جسم میں سجدہ کی حالت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو بسا اوقات وہ سچی ہنسی بھی آجاتی ہے کہ جو روح کے انبساط سے متعلق ہے ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں ایک رونے کی صورت بناتا ہے تو بسا اوقات حقیقت میں رونا ہی آجاتا ہے جو روح کی درد اور رقت سے متعلق ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی اس قسم میں جو تذلل اور انکسار ہے جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہے اور روحانی افعال کا جسم پر اثر پڑتا ہے۔ پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں بھی جو محبت اور ایثار ہے انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں عوض معاوضہ ہے۔ محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے

آستانہ کو بوسہ دیتی ہے۔ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہےاور خدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہےاور یہ حجرِ اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے (**حاشیہ:۔** خدا کا آستانہ مصدر فیوض ہے یعنی اسی کے آستانہ سے ہر یک فیض ملتا ہے پس اسی کے لئے **معبّرین** لکھتے ہیں کہ اگر کوئی خواب میں حجراسود کو بوسہ دے تو علوم روحانیہ اس کو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ حجراسود سے مراد منبعِ علم وفیض ہے۔**منہ**) اور ایسا حکم اِس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اُس گھر کے گرد گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔زینت دُور کر دیتے ہیں سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خدا کے آستانہ کا پتھر تصور کر کے بوسہ دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ رُوحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہےاور سنگ آستانہ کو چومتا ہےاور رُوح اُس وقت محبوب حقیقی کے گرد طواف کرتی ہے اور اس کے رُوحانی آستانہ کو چومتی ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں ایک دوست ایک دوست جانی کا خط پا کر بھی اُس کو چومتا ہے کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود سے مرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے وبس۔جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔مگر اُس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اُس کو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 99 تا 101)

حج کی شرائط

اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ اُن کی بجا آوری ہر ایک کو میسر نہیں ہے، مثلاً حج۔یہ اُس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو، پھر راستہ

میں امن ہو، پیچھے جو متعلقین ہیں اُن کے گذارہ کا بھی معقول انتظام ہو اور اس قسم کی ضروری شرائط پوری ہوں تو حج کرسکتا ہے۔ (الحکم 31 جولائی 1902ء صفحہ 6)

حضرت مسیح موعودؑ کے حج نہ کرنے کی وجوہات

مخالفوں کے اس اعتراض پر کہ حضرت مرزا صاحب کیوں حج نہیں کرتے۔ فرمایا:

کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو خدمت خدا تعالیٰ نے اول رکھی ہے اس کو پس انداز کر کے دوسرا کام شروع کر دیوے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عام لوگوں کی خدمات کی طرح ملہمین کی عادت کام کرنے کی نہیں ہوتی وہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی سے ہر ایک امر کو بجالاتے ہیں اگرچہ شرعی تمام احکام پر عمل کرتے ہیں مگر ہر ایک حکم کی تقدیم و تاخیر، الٰہی ارادہ سے کرتے ہیں۔ اب اگر ہم حج کو چلے جاویں تو گویا اس خدا کے حکم کی مخالفت کرنیوالے ٹھہریں گے اور مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا (ال عمران :98) کے بارے میں کتاب حجج الکرامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو حج ساقط ہے حالانکہ اب جو لوگ جاتے ہیں ان کی کئی نمازیں فوت ہوتی ہیں۔ ماموریں کا اوّل فرض تبلیغ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ میں رہے آپؐ نے کتنی دفعہ حج کئے تھے؟ ایک دفعہ بھی نہیں کیا تھا۔

(البدر 8 مئی 1903ء صفحہ 122)

ایک شخص نے عرض کی کہ مخالف مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب حج کو کیوں نہیں جاتے؟

فرمایا: یہ لوگ شرارت کے ساتھ ایسا اعتراض کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے۔ صرف دو دن کا راستہ مدینہ اور مکہ میں تھا مگر آپ نے دس سال میں کوئی حج نہ کیا۔ حالانکہ آپ سواری وغیرہ کا انتظام کر سکتے تھے۔ لیکن حج کے واسطے صرف یہی شرط نہیں کہ انسان کے پاس کافی مال ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو۔ وہاں تک پہنچنے اور امن کے ساتھ حج ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں۔ جب وحشی طبع علماء اس جگہ

ہم پر قتل کا فتویٰ لگا رہے ہیں اور گورنمنٹ کا بھی خوف نہیں کرتے تو وہاں یہ لوگ کیا نہ کریں گے۔لیکن ان لوگوں کو اس امر سے کیا غرض ہے کہ ہم حج نہیں کرتے۔کیا اگر ہم حج کریں گے تو وہ ہم کو مسلمان سمجھ لیں گے؟ اور ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے؟ اچھا یہ تمام مسلمان علماء اول ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور ہمارے مرید ہو جائیں گے۔اگر وہ ایسا لکھ دیں اور اقرار حلفی کریں تو ہم حج کر آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے اسباب آسانی کے پیدا کر دے گا تا کہ آئندہ مولویوں کا فتنہ رفع ہو۔ناحق شرارت کے ساتھ اعتراض کرنا اچھا نہیں ہے۔یہ اعتراض ان کا ہم پر نہیں پڑتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف آخری سال میں حج کیا تھا۔

(بدر 8/اگست 1907ء صفحہ 8)

مخالفین کے اس اعتراض پر کہ آپ نے باوجود مقدرت کے حج نہیں کیا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا

اس اعتراض سے آپ کی شریعت دانی معلوم ہوگئی۔گویا آپ کے نزدیک مانع حج صرف ایک ہی امر ہے کہ زادراہ نہ ہو۔آپ کو بوجہ اس کے کہ دنیا کی کشمکش میں عمر کو ضائع کیا اس قدر سہل اور آسان مسئلہ بھی جو قرآن اور احادیث اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے معلوم نہ ہوا کہ حج کا مانع صرف زادراہ نہیں اور بہت سے امور ہیں جو عنداللہ حج نہ کرنے کے لئے عذرِ صحیح ہیں۔چنانچہ ان میں سے صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہونا ہے اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (ال عمران:98) عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بداندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لئے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جب کہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں

فتنہ ہو اُس جگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حج نہیں کیا اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا اور پھر بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِھِمْ**۔ ذرہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑ گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت ان کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ کو جائیں اور پھر چند اشرار الناس پیچھے سے مکہ میں پہنچ جائیں اور شورِ قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہیے۔ سو بروقت ورود حکم الٰہی اِن احتیاطوں کی پروا نہیں کی جائے گی مگر قبل اس کے شریعت کی پابندی لازم ہے اور مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکہ میں عنانِ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھہراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذا سے کچھ فرق کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ (البقرة :196) پس ہم گناہ گار رہوں گے اگر دیدہ ودانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے حج کرنا مشروط بشرائط ہے مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لئے قطعی حکم ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جس کی شرط موجود ہے۔ (ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 415، 416)

حج کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبراؤ

اخبار الحکم کے ایڈیٹر صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ فضل کریم صاحب جنہوں نے اسی سال حج کعبة اللہ کا شرف حاصل کیا ہے چندروز سے دارالامان میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبل ظہر حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس سال کے ناقابل برداشت تکالیف کا

جو حجاج کو برداشت کرنی پڑیں سارا حال بیان کیا۔انہوں نے بیان کیا کہ انگلش حدود سے نکل کر ٹرکش حدود میں داخل ہوتے ہی ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ جن کی وجہ سے یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکلات ایسی ہیں جن سے حج کے بالکل بند ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً اہل ہند کے واسطے۔انہوں نے بیان کیا کہ ترکی حدود میں کورنٹائن کی نا قابل برداشت سختیاں وہاں کے ڈاکٹروں اور حاکموں کا سخت درجہ کا حریص اور طامع ہونا اور اپنے فائدے کے لئے ہزاروں جانوں کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرنا' لوگوں کا سامان خوراک پوشاک وغیرہ بھپارہ میں ضائع کر دینا یا نقدی کا ضائع جانا اور پھر جو چیز ایک مصری حاجی دس روپے میں حاصل کر سکتا ہے وہ ہندیوں کو تیس روپے تک بھی بمشکل دینا۔راستوں میں باوجودیکہ سلطان المعظم نے ہر دو میل پر کنواں تیار کروا رکھا ہے عمال اور کارکنوں کا بغیر دو چار آنے کے لئے پانی کا گلاس تک نہ دینا اور پھر راستہ میں باوجود چوکی پہروں کے انتظام کے جو کہ سلطان المعظم کی طرف سے کیا گیا ہے پرلے درجہ کی بدامنی کا ہونا یہانتک کہ انسان اگر راستے سے دو چار گز بھی ادھر ادھر ہو جاوے تو پھر وہ زندہ نہیں بچ سکتا اور پھر ہندیوں سے خصوصاً سخت برتاؤ ہونا، بات بات پر پٹ جانا اور کوئی دادفریاد نہیں۔ بات بات پر کذّاب، بطال اور الفاظ حقارت سے مخاطب کیا جانا وغیرہ وغیرہ ایسے سامان ہیں کہ بہت ہی مصیبت کا سامنا نظر آتا ہے۔
یہ سارا ماجرا سن کر حضرت اقدس نے فرمایا:

ہم آپ کو ایک نصیحت کرتے ہیں۔ایسا ہو کہ ان تمام امور تکالیف سے آپ کی قوت ایمانی میں کسی قسم کا فرق اور تزلزل نہ آوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء ہے۔اس سے پاک عقائد پر اثر نہیں پڑنا چاہیے۔ان باتوں سے اس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیے کیونکہ اس سے بدتر ایک زمانہ گذرا ہے کہ یہی مقدس مقام نجس مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور انہوں نے اسے بت خانہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ تمام مشکلات اور مصائب خوش آئندہ زمانے

اور زندگی کے درجات ہیں۔ دیکھو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی زمانہ کی حالت کتنی خطرناک ہوگئی تھی اور کفر وشرک اور فساد اور ناپاکی حد سے بڑھ گئے تھے تو اس ظلمت کے بعد بھی ایک نور دنیا میں ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح اب بھی امید کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کے بعد کوئی بہتری کے سامان بھی پیدا کردے گا اور خدا تعالیٰ کوئی سامان اصلاح پیدا کردیگا بلکہ اسی متبرک اور مقدس مقام پر ایک اور بھی ایسا ہی خطرناک اور نازک وقت گذر چکا تھا جس کی طرف آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی تھی۔ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (الفیل:2) غرض یہ اب تیسرا واقعہ ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ضرور توجہ کرے گا اور خدا کا توجہ کرنا تو پھر قہری رنگ میں ہی ہوگا۔ (الحکم 22 /اپریل 1908ء صفحہ 1)

مسیح موعود کی زیارت کو حج پر ترجیح دینا

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے متعلق فرمایا:

چونکہ وہ میری نسبت شناخت کر چکے تھے کہ یہی شخص مسیح موعود ہے۔ اس لئے میری صحبت میں رہنا اُن کو مقدم معلوم ہوا اور بموجب نص اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ (النساء:60) حج کا ارادہ انہوں نے کسی دوسرے سال پر ڈال دیا اور ہر ایک دل اس بات کو محسوس کرسکتا ہے کہ ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس سے اہل اسلام میں انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا۔ ہاں باجازت اس کے کسی دوسرے وقت میں جا سکتا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 49)

مامور من اللہ کی صحبت کا ثواب نفلی حج سے زیادہ ہے

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے بعض استفسارات کے جواب میں حضورؑ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

اگر آپ چالیس روز تک رُو بحق ہو کر بشرائط مندرجہ نشان آسمانی استخارہ کریں تو میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ کیا خوب ہو کہ یہ استخارہ میرے روبرو ہو تا میری توجہ زیادہ ہو۔ آپ پر کچھ ہی مشکل نہیں لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں مگر اس جگہ نفلی حج سے ثواب زیادہ ہے اور غافل رہنے میں نقصان اور خطر کیونکہ سلسلہ آسمانی ہے اور حکم ربّانی۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 351، 352)

وفات یافتہ کی طرف سے حج بدل

خوشاب سے ایک مرحوم احمدی کے ورثاء نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ مرحوم کا ارادہ پختہ حج پر جانے کا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ کیا جائز ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی آدمی خرچ دے کر بھیج دیا جاوے؟ فرمایا:

''جائز ہے۔ اس سے متوفی کو ثواب حج کا حاصل ہو جائے گا۔''

(بدر 2 مئی 1907ء صفحہ 2)

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے بھی آپ کی وفات کے بعد حج بدل کروایا گیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ آخری ایام میں حضرت مسیح موعود نے میرے سامنے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی طرف سے حج کروا دیا۔ (حضرت والدہ صاحبہ نے حافظ احمد اللہ صاحب مرحوم کو بھیج کر حضرت صاحب کی طرف سے حج بدل کروایا تھا) اور حافظ صاحب کے سارے اخراجات والدہ صاحبہ نے خود برداشت کئے تھے۔ حافظ صاحب پرانے صحابی تھے اور اب عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 45)

ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ احمد اللہ خان صاحب حج بدل سے پہلے خود بھی حج کر چکے تھے۔ (سیرت حضرت اماں جان حصہ دوم از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ 249)

قربانی کے مسائل

قربانی کی حکمت

فرمایا:

خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کے لئے نمونے قائم کئے ہیں چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج:38) یعنی خدا کو تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ خون پہنچتا ہے مگر تمہاری تقویٰ اس کو پہنچتی ہے۔ یعنی اس سے اتنا ڈرو کہ گویا اس کی راہ میں مر ہی جاؤ اور جیسے تم اپنے ہاتھ سے قربانیاں ذبح کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی خدا کی راہ میں ذبح ہو جاؤ۔ جب کوئی تقویٰ اس درجہ سے کم ہے تو ابھی وہ ناقص ہے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 99 حاشیہ)

دلوں کی پاکیزگی سچی قربانی ہے

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج:38) یعنی دلوں کی پاکیزگی سچی قربانی ہے گوشت اور خون سچی قربانی نہیں جس جگہ عام لوگ جانوروں کی قربانی کرتے ہیں خاص لوگ دلوں کو ذبح کرتے ہیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 424)

قربانی میں دیگر مذاہب پر اسلام کی فضیلت

عیدالاضحیہ کا خطبہ دیتے ہوئے (جو خطبہ الہامیہ کے نام سے معروف ہے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

(عربی عبارت سے ترجمہ) میرا گمان ہے کہ یہ قربانیاں جو ہماری اس روشن شریعت میں ہوتی ہیں احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ اور ان کو اُن قربانیوں پر سبقت ہے کہ جو نبیوں کی پہلی امتوں کے لوگ کیا کرتے تھے اور قربانیوں کی کثرت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے خونوں سے زمین کا منہ چھپ گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُن کے خون جمع کئے جائیں اور اُن کے جاری کرنے کا ارادہ کیا جائے تو البتہ ان سے نہریں جاری ہو جائیں اور دریا بہہ نکلیں اور زمین کے تمام نشیبوں اور وادیوں میں خون رواں ہونے لگے۔ اور یہ کام ہمارے دین میں ان کاموں میں سے شمار کیا گیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا موجب ہوتے ہیں۔

(خطبہ الہامیہ۔ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 32۔33)

قربانی صرف صاحبِ استطاعت پر واجب ہے

ایک شخص کا خط حضورؑ کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں نے تھوڑی سی رقم ایک قربانی میں حصہ کے طور پر ڈال دی تھی، مگر اُن لوگوں نے مجھے احمدی ہونے کے سبب اس حصہ سے خارج کر دیا ہے۔ کیا میں وہ رقم قادیان کے مسکین فنڈ میں دے دوں تو میری قربانی ہو جائے گی؟

فرمایا:

قربانی تو قربانی کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ مسکین فنڈ میں روپے دینے سے نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ رقم کافی ہے تو ایک بکرا قربانی کرو۔ اگر کم ہے اور زیادہ کی تم کو توفیق نہیں تو تم پر قربانی کا دینا فرض نہیں۔ (بدر 14 فروری 1907ء صفحہ 8)

غیر احمدیوں کے ساتھ مل کر قربانی کرنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہم غیر احمدیوں کے ساتھ مل کر یعنی تھوڑے تھوڑے روپے ڈال کر کوئی جانور مثلاً گائے ذبح کریں تو جائز ہے؟ فرمایا:

ایسی کیا ضرورت پڑ گئی ہے کہ تم غیروں کے ساتھ شامل ہوتے ہو۔ اگر تم پر قربانی فرض ہے تو بکرا ذبح کر سکتے ہو اور اگر اتنی بھی توفیق نہیں تو تم پر قربانی فرض ہی نہیں۔ وہ غیر جو تم کو اپنے سے نکالتے ہیں اور کافر قرار دیتے ہیں وہ تو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے ساتھ شامل ہوں تو تمہیں کیا ضرورت ہے کہ اُن کے ساتھ شامل ہو۔ خدا پر توکل کرو۔ (بدر 14 فروری 1907ء صفحہ 8)

بکرے کی عمر کتنی ہو؟

سوال پیش ہوا ایک سال کا بکرا بھی قربانی کے لئے جائز ہے؟

فرمایا: مولوی صاحب سے پوچھ لو۔ اہلحدیث و حنفاء کا اس میں اختلاف ہے۔

نوٹ ایڈیٹر صاحب بدر: مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ دو سال سے کم کا بکرا قربانی کے لئے اہلحدیث کے نزدیک جائز نہیں۔ (بدر مورخہ 23 جنوری 1908ء صفحہ 2)

کیا ناقص جانور بھی قربانی کے لئے ذبح کیا جا سکتا ہے؟

ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر جانور مطابق علامات مذکورہ در حدیث نہ ملے تو کیا ناقص کو ذبح کر سکتے ہیں؟

فرمایا: مجبوری کے وقت تو جائز ہے مگر آج کل ایسی مجبوری کیا ہے۔ انسان تلاش کر سکتا ہے اور دن کافی ہوتے ہیں خواہ مخواہ حجت کرنا یا تساہل کرنا جائز نہیں۔

(بدر 23 جنوری 1908ء صفحہ 2)

عید الاضحیٰ کا روزہ

عید الاضحیہ کے دن قربانی کر کے اُس کا گوشت کھانے تک جو روزہ رکھا جاتا ہے اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے مجھے لکھا ہے کہ جو روزہ اس عید کے موقع پر رکھا جاتا ہے وہ سنت نہیں، اس کا اعلان کر دیا جائے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق

ثابت ہے کہ آپ صحت کی حالت میں قربانی کر کے کھاتے تھے تاہم یہ کوئی ایسا روزہ نہیں کہ کوئی نہ رکھے تو گنہگار ہوجائے یہ کوئی فرض نہیں بلکہ نفلی روزہ ہے اور مستحب ہے جو رکھ سکتا ہو رکھے مگر جو بیمار، بوڑھا یا دوسرا ابھی نہ رکھ سکے وہ مکلّف نہیں اور نہ رکھنے سے گنہگار نہیں ہوگا مگر یہ بالکل بے حقیقت بھی نہیں جیسا کہ مولوی بقاپوری صاحب نے لکھا ہے مَیں نے صحت کی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پر عمل کرتے دیکھا ہے پھر مسلمانوں میں یہ کثرت سے رائج ہے اور یہ یونہی نہیں بنالیا گیا بلکہ مستحب نفل ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعامل رہا اور جس پر عمل کرنے والا ثواب پاتا ہے مگر جو نہ کر سکے اسے گناہ نہیں۔

(روزنامہ الفضل 17 جنوری 1941ء صفحہ 4)

عقیقہ کس دن کرنا چاہیے؟

عقیقہ کی نسبت سوال ہوا کہ کس دن کرنا چاہیے؟

فرمایا:- ساتویں دن۔ اگر نہ ہو سکے تو پھر جب خدا توفیق دے۔ ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ ایسی روایات کو نیک ظن سے دیکھنا چاہیے جب تک قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں۔

(بدر 13 فروری 1908ء صفحہ 10)

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک دوست کی طرف سے عقیقہ کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مَیں قادیان میں تقریباً ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری بھی وہاں تھے۔ مولوی صاحب نے میرے لئے جانے کی اجازت چاہی اور میں نے اُن کے لئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ابھی نہ جائیں۔ اس عرصہ میں مولوی صاحب کو ان کے گھر سے لڑکے کی ولادت کا خط آیا۔ جس پر مولوی صاحب نے عقیقہ کی غرض سے جانے کی اجازت چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ اس غرض کے لئے جانا لازمی نہیں۔

آپ ساتویں دن ہمیں یاد دلا دیں اور گھر خط لکھ دیں کہ ساتویں دن اس کے بال منڈوا دیں۔ چنانچہ ساتویں روز حضور نے دو بکرے منگوا کر ذبح کرا دیئے اور فرمایا گھر خط لکھ دو۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 38)

عقیقہ کے واسطے کتنے بکرے مطلوب ہیں؟

ایک صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ عقیقہ پر صرف ایک بکرا ہی ذبح کرے؟

فرمایا: عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ہی ضروری ہیں۔ لیکن یہ اس کے واسطے ہے جو صاحبِ مقدرت ہے۔ اگر کوئی شخص دو بکروں کے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک خرید سکتا ہے تو اس کے واسطے جائز ہے کہ ایک ہی ذبح کرے اور اگر ایسا ہی غریب ہو کہ وہ ایک بھی قربانی نہیں کرسکتا تو اس پر فرض نہیں کہ خواہ مخواہ قربانی کرے۔ مسکین کو معاف ہے۔

(بدر 26 دسمبر 1907ء صفحہ 2)

عقیقہ کی سنت دو بکرے ہی ہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے تولد فرزند کے عقیقہ کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا:

''لڑکے کے عقیقہ کے لئے دو بکرے قربان کرنے چاہئیں''

میں نے عرض کی کہ ایک بکرا بھی جائز ہے؟ حضور نے جواب نہ دیا۔ میرے دوبارہ سوال پر ہنس کر فرمایا: ''اس سے بہتر ہے کہ عقیقہ نہ ہی کیا جاوے۔'' ایک بکرا کے جواز کا فتویٰ نہ دیا۔ میری غرض یہ تھی کہ بعض کم حیثیت والے ایک بکرا قربانی کر کے بھی عقیقہ کر سکیں۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 155)

نکاح

نکاح کی اغراض

فرمایا:

اسلام نے نکاح کرنے سے علت غائی ہی یہی رکھی ہے کہ تا انسان کو وجہ حلال سے نفسانی شہوات کا وہ علاج میسر آوے جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں رکھا گیا ہے اور اس طرح اس کو عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو کر ناجائز اور حرام شہوت رانیوں سے بچا رہے کیا جس نے اپنی پاک کلام میں فرمایا کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (البقرة :224) یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ تا لوگ شہوت رانی کریں اور کوئی مقصد نہ ہو کیا کھیتی سے صرف لہو ولعب ہی غرض ہوتی ہے یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو بیج بویا گیا ہے اس کو کامل طور پر حاصل کر لیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا جس نے اپنی مقدس کلام میں فرمایا مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء:45) یعنی تمہارے نکاح کا یہ مقصود ہونا چاہئے کہ تمہیں عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو اور شہوات کے بدنتائج سے بچ جاؤ۔ یہ نہیں مقصود ہونا چاہئے کہ تم حیوانات کی طرح بغیر کسی پاک غرض کے شہوت کے بندے ہو کر اس کام میں مشغول ہو کیا اس حکیم خدا کی نسبت یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس نے اپنی تعلیم میں مسلمانوں کو صرف شہوت پرست بنانا چاہا اور یہ باتیں فقط قرآن شریف میں نہیں بلکہ ہماری معتبر حدیث کی دو کتابیں بخاری اور مسلم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت ہے اور اعادہ کی حاجت نہیں ہم اسی رسالہ میں لکھ چکے ہیں قرآن کریم تو اسی غرض سے نازل ہوا کہ تا ان کو جو بندہ شہوت تھے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع دلاوے اور ہر یک بے اعتدالی کو دور کرے۔ (آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 44)

عورتوں کوکھیتی کہنے کی حکمت

فرمایا:۔

قرآن شریف میں ۔۔۔ یہ آیت ہے۔ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ أَنّٰی شِئْتُمْ (البقرۃ:224) یعنی تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لئے ایک کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی کی طرف جس طور سے چاہو آؤ۔ صرف کھیتی ہونے کا لحاظ رکھو یعنی اس طور سے صحبت نہ کرو جو اولاد کی مانع ہو۔ بعض آدمی اسلام کے اوائل زمانہ میں صحبت کے وقت انزال کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور باہر انزال کر دیتے تھے۔ اس آیت میں خدا نے اُن کو منع فرمایا اور عورتوں کا نام کھیتی رکھا یعنی ایسی زمین جس میں ہر قسم کا اناج اُگتا ہے پس اس آیت میں ظاہر فرمایا کہ چونکہ عورت درحقیقت کھیتی کی مانند ہے جس سے اناج کی طرح اولاد پیدا ہوتی ہے سو یہ جائز نہیں کہ اُس کھیتی کو اولاد پیدا ہونے سے روکا جاوے۔ ہاں اگر عورت بیمار ہو اور یقین ہو کہ حمل ہونے سے اُس کی موت کا خطرہ ہوگا ایسا ہی صحت نیت سے کوئی اور مانع ہو تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں ورنہ عندالشرع ہرگز جائز نہیں کہ اولاد ہونے سے روکا جائے۔

غرض جب کہ خدا تعالیٰ نے عورت کا نام کھیتی رکھا تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسی واسطے اُس کا نام کھیتی رکھا کہ اولاد پیدا ہونے کی جگہ اُس کو قرار دیا اور نکاح کے اغراض میں سے ایک یہ بھی غرض رکھی کہ تا اس نکاح سے خدا کے بندے پیدا ہوں جو اُس کو یاد کریں۔ دوسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دی ہے کہ تا مرد اپنی بیوی کے ذریعہ اور بیوی اپنے خاوند کے ذریعہ سے بدنظری اور بدعملی سے محفوظ رہے۔ تیسری غرض یہ بھی قرار دی ہے کہ تا باہم اُنس ہو کر تنہائی کے رنج سے محفوظ رہیں۔ یہ سب آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں ہم کہاں تک کتاب کو طول دیتے جائیں۔ (چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 292، 293)

منگنی نکاح کے قائم مقام نہیں

سوال:۔ ہمارے ملک کا رواج ہے کہ جب با قاعدہ منگنی ہو جائے اور لڑکی کو زیور اور کپڑے پہنا دیئے جائیں تو وہ نکاح کا قائم مقام سمجھی جاتی ہے اس واسطے اس لڑکی کا کسی اور جگہ نکاح نہیں ہوسکتا؟

جواب:۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

یہ کوئی دعویٰ نہیں۔ نہ منگنی کوئی شرعی بات ہے جب والدین راضی اور لڑکی راضی ہے تو کسی تیسرے شخص کو بولنے کا حق نہیں۔ (رجسٹر ہدایات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ 26-6-1954)

ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر لڑکی چاہتی ہے کہ اس کا نکاح توڑ دیا جاوے تو... اس قدر جھگڑے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ابھی دونوں آپس میں ملے نہ تھے۔اس وقت اگر باہمی تنازع پیدا ہو گیا تھا تو ان کو خوشی سے اس نکاح کو توڑ دینا چاہئے تھا کیونکہ ایسا نکاح درحقیقت ایک رنگ منگنی کا رکھتا ہے اور یہی فتویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مجھے زبانی پہنچا ہے۔

(فرمودات مصلح موعود دربارہ فقہی مسائل صفحہ 191، 192)

نکاح میں لڑکی کی رضامندی ضروری ہے

ایک لڑکی کے دو بھائی تھے اور ایک والدہ۔ ایک بھائی اور والدہ ایک لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کے نکاح کے لئے راضی تھے مگر ایک بھائی مخالف تھا۔ وہ اَور جگہ رشتہ پسند کرتا تھا اور لڑکی بھی بالغ تھی۔ اس کی نسبت مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اس لڑکی کا نکاح کہاں کیا جاوے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ لڑکی کس بھائی کی رائے سے اتفاق کرتی ہے؟ جواب دیا گیا کہ اپنے اس بھائی کے ساتھ جس کے ساتھ والدہ بھی متفق ہے۔فرمایا:

پھر وہاں ہی اس کا رشتہ ہو جہاں لڑکی اور اس کا بھائی دونوں متفق ہیں۔

(الحکم 10 جولائی 1903ء صفحہ 1)

احمدی لڑکی کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں

سوال پیش ہوا کہ ایک احمدی لڑکی ہے جس کے والدین غیر احمدی ہیں۔ والدین اس کی غیر احمدی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے تھے اور لڑکی ایک احمدی کے ساتھ کرنا چاہتی تھی ۔ والدین نے اصرار کیا، عمر اس کی اسی اختلاف میں بائیس سال تک پہنچ گئی۔ لڑکی نے تنگ آ کر والدین کی اجازت کے بغیر ایک احمدی سے نکاح کر لیا۔ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ فرمایا:

''نکاح جائز ہو گیا۔''

(بدر 31/اکتوبر 1907ء صفحہ 7)

غیر احمدی کو لڑکی دینے میں گناہ ہے

فرمایا:

غیر احمدیوں کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی تو نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیے۔ اگر ملے تو لے بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔

(الحکم 14/اپریل 1908ء صفحہ 2)

مخالفوں کو لڑکی ہرگز نہ دو

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں فضل محمد صاحب دوکاندار محلّہ دارالفضل نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میرا بیٹا عبدالغفور ابھی چھوٹا ہی تھا کہ اس کی نانی اپنی پوتی کا رشتہ اس کو دینے کے لئے مجھے زور دے رہی تھی اور میں منظور نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن موقعہ پا کر حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ حضورؑ میں اپنی پوتی کا رشتہ اپنے نواسہ کو دیتی ہوں اور یہ میرا بیٹا پسند نہیں کرتا۔ حضورؑ نے مجھے بلایا اور کہا کہ ''یہ رشتہ تم کیوں نہیں لیتے؟'' میں نے عرض کی کہ حضور! یہ لوگ مخالف ہیں اور سخت گوئی

کرتے ہیں اس واسطے میں انکار کرتا ہوں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ”مخالفوں کی لڑکی لے لو اور مخالفوں کو دو نہیں“، یعنی مخالفوں کی لڑکی لے لو اور مخالفوں کو دینی نہیں چاہیے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 170، 171)

رشتہ کے لئے لڑکیوں کا دِکھانا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ مدت کی بات ہے کہ جب میاں ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہوگئی اور اُن کو دوسری کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے اُن سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں، آپ اُن کو دیکھ لیں۔ پھر اُن میں سے جو آپ کو پسند ہو اس سے آپ کی شادی کر دی جاوے۔ چنانچہ حضرت صاحب گئے اور ان دو لڑکیوں کو بُلا کر کمرہ کے باہر کھڑا کر دیا۔ اور پھر اندر آ کر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں۔ آپ چِک کے اندر سے دیکھ لیں۔ چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے اُن کو دیکھ لیا اور پھر حضرت صاحب نے اُن کو رخصت کر دیا اور اس کے بعد میاں ظفر احمد صاحب سے پوچھنے لگے کہ اب بتاؤ تمہیں کون سی لڑکی پسند ہے۔ وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ جس کا منہ لمبا ہے وہ اچھی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو نہیں دیکھا۔ پھر آپ خود فرمانے لگے کہ ہمارے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے وہ بیماری وغیرہ کے بعد عمومًا بدنما ہوجاتا ہے مگر گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ اس وقت حضرت صاحب اور میاں ظفر احمد صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لڑکیوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے۔ اور پھر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا تھا جس سے ان کو

کچھ معلوم نہیں ہوا۔ مگر ان میں سے کسی کے ساتھ میاں ظفر احمد صاحب کا رشتہ نہیں ہوا۔ یہ مدت کی بات ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 240، 241)

ہم کفو رشتہ بہتر ہے لیکن لازمی نہیں

ایک دوست کا سوال پیش ہوا کہ ایک احمدی اپنی ایک لڑکی غیر کفو کے ایک احمدی کے ہاں دینا چاہتا ہے حالانکہ اپنی کفو میں رشتہ موجود ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

اگر حسبِ مراد رشتہ ملے تو اپنی کفو میں کرنا بہ نسبت غیر کفو کے بہتر ہے لیکن یہ امر ایسا نہیں کہ بطور فرض کے ہو۔ ہر ایک شخص ایسے معاملات میں اپنی مصلحت اور اپنی اولاد کی بہتری کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ اگر کفو میں وہ کسی کو اس لائق نہیں دیکھتا تو دوسری جگہ دینے میں حرج نہیں اور ایسے شخص کو مجبور کرنا کہ وہ بہر حال اپنی کفو میں اپنی لڑکی دیوے، جائز نہیں ہے۔

(بدر 11 اپریل 1907ء صفحہ 3)

نکاح طبعی اور اضطراری تقاضا ہے

پادری فتح مسیح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام لے کر اعتراض کرتے ہیں کہ جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن سے بدن لگانا اور زبان چوسنا خلاف شرع تھا۔ اب اس ناپاک تعصب پر کہاں تک روویں۔ **اے نادان!** جو حلال اور جائز نکاح ہیں ان میں یہ سب باتیں جائز ہوتی ہیں۔ یہ اعتراض کیسا ہے۔ **کیا تمہیں خبر نہیں کہ مردی اور رجولیّت انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے۔ ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔** جیسے بہرہ اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں! یہ اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفات کی اعلیٰ ترین صفت سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازواج سے سچی اور کامل حُسنِ معاشرت کا کوئی

عملی نمونہ نہ دے سکے۔ اس لئے یورپ کی عورتیں نہایت قابل شرم آزادی سے فائدہ اُٹھا کر اعتدال کے دائرہ سے اِدھر اُدھر نکل گئیں اور آخر ناگفتنی فسق و فجور تک نوبت پہنچی۔

اے نادان! فطرت انسانی اور اس کے سچے پاک جذبات سے اپنی بیویوں سے پیار کرنا اور حُسنِ معاشرت کے ہر قسم جائز اسباب کو برتنا انسان کا طبعی اور اضطراری خاصہ ہے۔ اسلام کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اُسے برتا اور اپنی جماعت کو نمونہ دیا۔ مسیح نے اپنے نقص تعلیم کی وجہ سے اپنے ملفوظات اور اعمال میں یہ کمی رکھ دی۔ مگر چونکہ طبعی تقاضا تھا اس لئے یورپ اور عیسویت نے خود اس کے لئے ضوابط نکالے۔ اب تم خود انصاف سے دیکھ لو کہ گندی سیاہ بدکاری اور ملک کا ملک رنڈیوں کا ناپاک چکلہ بن جانا، ہائیڈ پارکوں میں ہزاروں ہزار کا روز روشن میں کتوں اور کتیوں کی طرح اوپر تلے ہونا اور آخر اس ناجائز آزادی سے تنگ آ کر آہ وفغاں کرنا اور برسوں دَیُّوثیوں اور سیاہ روئیوں کے مصائب جھیل کر اخیر میں مسودۂ طلاق پاس کرانا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟ کیا اس مقدّس مطہّر، مزکّی، نبیٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کے اس نمونہ کا جس پر خباثت باطنی کی تحریک سے آپ معترض ہیں، یہ نتیجہ ہے اور ممالک اسلامیہ میں یہ تعفّن اور زہریلی ہوا پھیلی ہوئی ہے یا ایک سخت ناقص، نالائق کتاب، پولوسی انجیل کی مخالف فطرت اور ادھوری تعلیم کا یہ اثر ہے؟ اب دو زانو ہو کر بیٹھو اور یوم الجزاء کی تصویر کھینچ کر غور کرو۔ (نورالقرآن روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 392، 393)

کم عمری کی شادی جائز ہے

پادری فتح مسیح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

آپ نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے نو برس کی رسم شادی کا ذکر لکھا ہے۔ اول تو نو برس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثابت نہیں اور نہ اس میں کوئی وحی ہوئی اور نہ اخبار متواترہ سے ثابت ہوا کہ ضرور نو برس ہی

تھے۔صرف ایک راوی سے منقول ہے۔عرب کے لوگ تقویم پترے نہیں رکھا کرتے تھے کیونکہ اُمی تھے اور دو تین برس کی کمی بیشی ان کی حالت پر نظر کر کے ایک عام بات ہے۔ جیسے کہ ہمارے ملک میں بھی اکثر ناخواندہ لوگ دو چار برس کے فرق کو اچھی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ پھر اگر فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں۔ کہ فی الواقع دن دن کا حساب کر کے نو برس ہی تھے۔لیکن پھر بھی کوئی عقلمند اعتراض نہیں کرے گا مگر احمق کا کوئی علاج نہیں ہم آپ کو اپنے رسالہ میں ثابت کر کے دکھا دیں گے کہ حال کے محقق ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نو برس تک بھی لڑکیاں بالغ ہو سکتی ہیں۔ بلکہ سات برس تک بھی اولاد ہو سکتی ہے اور بڑے بڑے مشاہدات سے ڈاکٹروں نے اس کو ثابت کیا ہے اور خود صدہا لوگوں کی یہ بات چشم دید ہے کہ اسی ملک میں آٹھ آٹھ نو نو برس کی لڑکیوں کے یہاں اولاد موجود ہے مگر آپ پر تو کچھ بھی افسوس نہیں اور نہ کرنا چاہئے کیونکہ آپ صرف متعصب ہی نہیں بلکہ **اول درجہ کے احمق بھی ہیں**۔آپ کو اب تک اتنی بھی خبر نہیں کہ گورنمنٹ کے قانون عوام کی درخواست کے موافق ان کی رسم اور سوسائٹی کی عام وضع کی بِنا پر تیار ہوتے ہیں۔ان میں فلاسفروں کی طرز پر تحقیقات نہیں ہوتی اور جو بار بار آپ گورنمنٹ انگریزی کا ذکر کرتے ہیں یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے شکر گزار ہیں اور اس کے خیر خواہ ہیں اور جب تک زندہ ہیں رہیں گے مگر تاہم ہم اس کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے اور نہ اس کے قوانین کو حکیمانہ تحقیقاتوں پر مبنی سمجھتے ہیں بلکہ قوانین بنانے کا اصول رعایا کی کثرت رائے ہے۔گورنمنٹ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تا وہ اپنے قوانین میں غلطی نہ کرے اگر ایسے ہی قوانین محفوظ ہوتے تو ہمیشہ نئے نئے قانون کیوں بنتے رہتے انگلستان میں لڑکیوں کے بلوغ کا زمانہ اٹھارہ برس قرار دیا ہے اور گرم ملکوں میں تو لڑکیاں بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔آپ اگر گورنمنٹ کے قوانین کو **کالوحی من السماء** سمجھتے ہیں کہ ان میں امکان غلطی نہیں۔تو ہمیں بواپسی ڈاک اطلاع دیں تا انجیل اور قانون کا تھوڑا سا مقابلہ

کر کے آپ کی کچھ خدمت کی جائے۔غرض گورنمنٹ نے اب تک کوئی اشتہار نہیں دیا کہ ہمارے قوانین بھی توریت اور انجیل کی طرح خطا اور غلطی سے خالی ہیں اگر آپ کو کوئی اشتہار پہنچا ہوتو اس کی ایک نقل ہمیں بھی بھیج دیں پھر اگر گورنمنٹ کے قوانین خدا کی کتابوں کی طرح خطا سے خالی نہیں تو ان کا ذکر کرنا یا تو حمق کی وجہ سے ہے یا تعصب کے سبب سے مگر آپ معذور ہیں اگر گورنمنٹ کو اپنے قانون پر اعتماد تھا تو کیوں ان ڈاکٹروں کو سزا نہیں دی جنہوں نے حال میں یورپ میں بڑی تحقیقات سے نو برس بلکہ سات برس کو بھی بعض عورتوں کے بلوغ کا زمانہ قرار دے دیا ہے اور نو برس کی عمر کے متعلق آپ اعتراض کر کے پھر توریت یا انجیل کا کوئی حوالہ نہ دے سکے صرف گورنمنٹ کے قانون کا ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا توریت اور انجیل پر ایمان نہیں رہا۔ ورنہ نو برس کی حرمت یا تو توریت سے ثابت کرتے یا انجیل سے ثابت کرنی چاہئے تھی۔

(نورالقرآن ۔روحانی خزائن جلد9 صفحہ 377 تا379)

حضرت عائشہؓ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شادی پر اعتراض کا جواب

ہندوؤں کے اس اعتراض، کہ حضرت رسول خدا محمدؐ صاحب کا اپنی بیوی حضرت عائشہ نوسالہ سے ہم بستر ہونا کیا اولاد پیدا کرنے کی نیت سے تھا، کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

یہ اعتراض محض جہالت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔کاش اگر نادان معترض پہلے کسی محقق ڈاکٹر یا طبیب سے پوچھ لیتا تو اس اعتراض کرنے کے وقت بجز اس کے کسی اور نتیجہ کی توقع نہ رکھتا کہ ہر یک حقیقت شناس کی نظر میں نادان اور احمق ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر مون صاحب جو علوم طبعی اور طبابت کے ماہر اور انگریزوں میں بہت مشہور محقق ہیں وہ لکھتے ہیں کہ گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ یا نو برس کی عمر میں شادی کے لائق ہو جاتی ہیں۔کتاب موجود ہے تم بھی اسی جگہ ہو اگر طلب حق ہے تو آ کر دیکھ لو اور حال میں ایک ڈاکٹر صاحب جنہوں نے کتاب معدن الحکمت تالیف کی

ہے۔ وہ اپنی کتاب تدبیر بقاء نسل میں بعینہ یہی قول لکھتے ہیں جو اوپر نقل ہو چکا اور صفحہ 46 میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹروں کی تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ نو یا آٹھ یا پانچ یا چھ برس کی لڑکیوں کو حیض آیا۔ یہ کتاب بھی میرے پاس موجود ہے جو چاہے دیکھ لے۔ ان کتابوں میں کئی اور ڈاکٹروں کا نام لے کر حوالہ دیا گیا ہے اور چونکہ یہ تحقیقاتیں بہت مشہور ہیں اور کسی دانا پر مخفی نہیں اس لئے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور حضرت عائشہ کا نو سالہ ہونا تو صرف بے سروپا اقوال میں آیا ہے۔ کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں لیکن ڈاکٹر واہ صاحب کا ایک چشم دید قصہ لینسٹ نمبر 15 مطبوعہ اپریل 1881ء میں اس طرح لکھا ہے کہ انہوں نے ایسی عورت کو جنایا جس کو ایک برس کی عمر سے حیض آنے لگا تھا اور آٹھویں برس حاملہ ہوئی اور آٹھ برس دس مہینہ کی عمر میں لڑکا پیدا ہوا۔ (آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 63، 64)

تعدد ازدواج میں عدل کے تقاضے

ایک احمدی نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ تعدّد ازدواج میں جو عدل کا حکم ہے کیا اس سے یہی مراد ہے کہ مرد بحیثیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء:35) کے خود ایک حاکم عادل کی طرح جس بیوی کو سلوک کے قابل پاوے ویسا سلوک اس سے کرے یا کچھ اور معنی ہیں؟ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

محبت کو قطع نظر بالائے طاق رکھ کر عملی طور پر سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہئے مثلاً پارچہ جات، خرچ خوراک، معاشرت حتیٰ کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے۔ یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہوں تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے وہی اُن کی بجاآوری کا دم بھر سکتا ہے۔ ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے، تلخ زندگی بسر کر لینی ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ تعدّد ازدواج کی نسبت اگر ہم تعلیم دیتے ہیں تو

صرف اس لیے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اسے بطور علاج کے ہی رکھا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کا میلان اور غلبہ شہوات کی طرف دیکھے اور اس کی نظر بار بار خراب ہوتی ہو تو زنا سے بچنے کے لیے دوسری شادی کر لے لیکن پہلی بیوی کے حقوق تلف نہ کرے۔ تورات سے بھی یہی ثابت ہے کہ اُس کی دلداری زیادہ کرے کیونکہ جوانی کا بہت سا حصہ اُس نے اس کے ساتھ گذارا ہوا ہوتا ہے اور ایک گہرا تعلق خاوند کا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلی بیوی کی رعایت اور دلداری یہانتک کرنی چاہیے کہ اگر کوئی ضرورت مرد کو ازدواجِ ثانی کی محسوس ہو لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دوسری بیوی کے کرنے سے اس کی پہلی بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ کی اُس کی دل شکنی ہوتی ہے تو اگر وہ صبر کر سکے اور کسی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا ہو اور نہ کسی شرعی ضرورت کا اُس سے خون ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اگر اُن اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی دلداری کے لیے کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اُسے مناسب ہے کہ دوسری شادی نہ کرے۔ . . .

خدا کے قانون کو اس کی منشاء کے برخلاف ہرگز نہ برتنا چاہئے اور نہ اُس سے ایسا فائدہ اُٹھانا چاہئے جس سے وہ صرف نفسانی جذبات کی ایک سِپر بن جاوے۔ یاد رکھو کہ ایسا کرنا معصیت ہے خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ شہوات کا تم پر غلبہ نہ ہو بلکہ تمہاری غرض ہر ایک امر میں تقویٰ ہو۔ اگر شریعت کو سِپر بنا کر شہوات کی اتباع کے لئے بیویاں کی جاویں گی تو سوائے اس کے اور کیا نتیجہ ہوگا کہ دوسری قومیں اعتراض کریں کہ مسلمانوں کو بیویاں کرنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ زنا کا نام ہی گناہ نہیں بلکہ شہوات کا کھلے طور پر دِل میں پڑ جانا گناہ ہے۔ دنیاوی تمتع کا حصہ انسانی زندگی میں بہت ہی کم ہونا چاہئے، تا کہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا (التوبۃ:82) یعنی ہنسو تھوڑا اور روؤ بہت، کا مصداق بنو۔ لیکن جس شخص کی دنیاوی تمتع کثرت سے ہیں اور وہ رات دن بیویوں میں مصروف ہے اُس کو رقّت اور رونا کب نصیب ہوگا۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایک خیال کی تائید اور اتباع میں تمام سامان کرتے ہیں اور اس طرح سے

خدا تعالیٰ کے اصل منشاء سے دور جا پڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اگرچہ بعض اشیاء جائز تو کردی ہیں مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر ہی اس میں بسر کی جاوے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کی صفت میں فرماتا ہے **يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا** (الفرقان:65) کہ وہ اپنے رب کے لئے تمام تمام رات سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں۔ اب دیکھو رات دن بیویوں میں غرق رہنے والا خدا کے منشاء کے موافق رات کیسے عبادت میں کاٹ سکتا ہے۔ وہ بیویاں کیا کرتا ہے گویا خدا کے لئے شریک پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور باوجود اُن کے پھر بھی آپؐ ساری ساری رات خدا کی عبادت میں گزارتے تھے۔ ایک رات آپؐ کی باری عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھی، کچھ حصہ رات کا گزر گیا تو عائشہؓ کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ آپؐ موجود نہیں، اُسے شبہ ہوا کہ شاید آپؐ کسی اور بیوی کے ہاں گئے ہوں گے۔ اُس نے اُٹھ کر ہر ایک کے گھر میں تلاش کیا مگر آپؐ نہ ملے۔ آخر دیکھا کہ آپؐ قبرستان میں ہیں اور سجدہ میں رو رہے ہیں۔ اب دیکھو کہ آپؐ زندہ اور چہیتی بیوی کو چھوڑ کر مردوں کی جگہ قبرستان میں گئے اور روتے رہے تو کیا آپؐ کی بیویاں حظّ نفس یا اتباع شہوت کی بناء پر ہو سکتی ہیں؟ غرض کہ خوب یاد رکھو کہ خدا کا اصل منشاء یہ ہے کہ تم پر شہوات غالب نہ آویں اور تقویٰ کی تکمیل کے لئے اگر ضرورت حقہ پیش آوے تو اور بیوی کر لو۔

(البدر 8 جولائی 1904ء صفحہ 2)

اسلام نے کثرتِ ازدواج کا راستہ روکا ہے

کثرتِ ازدواج کے اعتراض میں ہماری طرف سے وہی معمولی جواب ہوگا کہ اسلام سے پہلے اکثر قوموں میں کثرت ازدواج کی سینکڑوں اور ہزاروں تک نوبت پہنچ گئی تھی اور اسلام نے تعدّد ازدواج کو کم کیا ہے نہ زیادہ۔ بلکہ یہ قرآن میں ہی ایک فضیلت خاص ہے کہ اس نے ازدواج کی بے حدی اور بے قیدی کو ردّ کر دیا ہے۔ (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 47)

تعدّد ازدواج کی ضرورت اور حکمت

آریہ سماج والے تعدّد ازدواج کو نظر نفرت سے دیکھتے ہیں مگر بلا شبہ وہ اس ضرورت کو

تسلیم کرتے ہیں جس کے لئے اکثر انسان تعدد ازدواج کے لئے مجبور ہوتا ہے۔اور وہ یہ کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ اپنی نسل باقی رہنے کے لئے کوئی احسن طریق اختیار کرے اور لاولد رہنے سے اپنے تئیں بچاوے اور یہ ظاہر ہے کہ بسا اوقات ایک بیوی سے اولاد نہیں ہوتی اور یا ہوتی ہے اور بباعث لاحق ہونے کسی بیماری کے مرمر جاتی ہے اور یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں مرد کو دوسری بیوی کی نکاح کے لئے ضرورت پیش آتی ہے۔خاص کر ایسے مرد جن کی نسل کا مفقود ہونا قابلِ افسوس ہوتا ہے اور اُن کی ملکیت اور ریاست کو بہت حرج اور نقصان پہنچتا ہے۔ایسا ہی اور بہت سے وجوہ تعدد نکاح کے لئے پیش آتے ہیں۔۔۔۔۔قرآن شریف میں انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تعدد ازدواج کو روا رکھا ہے اور من جملہ ان ضرورتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ تا بعض صورتوں میں تعدد ازدواج نسل قائم رہنے کا موجب ہو جائے کیونکہ جس طرح قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اسی طرح نسل سے بھی قومیں بنتی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کثرتِ نسل کے لئے نہایت عمدہ طریق تعدّد ازدواج ہے۔پس وہ برکت جس کا دوسرے لفظوں میں نام کثرتِ نسل ہے اس کا بڑا بھاری ذریعہ تعدد ازدواج ہی ہے۔۔۔۔۔ہندوؤں کے وہ بزرگ جو اوتار کہلاتے تھے ان کا تعدّد ازدواج بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کرشن جی کی ہزاروں بیویاں بیان کی جاتی ہیں اور اگر ہم اس بیان کو مبالغہ خیال کریں تو اس میں شک نہیں کہ دس بیس تو ضرور ہوں گی۔راجہ رام چندر کے باپ کی بھی دو بیویاں تھیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے وید میں کہیں تعدد ازدواج کی ممانعت نہیں پائی جاتی ورنہ یہ بزرگ لوگ ایسا کام کیوں کرتے جو وید کے برخلاف تھا۔ایسا ہی باوانانک صاحب جو ہندو قوم میں ایک بڑے مقدس آدمی شمار کئے گئے ہیں ان کی بھی دو بیویاں تھیں۔

اس جگہ مخالفوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کرتا ہے کہ تعدد ازدواج میں یہ ظلم ہے کہ

اعتدال نہیں رہتا۔ اعتدال اسی میں ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہو مگر مجھے تعجب ہے کہ وہ دوسروں کے حالات میں کیوں خوانخواہ مداخلت کرتے ہیں جبکہ یہ مسئلہ اسلام میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے۔ مگر جبر کسی پر نہیں اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ ان عورتوں کا حق ہے کہ جب کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیں تو اول شرط کرالیں کہ ان کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بے شک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو جُرم نقضِ عہد کا مرتکب ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عورت ایسی شرط نہ لکھاوے اور حکم شرع پر راضی ہووے تو اس حالت میں دوسرے کا دخل دینا بے جا ہوگا اور اس جگہ یہ مثل صادق آئے گی کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے تعدّد ازدواج فرض واجب نہیں کیا ہے۔ خدا کے حکم کی رو سے صرف جائز ہے۔ پس اگر کوئی مرد اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس جائز حکم سے فائدہ اُٹھانا چاہے جو خدا کے جاری کردہ قانون کی رُو سے ہے اور اس کی پہلی بیوی اس پر راضی نہ ہو تو اس بیوی کے لئے یہ راہ کشادہ ہے کہ وہ طلاق لے لے اور اس غم سے نجات پاوے اور اگر دوسری عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اس نکاح پر راضی نہ ہو تو اس کے لئے بھی یہ سہل طریق ہے کہ ایسی درخواست کرنے والے کو انکاری جواب دے دے۔ کسی پر جبر تو نہیں لیکن اگر وہ دونوں عورتیں اس نکاح پر راضی ہو جاویں اس صورت میں کسی آریہ کو خوانخواہ دخل دینے اور اعتراض کرنے کا کیا حق ہے ..... یہ مسئلہ حقوق عباد کے متعلق ہے اور جو شخص دو بیویاں کرتا ہے اس میں خدا تعالیٰ کا حرج نہیں۔ اگر حرج ہے تو اس بیوی کا جو پہلی بیوی ہے یا دوسری بیوی کا۔ پس اگر پہلی بیوی اس نکاح میں اپنی حق تلفی سمجھتی ہے تو وہ طلاق لے کر اس جھگڑے سے خلاصی پا سکتی ہے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو بذریعہ حاکمِ وقت وہ خلع کرا سکتی ہے۔ اور اگر دوسری بیوی اپنا کچھ حرج سمجھتی ہے تو وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھتی ہے۔ پس یہ

اعتراض کرنا کہ اس طور سے اعتدال ہاتھ سے جاتا ہے خوانخواہ کا دخل ہے اور باایں ہمہ خدا تعالیٰ نے مردوں کو وصیت فرمائی ہے کہ اگر ان کی چند بیویاں ہوں تو ان میں اعتدال رکھیں ورنہ ایک ہی بیوی پر قناعت کریں۔

اور یہ کہنا کہ تعدد ازدواج شہوت پرستی سے ہوتا ہے یہ بھی سراسر جاہلانہ اور متعصّبانہ خیال ہے۔ہم نے تو اپنی آنکھوں کے تجربہ سے دیکھا ہے کہ جن لوگوں پر شہوت پرستی غالب ہے اگر وہ تعدّد ازدواج کی مبارک رسم کے پابند ہو جائیں تب تو وہ فسق و فجور اور زناکاری اور بدکاری سے رک جاتے ہیں اور یہ طریق ان کو متقی اور پرہیزگار بنا دیتا ہے۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 244 تا 247)

عرب میں صدہا بیویوں تک نکاح کر لیتے تھے اور پھر ان کے درمیان اعتدال بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے ایک مصیبت میں عورتیں پڑی ہوئی تھیں جیسا کہ اس کا ذکر جان ڈیون پورٹ اور دوسرے بہت سے انگریزوں نے بھی لکھا ہے۔**قرآن کریم** نے ان صدہا نکاحوں کے عدد کو گھٹا کر چار تک پہنچا دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء:4) یعنی اگر تم ان میں اعتدال نہ رکھو تو پھر ایک ہی رکھو۔پس اگر کوئی قرآن کے زمانہ پر ایک نظر ڈال کر دیکھے کہ دنیا میں تعدد ازدواج کس افراط تک پہنچ گیا تھا اور کیسی بے اعتدالیوں سے عورتوں کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا تو اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن نے دنیا پر یہ احسان کیا کہ ان تمام بے اعتدالیوں کو موقوف کر دیا لیکن چونکہ قانون قدرت ایسا ہی پڑا ہے کہ بعض اوقات انسان کو اولاد کی خواہش اور بیوی کے عقیمہ ہونے کے سبب سے یا بیوی کے دائمی بیمار ہونے کی وجہ سے یا بیوی کی ایسی بیماری کے عارضہ سے جس میں مباشرت ہرگز ناممکن ہے جیسی بعض صورتیں خروج رحم کی جن میں چھونے کے ساتھ ہی عورت کی جان نکلتی ہے اور کبھی دس دس سال ایسی بیماریاں رہتی ہیں اور یا بیوی کا زمانہ پیری جلد آنے سے یا اس کے جلد جلد حمل دار ہونے کے باعث سے

فطرتاً دوسری بیوی کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس قدر تعدد کے لئے جواز کا حکم دے دیا اور ساتھ اس کے اعتدال کی شرط لگا دی سو یہ انسان کی حالت پر رحم ہے تا وہ اپنی فطری ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت الٰہی حکمت کے تدارک سے محروم نہ رہے جن کو اس بات کا علم نہیں کہ عرب کے باشندے قرآن شریف سے پہلے کثرت ازدواج میں کس بے اعتدالی تک پہنچے ہوئے تھے ایسے بیوقوف ضرور کثرت ازدواجی کا الزام اسلام پر لگائیں گے مگر تاریخ کے جاننے والے اس بات کا اقرار کریں گے کہ قرآن نے ان رسموں کو گھٹایا ہے نہ کہ بڑھایا۔　(آریہ دھرم روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 44،45)

کسی خاندان کا سلسلہ صرف ایک ایک بیوی سے ہمیشہ کیلئے جاری نہیں رہ سکتا بلکہ کسی نہ کسی فرد سلسلہ میں یہ دقت آ پڑتی ہے کہ ایک جورو عقیمہ اور نا قابل اولاد نکلتی ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ دراصل بنی آدم کی نسل ازدواج مکرر سے ہی قائم و دائم چلی آتی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیوی کرنا منع ہوتا تو اب تک نوع انسان قریب قریب خاتمہ کے پہنچ جاتی۔ تحقیق سے ظاہر ہوگا کہ اس مبارک اور مفید طریق نے انسان کی کہاں تک حفاظت کی ہے اور کیسے اس نے اجڑے ہوئے گھروں کو بیک دفعہ آباد کر دیا ہے اور انسان کے تقویٰ کیلئے یہ فعل کیسا زبردست ممد و معین ہے۔ خاوندوں کی حاجت براری کے بارے میں جو عورتوں کی فطرت میں ایک نقصان پایا جاتا ہے جیسے ایام حمل اور حیض نفاس میں یہ طریق بابرکت اس نقصان کا تدارک تام کرتا ہے اور جس حق کا مطالبہ مرد اپنی فطرت کی رو سے کرسکتا ہے وہ اسے بخشتا ہے۔ ایسا ہی مرد اور کئی وجوہات اور موجبات سے ایک سے زیادہ بیوی کرنے کیلئے مجبور ہوتا ہے مثلاً اگر مرد کی ایک بیوی تغیر عمر یا کسی بیماری کی وجہ سے بدشکل ہو جائے تو مرد کی قوت فاعلی جس پر سارا مدار عورت کی کاروائی کا ہے بے کار اور معطل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مرد بدشکل ہو تو عورت کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ کاروائی کی کَل مرد کو دی گئی ہے اور عورت کی تسکین کرنا مرد کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں اگر مرد اپنی قوت مردی میں قصور یا عجز رکھتا ہے تو

قرآنی حکم کے رو سے عورت اس سے طلاق لے سکتی ہے۔ اور اگر پوری پوری تسلی کرنے پر قادر ہو تو عورت یہ عذر نہیں کر سکتی کہ دوسری بیوی کیوں کی ہے۔ کیونکہ مرد کی ہر روزہ حاجتوں کی عورت ذمہ دار اور کار برار نہیں ہو سکتی اور اس سے مرد کا استحقاق دوسری بیوی کرنے کیلئے قائم رہتا ہے۔ جو لوگ قوی الطاقت اور متقی اور پارسا طبع ہیں ان کیلئے یہ طریق نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 281، 282)

تعدد ازدواج، حکم نہیں بلکہ اجازت ہے

ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اسلام میں جو چار بیویاں رکھنے کا حکم ہے یہ بہت خراب ہے اور ساری بداخلاقیوں کا سرچشمہ ہے۔ فرمایا:

چار بیویاں رکھنے کا حکم تو نہیں دیا بلکہ اجازت دی ہے کہ چار تک رکھ سکتا ہے اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ چار ہی کو گلے کا ڈھول بنالے۔ قرآن کا منشاء تو یہ ہے کہ چونکہ انسانی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس واسطے ایک سے لیکر چار تک اجازت دی ہے ایسے لوگ جو ایک اعتراض کو اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں اور پھر وہ خود اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان کا ایمان کیسے قائم رہ جاتا ہے۔ وہ تو اسلام کے معترض ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک مقنن کو قانون بنانے کے وقت کن کن باتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔ بھلا اگر کسی شخص کی ایک بیوی ہے اسے جذام ہو گیا ہے یا آتشک میں مبتلا ہے یا اندھی ہو گئی ہے یا اس قابل ہی نہیں کہ اولاد اس سے حاصل ہو سکے وغیرہ وغیرہ عوارض میں مبتلا ہو جاوے تو اس حالت میں اب اس خاوند کو کیا کرنا چاہیئے کیا اسی بیوی پر قناعت کرے؟ ایسی مشکلات کے وقت کیا تدبیر پیش کرتے ہیں۔ یا بھلا اگر وہ کسی قسم کی بدمعاشی زنا وغیرہ میں مبتلا ہو گئی تو کیا اب اس خاوند کی غیرت تقاضا کرے گی کہ اسی کو اپنی پرعصمت بیوی کا خطاب دے رکھے؟ خدا جانے یہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت اندھے کیوں ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں

آتی کہ وہ مذہب ہی کیا ہے جو انسانی ضروریات کو ہی پورا نہیں کرسکتا۔ اب ان مذکورہ حالتوں میں عیسویت کیا تدبیر بتاتی ہے؟ قرآن شریف کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ انسانی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا پہلے سے ہی اس نے قانون نہ بنا دیا ہو۔ اب تو انگلستان میں بھی ایسی مشکلات کی وجہ سے کثرت ازدواج اور طلاق شروع ہوتا جاتا ہے۔ ابھی ایک لارڈ کی بابت لکھا تھا کہ اس نے دوسری بیوی کر لی آخر اسے سزا بھی ہوئی مگر وہ امریکہ میں جارہا۔

غور سے دیکھو کہ انسان کے واسطے ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں یا نہیں کہ یہ ایک سے زیادہ بیویاں کرلے جب ایسی ضرورتیں ہوں اور انکا علاج نہ ہو تو یہی نقص ہے جس کے پورا کرنے کو قرآن شریف جیسی اتم اکمل کتاب بھیجی ہے۔

(الحکم 28 فروری 1903ء صفحہ 15)

بیویوں کے درمیان اعتدال ضروری ہے

کثرت ازدواج کے متعلق صاف الفاظ قرآن کریم میں دو دو، تین تین، چار چار کر کے ہی آرہے ہیں مگر اسی آیت میں اعتدال کی بھی ہدایت ہے۔ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک طرف زیادہ ہو جاوے یا آمدنی کم ہو اور یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز کرنا نہیں چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلاء میں نہ ڈالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرة :191)…. غرض اگر حلال کو حلال سمجھ کر انسان بیویوں ہی کا بندہ ہو جائے، تو بھی غلطی کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی منشاء کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ رہبانیت اختیار کرو بلکہ اعتدال سے کام لو اور اپنے تئیں بے جا کاروائیوں میں نہ ڈالو۔

انبیاء علیہم السلام کے لئے کوئی نہ کوئی تخصیص اگر اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، تو یہ کوتاہ اندیش

لوگوں کی ابلہ فریبی اور غلطی ہے کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو توریت میں کاہنوں کے فرقے کے ساتھ مراعات ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ہندوؤں کے برہمنوں کے لئے خاص رعائتیں ہیں۔ پس یہ نادانی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی تخصیص پر اعتراض کیا جاوے۔ ان کا نبی ہونا ہی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو اور لوگوں میں موجود نہیں۔

(الحکم 6 مارچ 1898ء صفحہ 2)

عورتوں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے

فرمایا:

ہم اپنی جماعت کو کثرت ازدواج کی تاکید کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ کثرتِ ازدواج سے اولاد بڑھاؤ تا کہ اُمت زیادہ ہو نیز بعض اشخاص کے واسطے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بدکاری اور بدنظری سے بچنے کے واسطے ایک سے زیادہ شادی کریں یا کوئی اور شرعی ضرورت ہوتی ہے لیکن یادرکھنا چاہئے کہ کثرتِ ازدواج کی اجازت بطور علاج اور دوا کے ہے۔ یہ اجازت عیش وعشرت کی غرض سے نہیں ہے۔ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ** انسان کے ہر امر کا مدار اُس کی نیت پر ہے۔ اگر کسی کی نیت لذات کی نہیں بلکہ نیت یہ ہے کہ اس طرح خدام دین پیدا ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ محبت کو قطع نظر کر کے اور بالائے طاق رکھ کر کہ یہ اختیاری امر نہیں، باقی امور میں سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہیے مثلاً پارچات، خرچ، خوراک، مکان، معاشرت حتیٰ کہ مباشرت میں مساوات ہونی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ان حقوق کو پورے طور پر ادا نہیں کرسکتا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کثرتِ ازدواج کرے بلکہ عورتوں کے حقوق ادا کرنا ایسا تاکیدی فرض ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو ادا نہیں کرسکتا تو اس کے واسطے بہتر ہے کہ وہ مجرد ہی رہے۔ ایسے لذات میں پڑنے کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے یہ بہتر ہے کہ اِنسان تلخ زندگی بسر کرے اور

معصیت میں پڑنے سے بچا رہے۔ اگر انسان اپنے نفس کا میلان اور غلبہ شہوت کی طرف دیکھے کہ اس کی نظر بار بار خراب ہوتی ہے تو اس معصیت سے بچنے کے واسطے بھی جائز ہے کہ انسان دوسری شادی کرلے۔ لیکن اس صورت میں پہلی بیوی کے حقوق کو ہرگز تلف نہ کرے بلکہ چاہیے کہ پہلی بیوی کی دلداری پہلے سے زیادہ کرے کیونکہ جوانی کا بہت سا حصہ انسان نے اس کے ساتھ گذارا ہوا ہوتا ہے۔ اور ایک گہرا تعلق اس کے ساتھ قائم ہو چکا ہوا ہوتا ہے۔ پہلی بیوی کی رعایت اور دلداری یہاں تک ضروری ہے کہ اگر کوئی ضرورت مرد کو ازدواج ثانی کی محسوس ہو لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دُوسری بیوی کے کرنے سے اُس کی پہلی بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ کی اُس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ تو اگر وہ صبر کر سکے اور معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور کسی شرعی ضرورت کا اس سے خون نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اگر انسان اپنی ضرورتوں کی قربانی اپنی سابقہ بیوی کی دلداری کے لئے کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اُسے مناسب ہے کہ اس صورت میں دوسری شادی نہ کرے۔ قرآن شریف کا منشاء زیادہ بیویوں کی اجازت سے یہ ہے کہ تم کو تقویٰ پر قائم رکھے اور دوسرے اغراض مثل اولاد صالحہ کے حاصل کرنے اور خویش و اقارب کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی بجا آوری سے ثواب حاصل ہو۔ اور انہی اغراض کے لحاظ سے اختیار دیا گیا ہے کہ ایک دو تین چار عورتوں تک نکاح کرلو۔ لیکن اگر اُن میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہوگا اور بجائے ثواب کے عذاب حاصِل کرو گے کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ سے دوسرے گناہوں پر آمادہ ہوئے۔ دل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بہت نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین اُن کو اپنے سے جدا اور دوسرے کے حوالے کرتے ہیں تو خیال کرو کہ کیا اُمیدیں اُن کے دِلوں میں ہوتی ہیں۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 205،206)

تعدد ازدواج برائیوں سے روکنے کا ذریعہ ہے

(مخالفینِ اسلام) اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے بہت عورتوں کی اجازت دی ہے۔ہم کہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا دلیر اور مرد میدان معترض ہے جو ہم کو یہ دکھلا سکے کہ قرآن کہتا ہے کہ ضرور ضرور ایک سے زیادہ عورتیں کرو۔ ہاں یہ ایک سچی بات ہے اور بالکل طبعی امر ہے کہ اکثر اوقات انسان کو ضرورت پیش آجاتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتیں کرے۔مثلاً عورت اندھی ہوگئی ہے یا اور کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہوکر اس قابل ہوگئی کہ خانہ داری کے امور سرانجام نہیں دے سکتی اور مرد از راہ ہمدردی یہ بھی نہیں چاہتا کہ اسے علیحدہ کرے یا رحم کی خطرناک بیماریوں کا شکار ہوکر مرد کی طبعی ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتی تو ایسی صورت میں نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوتو بتلاؤ کہ کیا اس سے بدکاری اور بداخلاقی کو ترقی نہ ہوگی؟ پھر اگر کوئی مذہب یا شریعت کثرت ازواج کو روکتی ہے تو یقیناً وہ بدکاری اور بداخلاقی کی مؤید ہے لیکن اسلام جو دنیا سے بداخلاقی اور بدکاری کو دور کرنا چاہتا ہے، اجازت دیتا ہے کہ ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔ایسا ہی اولاد کے نہ ہونے پر جبکہ لاولد کے پس مرگ خاندان میں بہت سے ہنگامے اور کشت وخون ہونے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ایک ضروری امر ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرکے اولاد پیدا کرے بلکہ ایسی صورت میں نیک اور شریف بیبیاں خود اجازت دے دیتی ہیں، پس جس قدر غور کروگے یہ مسئلہ صاف اور روشن نظر آئے گا۔عیسائی کو تو حق ہی نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ پر نکتہ چینی کرے کیونکہ ان کے مسلمہ نبی اور ملہم بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بزرگوں نے سات سات سو اور تین تین سو بیبیاں کیں اور اگر وہ کہیں کہ وہ فاسق فاجر تھے،تو پھر ان کو اس بات کا جواب دینا مشکل ہوگا کہ ان کے الہام خدا کے الہام کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ عیسائیوں میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو نبیوں کی شان میں ایسی گستاخیاں جائز نہیں رکھتے۔علاوہ

ازیں انجیل میں صراحت سے اس مسئلہ کو بیان ہی نہیں کیا گیا۔لنڈن کی عورتوں کا زور ایک باعث ہو گیا کہ دوسری عورت نہ کریں۔ پھر اس کے نتائج خود دیکھ لو کہ لنڈن اور پیرس میں عفت اور تقویٰ کی کیسی قدر ہے۔

(الحکم 10 جنوری 1899ء صفحہ 8)

پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے رشتہ کرنے کو معیوب سمجھنا ٹھیک نہیں

سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ جس کی عورت آگے موجود ہو اس کو ہم ناطہ نہیں دیتے۔ فرمایا:

''پھر وہ اس سے تو مَثْنٰی وثُلَاثَ وَ رُبَاعَ کو بند کرنا چاہتے ہیں۔''

(الحکم 10 فروری 1907ء صفحہ 4)

مہر کی مقدار

مہر کے متعلق ایک شخص نے پوچھا کہ اس کی تعداد کس قدر ہونی چاہیے؟ فرمایا

تراضی طرفین سے جو ہو اس پر کوئی حرف نہیں آتا اور شرعی مہر سے یہ مراد نہیں کہ نصوص یا احادیث میں کوئی اس کی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اس سے مراد اس وقت کے لوگوں کے مروجہ مہر سے ہوا کرتی ہے ہمارے ملک میں یہ خرابی ہے کہ نیت اور ہوتی ہے اور محض نمود کے لیے لاکھ لاکھ روپے کا مہر ہوتا ہے صرف ڈراوے کے لیے یہ لکھا جایا کرتا ہے کہ مرد قابو میں رہے اور اس سے پھر دوسرے نتائج خراب نکل سکتے ہیں نہ عورت والوں کی نیت لینے کی ہوتی ہے اور نہ خاوند کی دینے کی۔

میرا مذہب یہ ہے کہ جب ایسی صورت میں تنازعہ آپڑے تو جب تک اس کی نیت یہ ثابت نہ ہو کہ ہاں رضا ورغبت سے وہ اسی قدر مہر پر آمادہ تھا جس قدر کہ مقرر شدہ ہے تب تک مقررشدہ نہ دلایا جاوے اور اس کی حیثیت اور رواج وغیرہ کو مدنظر رکھ کر پھر فیصلہ کیا جاوے کیونکہ بدنیتی کی اتباع نہ شریعت کرتی ہے اور نہ قانون۔

(بدر 8 مئی 1903ء صفحہ 123)

حق مہر خاوند کی حیثیت کے مطابق ہو

سوال:۔ایک عورت اپنا مہر نہیں بخشتی۔

جواب:۔ یہ عورت کا حق ہے اسے دینا چاہیے اول تو نکاح کے وقت ہی ادا کرے ورنہ بعد ازاں ادا کرنا چاہیے، پنجاب اور ہندوستان میں یہ شرافت ہے کہ موت کے وقت یا اس سے پیشتر اپنا مہر خاوند کو بخش دیتی ہیں۔ یہ صرف رواج ہے جو مروت پر دلالت کرتا ہے۔

سوال:۔اور جن عورتوں کا مہر مچھر کی دو من چربی ہو وہ کیسے ادا کیا جاوے؟

جواب:۔لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا (البقرۃ :287)

اس کا خیال مہر میں ضرور ہونا چاہیئے خاوند کی حیثیت کو مدنظر رکھنا چاہیئے اگر اس کی حیثیت دس روپے کی نہ ہو تو وہ ایک لاکھ روپے کا مہر کیسے ادا کریگا اور مچھروں کی چربی تو کوئی مہر ہی نہیں یہ لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا میں داخل ہے۔

(البدر 16/مارچ 1904ء صفحہ 6)

واجب الادا مہر کی ادائیگی لازمی ہے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنی منکوحہ سے مہر بخشوانا چاہتا تھا مگر وہ عورت کہتی تھی تُو اپنی نصف نیکیاں مجھے دے دے تو بخش دُوں۔ خاوند کہتا رہا کہ میرے پاس حسنات بہت کم ہیں بلکہ بالکل ہی نہیں ہیں۔اب وہ عورت مر گئی ہے خاوند کیا کرے؟

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

اسے چاہیے کہ اس کا مہر اس کے وارثوں کو دے دے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو وہ بھی وارثوں میں شرعی حصہ لے سکتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس خاوند بھی لے سکتا ہے۔

(البدر 5 مارچ 1905ء صفحہ 2)

مہر کی ادائیگی سے قبل مہر کی معافی نہیں ہوسکتی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

عورت کو مہر ادا کئے جانے سے پہلے معافی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ مال اس کا حق ہے اس کو پہلے وہ مال ملنا چاہئے۔ پھر اگر وہ چاہے تو واپس کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی فتویٰ ہے۔ آپ نے حکیم فضل دین صاحب مرحوم کے بیان کرنے پر کہ ان کی بیویوں نے مہر معاف کر دیا ہے۔ فرمایا کہ پہلے ان کو مہر دے دو۔ پھر وہ واپس دے دیں تو سمجھو کہ معاف کر دیا ہے۔ جب انہوں نے روپیہ دیا تو بیویوں نے لے لیا اور کہا کہ اب تو ہم معاف نہیں کرتیں۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ مہر دے کر فوراً ابھی واپس ہو جائے تو جائز نہیں کچھ مدت تک عورت کے پاس رہے۔ تب واپس کرے تو جائز سمجھا جائے گا۔

(فرمودات مصلح موعودؓ در بارہ فقہی مسائل صفحہ 209)

ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریر فرمایا:۔

میں فیصلہ کرتا ہوں کہ مہر سالم پانچ سو روپیہ مدعیہ کو دلایا جائے کیونکہ شریعت کی رو سے عورت کا حق ہے اور بسا اوقات اس کی معافی بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس کی ایک رنگ میں ماتحت حالت اس کی معافی کی وقعت کو اصول شرعیہ کے رو سے بہت کچھ گرا دیتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ ہے۔ پس قبل از ادائیگی مہر معافی کوئی حقیقت نہیں رکھتی خصوصاً جبکہ ہمارے ملک میں عورتوں میں یہ عام خیال ہو کہ مہر صرف نام کا ہوتا ہے بلکہ بعض اس کی وصولی کو ہتک خیال کرتی ہیں۔ (فرمودات مصلح موعودؓ در بارہ فقہی مسائل۔ صفحہ 212)

اعلانِ نکاح ضروری ہے

میاں اللہ بخش صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ حضور یہ جو براتوں کے ساتھ باجے بجائے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا:

فقہاء نے اعلان بالدف کو نکاح کے وقت جائز رکھا ہے اور یہ اس لیے کہ پیچھے جو مقدمات ہوتے ہیں تو اس سے گویا ایک قسم کی شہادت ہو جاتی ہے۔ہم کو مقصود بالذات لینا چاہیئے۔اعلان کے لئے یہ کام کیا جاتا ہے یا کوئی اپنی شیخی اور تعلّی کا اظہار مقصود ہے۔دیکھا گیا ہے کہ بعض چپ چاپ شادیوں میں نقصان پیدا ہوئے ہیں۔یعنی جب مقدمات ہوئے ہیں تو اس قسم کے سوال اُٹھائے گئے ہیں۔غرض ان خرابیوں کو روکنے کے لیے اور شہادت کے لیے اعلان بالدّف جائز ہے اور اس صورت میں باجا بجانا منع نہیں ہے، بلکہ نسبتوں کی تقریب پر جو شکر وغیرہ بانٹتے ہیں۔دراصل یہ بھی اسی غرض کے لیے ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو خبر ہو جاوے اور پیچھے کوئی خرابی پیدا نہ ہو مگر اب یہ اصل مطلب مفقود ہو کر اس کی جگہ صرف رسم نے لے لی ہے اور اس میں بھی بہت سی باتیں اور پیدا کی گئی ہیں۔پس ان کو رسوم نہ قرار دیا جاوے بلکہ یہ رشتہ ناطہ کو جائز کرنے کے لیے ضروری امور ہیں۔یاد رکھو جن امور سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے،شرع اس پر ہرگز زد نہیں کرتی۔کیونکہ شرع کی خود یہ غرض ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

آتشبازی اور تماشا وغیرہ یہ بالکل منع ہیں، کیونکہ اس سے مخلوق کو کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔اور باجا بجانا بھی اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ یہ غرض ہو کہ اس نکاح کا عام اعلان ہو جاوے اور نسب محفوظ رہے، کیونکہ اگر نسب محفوظ نہ رہے تو زنا کا اندیشہ ہوتا ہے۔جس پر خدا نے بہت ناراضی ظاہر کی ہے۔یہاں تک کہ زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔اس لیے اعلان کا انتظام ضروری ہے؛ البتہ ریاکاری،فسق فجور کے لیے یا صلاح وتقویٰ کے خلاف کوئی منشا ہو تو منع ہے۔شریعت کا مدار نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (البقرۃ :287) باجا کے متعلق حرمت کا کوئی نشان بجز اس کے کہ وہ صلاح وتقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق وفجور کے لیے ہے، پایا نہیں جاتا اور پھر اعلان بالدف کو فقہاء نے جائز رکھا ہے اور اصل اشیاء حلّت ہے،اس لیے شادی میں

اعلان کے لیے جائز ہے۔ (الحکم 17/اکتوبر 1902ء صفحہ 7،8)

ولیمہ

تعریف ولیمہ پوچھی گئی تو فرمایا :

''ولیمہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کے بعد اپنے احباب کو کھانا کھلائے۔''

(الحکم 10 فروری 1907ء صفحہ 11)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر فرمایا:

''نکاح میں کوئی خرچ نہیں، طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔''

(بدر 6 فروری 1908ء صفحہ 6)

شادی کے موقعہ پر لڑکیوں کا گانا

سوال کیا گیا کہ لڑکی یا لڑکے والوں کے ہاں جو جوان عورتیں مل کر گھر میں گاتی ہیں۔ وہ کیسا ہے؟ فرمایا:

اصل یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح پر ہے۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں، تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو لڑکیوں نے مل کر آپ کی تعریف میں گیت گائے تھے۔

مسجد میں ایک صحابی نے خوش الحانی سے شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے ہیں۔ تو آپؐ نے منع نہیں کیا بلکہ آپؐ نے ایک بار اس کے شعر سنے تو آپؐ نے اس کے لیے ''رحمت اللہ'' فرمایا اور جس کو آپؐ یہ فرمایا کرتے تھے وہ شہید ہو جایا کرتا تھا۔ غرض اس طرح پر اگر فسق و فجور کے گیت نہ ہوں تو منع نہیں۔ مگر مردوں کو نہیں چاہیے کہ عورتوں کی ایسی مجلسوں میں بیٹھیں۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں ذرا بھی مظنّہ فسق و فجور کا ہو وہ منع ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا

ولیکن میفزا ئے بر مصطفیٰ

یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان ان میں خود فتویٰ لے سکتا ہے جو امر تقویٰ اور خدا کی رضا کے خلاف ہے، مخلوق کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے وہ منع ہے۔ اور پھر جو اسراف کرتا ہے، وہ سخت گناہ کرتا ہے۔ اگر ریا کاری کرتا ہے، تو گناہ ہے۔ غرض کوئی ایسا امر جس میں اسراف، ریا، فسق، ایذائے خلق کا شائبہ ہو وہ منع ہے اور جو اُن سے صاف ہو وہ منع نہیں، گناہ نہیں۔ کیونکہ اصل اشیاء کی حلّت ہے۔ (الحکم 17 اکتوبر 1902ء صفحہ 8)

نکاح پر باجا اور آتش بازی

نکاح پر باجا بجانے اور آتش بازی چلانے کے متعلق سوال ہوا فرمایا کہ:۔

ہمارے دین کی بنا یُسر پر ہے عسر پر نہیں اور پھر اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ ضروری چیز ہے باجوں کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا۔ اعلان نکاح جس میں فسق و فجور نہ ہو۔ جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری شے ہے کیونکہ اکثر دفعہ نکاحوں کے متعلق مقدمات تک نوبت پہنچتی ہے پھر وراثت پر اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اعلان کرنا ضروری ہے مگر اس میں کوئی ایسا امر نہ ہو جو فسق و فجور کا موجب ہو۔ رنڈی کا تماشا یا آتش بازی فسق و فجور اور اسراف ہے یہ جائز نہیں۔

باجے کے ساتھ اعلان پر پوچھا گیا کہ جب برات لڑکے والوں کے گھر سے چلتی ہے کیا اسی وقت سے باجا بجتا جاوے یا نکاح کے بعد؟ فرمایا: ایسے سوالات اور جزو در جزو نکالنا بے فائدہ ہے۔ اپنی نیت کو دیکھو کہ کیا ہے اگر اپنی شان و شوکت دکھانا مقصود ہے تو فضول ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ نکاح کا صرف اعلان ہو تو اگر گھر سے بھی باجا بجتا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسلامی جنگوں میں بھی تو باجا بجتا ہے وہ بھی ایک اعلان ہی ہوتا ہے۔ (الحکم 24 اپریل 1903ء صفحہ 10)

مہر نامہ رجسٹری کروانا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم کا نکاح حضرت صاحب نے نواب محمد علی خان صاحب کے ساتھ کیا تو مہر چھپن ہزار (56000) روپیہ مقرر کیا گیا تھا اور حضرت صاحب نے مہر نامہ کو باقاعدہ رجسٹری کروا کر اس پر بہت سے لوگوں کی شہادتیں ثبت کروائی تھیں اور جب حضرت صاحب کی وفات کے بعد ہماری چھوٹی ہمشیرہ امۃ الحفیظ بیگم کا نکاح خان محمد عبداللہ خان صاحب کے ساتھ ہوا تو مہر (15000) مقرر کیا گیا اور یہ مہر نامہ بھی باقاعدہ رجسٹری کرایا گیا تھا لیکن ہم تینوں بھائیوں میں سے جن کی شادیاں حضرت صاحب کی زندگی میں ہوگئی تھیں کسی کا مہر نامہ تحریر ہو کر رجسٹری نہیں ہوا اور مہر ایک ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا۔ دراصل مہر کی تعداد زیادہ تر خاوند کی موجودہ حیثیت اور کسی قدر بیوی کی حیثیت پر مقرر ہوا کرتی تھی اور مہر نامہ کا باقاعدہ لکھا جانا اور رجسٹری ہونا یہ شخصی حالات پر موقوف ہے۔ چونکہ نواب محمد علی خان صاحب کی جائیداد سرکار انگریزی کے علاقہ میں واقع نہ تھی بلکہ ایک ریاست میں تھی اور اس کے متعلق بعض تنازعات کے پیدا ہونے کا احتمال ہوسکتا تھا۔ اس لئے حضرت صاحب نے مہر نامہ کو باقاعدہ رجسٹری کروانا ضروری خیال کیا اور ویسے بھی دیکھا جاوے تو عام حالات میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ مہر نامہ اگر رجسٹری نہ بھی ہو تو کم از کم باقاعدہ طور پر تحریر میں آجاوے اور معتبر لوگوں کی شہادتیں اس پر ثبت ہو جاویں۔ کیونکہ دراصل مہر بھی ایک قرضہ ہوتا ہے جس کی ادائیگی خاوند پر فرض ہوتی ہے۔ پس دوسرے قرضہ جات کی طرح اس کے لئے بھی عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آجاوے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 338، 339)

نکاح کے موقع پر زائد شرط رکھنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ مسماۃ تابی حضرت مسیح موعودؑ کی ایک خادمہ تھی۔اس کی ایک نواسی کا نکاح ایک شخص مسمی فقیر محمد سکنہ قادیان سے تجویز ہوا۔حضرت صاحب نے فقیر محمد کو ایک اشٹام کا کاغذ لانے کی ہدایت فرمائی۔جب وہ کاغذ لے آیا تو حضرت صاحب نے گول کمرہ میں میری موجودگی میں فقیر محمد کی طرف سے تحریر ہونے کے لئے مضمون بنایا۔کہ میں اس عورت سے نکاح کرتا ہوں اور 500/- روپیہ مہر ہوگا اور اس کے اخراجات کا میں ذمہ دار ہوں گا اور اس کی رضامندی کے بغیر (یا یہ فقرہ تھا کہ اس کی حیات تک) دوسرا نکاح نہ کروں گا۔ یہ کاغذ آپ نے مجھے اشٹام پر نقل کرنے کے لئے دیا۔چنانچہ میں نے وہیں نقل کر دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ نکاح میں زائد شرائط مقرر کرنا جائز ہے اور حضرت صاحب نے لکھا ہے ...نکاحِ ثانی کے متعلق عورت کی طرف سے یہ شرط بھی ہوسکتی ہے کہ میرا خاوند میرے ہوتے ہوئے نکاح ثانی نہیں کرے گا کیونکہ تعدد ازدواج اسلام میں جائز ہے نہ یہ کہ اس کا حکم ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 590)

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک لڑکی کی طرف سے ولی بننا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں رحمت اللہ صاحب ولد میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میرے نکاح کا خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے پڑھا تھا لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے خود میری اہلیہ کی طرف سے اپنی زبان مبارک سے ایجاب وقبول کیا تھا۔کیونکہ حضور ولی تھے۔میں اس کو اپنی نہایت ہی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔نکاح تو حضور نے کئی ایک کے پڑھائے ہوں گے لیکن اس طرح کا معاملہ شاید ہی کسی اور سے ہوا ہو۔سب کچھ والد صاحب

مرحوم ومغفور پر حضرت اقدس کی خاص شفقت کا نتیجہ تھا۔(سیرت المہدی جلد2 صفحہ 125، 126)

بیوگان کا نکاح کر لینا بہتر ہے

عورتوں کو خصوصی نصائح کرتے ہوئے فرمایا:۔

اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو۔ دوسرا خاوند کرنا ایسا برا جانتی ہے جیسا کوئی بڑا بھارا گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ یا رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاک دامن بیوی ہوگئی ہوں حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔عورتوں کے لئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کی بات ہے۔ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں برے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ایسی عورتیں جو خدا اور رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی اور شیطان کی چیلیاں ہیں۔جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے۔جس عورت کو اللہ اور رسول پیارا ہے، اس کو چاہیے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرے اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صدہا درجہ بہتر ہے۔ (الحکم 10 جولائی 1902ء صفحہ 7)

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کن صورتوں میں فرض ہے۔اس کے نکاح کے وقت عمر، اولاد، موجودہ اسباب، نان ونفقہ کا لحاظ رکھنا چاہیے یا کہ نہیں؟ یعنی کیا بیوہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے یا اولاد بہت ہونے کے یا کافی دولت پاس ہونے کے ہر حالت میں مجبور ہے کہ اس کا نکاح کیا جائے؟ فرمایا:۔

بیوہ کے نکاح کا حکم اسی طرح ہے جس طرح کہ باکرہ کے نکاح کا حکم ہے۔چونکہ بعض قومیں بیوہ عورت کا نکاح خلاف عزت خیال کرتے ہیں اور یہ بدرسم بہت پھیلی ہوئی ہے۔اس واسطے

بیوہ کے نکاح کے واسطے حکم ہوا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر بیوہ کا نکاح کیا جائے۔ نکاح تو اسی کا ہوگا جو نکاح کے لائق ہے۔ اور جس کے واسطے نکاح ضروری ہے۔ بعض عورتیں بوڑھی ہو کر بیوہ ہوتی ہیں۔ بعض کے متعلق دوسرے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نکاح کے لائق نہیں ہوتیں۔ مثلاً کسی کو ایسا مرض لاحق حال ہے کہ وہ قابل نکاح ہی نہیں یا ایک بیوہ کافی اولاد اور تعلقات کی وجہ سے ایسی حالت میں ہے کہ اس کا دل پسند ہی نہیں کرسکتا کہ وہ اب دوسرا خاوند کرے۔ ایسی صورتوں میں مجبوری نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ جکڑ کر خاوند کرایا جاوے۔ ہاں اس بدرسم کو مٹا دینا چاہیے کہ بیوہ عورت کو ساری عمر بغیر خاوند کے جبراً رکھا جاتا ہے۔

(بدر 10/ اکتوبر 1907ء صفحہ 11)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مغلانی نورجان صاحبہ بھاوجہ مرزا غلام اللہ صاحب نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ بیواؤں کے نکاح ثانی کے متعلق جب پشاور سے چار عورتیں آئی تھیں دو اُن میں سے بیوہ، جوان اور مال دار تھیں۔ مَیں ان کو حضرتؑ کے پاس لے گئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جوان عورتوں کو نکاح کر لینا چاہیے'' میں نے کہا جن کا دِل نہ چاہے وہ کیا کریں؟ یا بچوں والی ہوں ان کی پرورش کا کون ذمہ دار ہو؟ آپ نے فرمایا اگر عورت کو یقین ہو کہ وہ ایمانداری اور تقویٰ سے گذار سکتی ہے اس کو اجازت ہے کہ وہ نکاح نہ کرے مگر بہتر یہی ہے کہ وہ نکاح کر لے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 231)

سکھ عورت مسلمان کے نکاح میں رہ سکتی ہے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ سردار سُندر سنگھ صاحب ساکن دھرم کوٹ بگہ تحصیل بٹالہ جب مسلمان ہوگئے تو ان کا اسلامی نام فضل حق رکھا گیا تھا۔ ان کی بیوی اپنے آبائی سکھ مذہب پر مصر تھی۔ سردار فضل حق صاحب چاہتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہو جائے۔ ایک دن حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ ''اگر وہ مسلمان نہیں ہوتی تو نہ ہووے، اپنے مذہب پر رہتے ہوئے آپ کے گھر میں آباد رہے، اسلام میں جائز ہے۔'' کوشش کی گئی لیکن وہ سردار صاحب کے پاس نہ آئی۔ آخر سردار فضل حق صاحب کی شادی لاہور میں ہوگئی جس سے اولاد ہوئی۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 257)

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا کم عمری میں نکاح

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اہلیہ محترمہ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ جب صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب مرحوم کا نکاح سیدہ مریم بیگم صاحبہ بنت ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب مرحوم و مغفور (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) سے ہوا تو میں آگرہ سے آئی ہوئی تھی۔ مغرب کے بعد نکاح ہوا۔ مَیں مبارک دینے آئی تو کوئی عورت سیدہ مریم بیگم کو گود میں اٹھا کر حضورؑ کے پاس لائی۔ حضور علیہ السلام اس وقت اُمّ ناصر احمد صاحب کے صحن میں پلنگ پر استراحت فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے سیدہ مریم بیگم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکرائے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 244، 245)

طلاق کے بعد دوبارہ نکاح

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ رسول بی بی بیوہ حافظ حامد علی صاحب نے بواسطہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے گاؤں موضع کرالیاں میں تشریف لائے۔ میاں چراغ دین ساکن تھہ غلام نبی نے اپنی بیوی مسماۃ حسّو کو طلاق دے دی ہوئی تھی۔ حضرت جی وہاں صلح کرانے گئے تھے تو وہاں جا کر رات رہے اور دوبارہ نکاح کرا دیا اور رات کو دیر تک وعظ بھی کیا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 116، 117)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے دوسری شادی کی تو کسی وجہ سے جلدی ہی اس بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر بہت مدت شاید سال کے قریب گزر گیا تو حضرت صاحب نے چاہا کہ وہ اس بی بی کو پھر آباد کریں۔ چنانچہ مسئلہ کی تفتیش ہوئی اور معلوم ہوا کہ طلاق بائن نہیں ہے بلکہ رجعی ہے۔اس لئے آپ کی منشاء سے ان کا دوبارہ نکاح ہوگیا۔(یہاں رجعی اور بائن کے الفاظ اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے۔ یہاں بائن سے مراد دراصل طلاق بتّہ ہے۔ناقل)

خاکسار عرض کرتا ہے کہ پہلی بیوی سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے اولاد نہیں ہوتی تھی اور حضرت صاحب کو آرزو تھی کہ ان کے اولاد ہو جائے۔اسی لئے آپ نے تحریک کر کے شادی کروائی تھی۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 761)

حلالہ حرام ہے

اسلام سے پہلے عرب میں حلالہ کی رسم تھی لیکن اسلام نے اس ناپاک رسم کو قطعاً حرام کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو حلالہ کے پابند ہوں چنانچہ **ابن عمر سے مروی** ہے کہ حلالہ زنا میں داخل ہے اور حضرت **عمر رضی اللہ عنہ** سے روایت ہے کہ حلالہ کرنے کرانے والے سنگسار کئے جاویں۔اگر کوئی مطلقہ سے نکاح کرے تو نکاح تب درست ہوگا کہ جب واقعی طور پر اس کو اپنی جورو بنالے اور اگر دل میں یہ خیال ہو کہ وہ اس حیلہ کے لئے اس کو جورو بناتا ہے کہ تا اس کی طلاق کے بعد دوسرے پر حلال ہو جائے تو ایسا نکاح ہرگز درست نہیں اور ایسا نکاح کرنے والا اس عورت سے زنا کرتا ہے اور جو ایسے فعل کی ترغیب دے وہ اس سے زنا کرواتا ہے۔غرض حلالہ علمائے اسلام کے اتفاق سے حرام ہے اور ائمہ اور علماء سلف جیسے حضرت قتادہ۔عطا اور امام حسن اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری

اور مجاہد اور **شعبی** اور سعید بن مسیّب اور امام مالک، لیث، ثوری، امام احمد بن حنبل وغیرہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور سب محققین علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں اور **شریعت اسلام** اور نیز **لغت عرب** میں بھی زوج اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت کو فی الحقیقت اپنی جورو بنانے کے لئے تمام حقوق کو مدنظر رکھ کر اپنے نکاح میں لاوے اور نکاح کا معاہدہ حقیقی اور واقعی ہو نہ کہ کسی دوسرے کے لئے ایک حیلہ ہو اور قرآن شریف میں جو آیا ہے **حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ** (البقرۃ:231) اس کے یہی معنے ہیں کہ جیسے دنیا میں نیک نیتی کے ساتھ اپنے نفس کی اغراض کے لئے نکاح ہوتے ہیں ایسا ہی جب تک ایک مطلقہ کے ساتھ کسی کا نکاح نہ ہو اور وہ پھر اپنی مرضی سے اس کو طلاق نہ دے تب تک پہلے طلاق دینے والے سے دوبارہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ (**نوٹ**۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف میں یہ شرط جو ہے کہ اگر تین طلاق تین طہر میں جو تین مہینہ ہوتے ہیں دی جائیں۔ تو پھر ایسی عورت خاوند سے بالکل جدا ہو جاوے گی اور اگر اتفاقاً کوئی دوسرا خاوند اس کا اس کو طلاق دیدے تو صرف اسی صورت میں پہلے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے ورنہ نہیں یہ شرط طلاق سے روکنے کے لئے ہے تا ہر یک شخص طلاق دینے میں دلیری نہ کرے اور وہی شخص طلاق دے جس کو کوئی ایسی مصیبت پیش آگئی ہے جس سے وہ ہمیشہ کی جدائی پر راضی ہو گیا اور تین مہینے بھی اس لئے رکھے گئے تا اگر کوئی مثلاً غصہ سے طلاق دینا چاہتا ہو تو اس کا غصہ اتر جائے۔ منہ)۔ سو آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ جورو کرنے والا پہلے خاوند کے لئے ایک راہ بنادے اور آپ نکاح کرنے کے لئے سچی نیت نہ رکھتا ہو بلکہ نکاح صرف اس صورت میں ہوگا کہ اپنے پختہ اور مستقل ارادہ سے اپنے صحیح اغراض کو مدنظر رکھ کر نکاح کرے ورنہ اگر کسی حیلہ کی غرض سے نکاح کرے گا تو عندالشرع وہ نکاح ہرگز درست نہیں ہوگا اور زنا کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا ایسا شخص جو اسلام پر حلالہ کی تہمت لگانا چاہتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور قرآن اور صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث

صحیحہ کی رو سے حلالہ قطعی حرام ہے اور مرتکب اس کا زانی کی طرح مستوجب سزا ہے۔
(آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 66، 67)

نکاح خواں کو تحفہ دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ میری شادی سے پہلے حضرت صاحب کو معلوم ہوا تھا کہ آپ کی دوسری شادی دلّی میں ہوگی۔ چنانچہ آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے پاس اس کا ذکر کیا تو چونکہ اس وقت اس کے پاس تمام اہل حدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی اور میر صاحب بھی اہلِ حدیث تھے اور اس سے بہت میل ملاقات رکھتے تھے۔ اس لئے اس نے حضرت صاحب کے پاس میر صاحب کا نام لیا۔ آپ نے میر صاحب کو لکھا۔ شروع میں میر صاحب نے اس تجویز کو بوجہ تفاوتِ عمر ناپسند کیا مگر آخر رضا مند ہو گئے اور پھر حضرت صاحب مجھے بیاہنے دلّی گئے۔ آپ کے ساتھ شیخ حامد علی اور لالہ ملا وامل بھی تھے۔ نکاح مولوی نذیر حسین نے پڑھا تھا۔ یہ 27 محرم 1302ھ بروز پیر کی بات ہے۔ اس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حضرت صاحب نے نکاح کے بعد مولوی نذیر حسین کو پانچ روپے اور ایک مصلّٰی نذر دیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت حضرت مسیح موعود کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے تایا میرے نکاح سے ڈیڑھ دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ تایا صاحب 1883ء میں فوت ہوئے تھے جو کہ تصنیف براہین کا آخری زمانہ تھا اور والدہ صاحبہ کی شادی نومبر 1884ء میں ہوئی تھی اور مجھے والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے شادی کا دن اتوار مقرر ہوا تھا مگر حضرت صاحب نے کہہ کر پیر کروا دیا تھا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 51)

حیض کے دنوں میں عورتوں سے کیسے تعلقات ہوں

سوال: مسلمان حیض کے دنوں میں بھی عورت سے جدا نہیں ہوتے۔

الجواب۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان بہتان طراز لوگوں کا یہ کیسا اعتراض ہے یہ لوگ جھوٹ بولنے کے وقت کیوں خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَ لَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرة:223) یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور ان کے نزدیک مت جاؤ یعنی صحبت کے ارادہ سے جب تک کہ وہ پاک ہولیں۔ اگر ایسی صفائی سے کنارہ کشی کا بیان وید میں بھی ہو تو کوئی صاحب پیش کریں لیکن ان آیات سے یہ مراد نہیں کہ خاوند کو بغیر ارادہ صحبت کے اپنی عورت کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے یہ تو حماقت اور بیوقوفی ہوگی کہ بات کو اس قدر دور کھینچا جائے کہ تمدن کے ضرورات میں بھی حرج واقع ہو اور عورت کو ایام حیض میں ایک ایسی زہر قاتل کی طرح سمجھا جائے جس کے چھونے سے فی الفور موت نتیجہ ہے۔ اگر بغیر ارادہ صحبت عورت کو چھونا حرام ہوتا تو بیچاری عورتیں بڑی مصیبت میں پڑ جاتیں۔ بیمار ہوتیں تو کوئی نبض بھی دیکھ نہ سکتا، گرتیں تو کوئی ہاتھ سے اٹھا نہ سکتا اگر کسی درد میں ہاتھ پیر دبانے کی محتاج ہوتیں تو کوئی دبا نہ سکتا اگر مرتیں تو کوئی دفن نہ کر سکتا کیونکہ ایسی پلید ہوگئیں کہ اب ہاتھ لگانا ہی حرام ہے سو یہ سب نافہموں کی جہالتیں ہیں اور سچ یہی ہے کہ خاوند کو ایام حیض میں صحبت حرام ہو جاتی ہے لیکن اپنی عورت سے محبت اور آثار محبت حرام نہیں ہوتے۔

(آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 48، 49)

وٹے سٹے کی شادی اگر مہر دے کر ہو تو جائز ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

اسلام نے اس قسم کی شادی کو ناپسند کیا ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کے

لڑکے کو اس شرط پر دے کہ اس کے بدلہ میں وہ بھی اپنی لڑکی اس کے لڑکے کو دے۔ لیکن جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اگر طرفین کے فیصلے الگ الگ اوقات میں ہوئے ہوں اور ایک دوسرے کو لڑکی دینے کی شرط پر نہ ہوئے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

(الفضل 15 جنوری 1918ء صفحہ 4)

نکاح متعہ کی ممانعت

خدا نے قرآن شریف میں بجز نکاح کے ہمیں اور کوئی ہدایت نہیں دی، ہاں شیعہ مذہب میں سے ایک فرقہ ہے کہ وہ موقّت طور پر نکاح کر لیتے ہیں یعنی فلاں وقت تک نکاح اور پھر طلاق ہوگی اور اس کا نام متعہ رکھتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے ان کے پاس کوئی سند نہیں بہرحال وہ تو ایک نکاح ہے جس کی طلاق کا زمانہ معلوم ہے اور نیوگ کو طلاق کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔

(نسیم دعوت روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 442، 443)

ایسا نکاح بھی جس کا وقت طلاق ٹھیرایا جائے ہمارے مذہب میں منع ہے۔ قرآن شریف صاف اس کی ممانعت فرماتا ہے۔ عرب کے لوگوں میں اسلام سے پہلے ایک وقت تک ایسے نکاح ہوتے تھے قرآن شریف نے منع کر دیا اور قرآن شریف کے اترنے سے وہ حرام ہو گئے۔ صرف بعض شیعوں کے فرقے اس کے پابند ہیں مگر وہ جاہلیت کی رسم میں گرفتار ہیں اور کسی دانشمند کے لئے جائز نہیں کہ اپنی غلطی کی پردہ پوشی کے لئے کسی دوسرے کی غلطی کا حوالہ دیں۔

(سناتن دھرم۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 470)

اسلام میں متعہ کا کوئی حکم نہیں

متعہ صرف اس نکاح کا نام ہے جو ایک خاص عرصہ تک محدود کر دیا گیا ہو پھر ماسوا اس کے متعہ اوائل اسلام میں یعنی اس وقت میں جبکہ مسلمان بہت تھوڑے تھے صرف تین دن کے لئے جائز ہوا تھا اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ جواز اس قسم کا تھا جیسا کہ تین دن کے بھوکے کے لئے مردار کھانا نہایت بےقراری کی حالت میں جائز ہو جاتا ہے اور پھر

متعہ ایسا حرام ہو گیا جیسے سؤر کا گوشت اور شراب حرام ہے اور نکاح کے احکام نے متعہ کے لئے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہیں رکھی۔ قرآن شریف میں **نکاح کے بیان میں** مردوں کے حق عورتوں پر اور عورتوں کے حق مردوں پر قائم کئے گئے ہیں اور متعہ کے مسائل کا کہیں ذکر بھی نہیں۔ اگر اسلام میں متعہ ہوتا تو قرآن میں نکاح کے مسائل کی طرح متعہ کے مسائل بھی بسط اور تفصیل سے لکھے جاتے لیکن کسی محقق پر پوشیدہ نہیں کہ نہ تو قرآن میں اور نہ احادیث میں متعہ کے مسائل کا نام ونشان ہے لیکن نکاح کے مسائل بسط اور تفصیل سے موجود ہیں..... قرآن اور حدیث کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اسلام میں متعہ کے احکام ہرگز مذکور نہیں نہ قرآن میں اور نہ احادیث میں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر متعہ شریعت اسلام کے احکام میں سے ایک حکم ہوتا تو اس کے احکام بھی ضرور لکھے جاتے اور وراثت کے قواعد میں اس کا بھی کچھ ذکر ہوتا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ متعہ اسلامی مسائل میں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر بعض احادحدیثوں پر اعتبار کیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض صحابہ اپنے وطنوں اور اپنی جوروؤں سے دور تھے تو ایک دفعہ ان کی سخت ضرورت کی وجہ سے تین دن تک متعہ ان کے لئے جائز رکھا گیا تھا اور پھر بعد اس کے ایسا ہی حرام ہو گیا جیسا کہ اسلام میں خنزیر و شراب وغیرہ حرام ہیں اور چونکہ اضطراری حکم جس کی ابدیت شارع کا مقصود نہیں شریعت میں داخل نہیں ہوتے اس لئے متعہ کے احکام قرآن اور حدیث میں درج نہیں ہوئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے متعہ عرب میں نہ صرف جائز بلکہ عام رواج رکھتا تھا اور شریعت اسلامی نے آہستہ آہستہ عرب کی رسوم کی تبدیلی کی ہے سو جس وقت بعض صحابہ متعہ کے لئے بیقرار ہوئے سو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی اور اجتہادی طور پر اس رسم کے موافق بعض صحابہ کو اجازت دے دی کیونکہ قرآن میں ابھی اس رسم کے بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی تھی پھر ساتھ ہی چند روز کے بعد

نکاح کی مفصل اور مبسوط ہدایتیں قرآن میں نازل ہوئیں جو متعہ کے مخالف اور متضاد تھیں اس لئے ان آیات سے متعہ کی قطعی طور پر حرمت ثابت ہوگئی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ گو متعہ صرف تین دن تک تھا مگر وحی اور الہام نے اس کے جواز کا دروازہ نہیں کھولا بلکہ وہ پہلے سے ہی عرب میں عام طور پر رائج تھا اور جب صحابہ کو بے وطنی کی حالت میں اس کی ضرورت پڑی تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ متعہ ایک نکاح مؤقّت ہے۔کوئی حرام کاری اس میں نہیں کوئی ایسی بات نہیں کہ جیسی خاوند والی عورت دوسرے سے ہم بستر ہو جاوے بلکہ درحقیقت بیوہ یا باکرہ سے ایک نکاح ہے جو ایک وقت تک مقرر کیا جاتا ہے تو آپ نے اس خیال سے کہ نفس متعہ میں کوئی بات خلاف نکاح نہیں۔اجتہادی طور پر پہلی رسم کے لحاظ سے اجازت دیدی لیکن خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ جیسا کہ اور صدہا عرب کی بیہودہ رسمیں دور کر دی گئیں ایسا ہی متعہ کی رسم کو بھی عرب میں سے اٹھا دیا جاوے سو خدا نے قیامت تک متعہ کو حرام کر دیا۔ ماسوا اس کے یہ بھی سوچنا چاہئے۔کہ نیوگ کو متعہ سے کیا مناسبت ہے نیوگ پر تو ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس میں خاوند والی عورت باوجود زندہ ہونے خاوند کے دوسرے سے ہم بستر کرائی جاتی ہے۔لیکن متعہ کی عورت تو کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک باکرہ یا بیوہ ہوتی ہے جس کا ایک مقررہ وقت تک ایک شخص سے نکاح پڑھا جاتا ہے۔سو خود سوچ لو کہ متعہ کو نیوگ سے کیا نسبت ہے **اور نیوگ کو متعہ سے کیا مناسبت۔**

(آریہ دھرم۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 67 تا 70)

اسلام نے متعہ کو رواج نہیں دیا

عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

نادان عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ اسلام نے متعہ کو رواج نہیں دیا بلکہ جہاں تک ممکن تھا اس کو دنیا میں سے گھٹایا۔اسلام سے پہلے نہ صرف عرب میں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں متعہ کی

رسم تھی یعنی یہ کہ ایک وقت خاص تک نکاح کرنا پھر طلاق دے دینا اور اس رسم کے پھیلانے والے اسباب میں سے ایک یہ بھی سبب تھا کہ جو لوگ لشکروں میں منسلک ہو کر دوسرے ملکوں میں جاتے تھے یا بطریق تجارت ایک مدت تک دوسرے ملک میں رہتے تھے۔ ان کو مؤقت نکاح یعنی متعہ کی ضرورت پڑتی تھی اور کبھی یہ بھی باعث ہوتا کہ غیر ملک کی عورتیں پہلے سے بتلا دیتی تھیں کہ وہ ساتھ جانے پر راضی نہیں اس لئے اسی نیت سے نکاح ہوتا تھا کہ فلاں تاریخ طلاق دی جائے گی۔ پس یہ سچ ہے کہ ایک دفعہ یا دو دفعہ اس قدیم رسم پر بعض مسلمانوں نے بھی عمل کیا۔ مگر وحی اور الہام سے نہیں بلکہ جو قوم میں پرانی رسم تھی معمولی طور پر اس پر عمل ہو گیا لیکن متعہ میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ وہ ایک تاریخ مقررہ تک نکاح ہوتا ہے اور وحی الٰہی نے آخر اس کو حرام کر دیا۔

(نور القرآن نمبر 2۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 450)

متبنّٰی حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا

آریوں کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

اب ہم ان آریوں کے اس پر افترا اعتراض کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہوں نے زینب کے نکاح کی نسبت تراشا ہے۔ ان مفتری لوگوں نے اعتراض کی بنا دو باتیں ٹھہرائی ہیں (1) یہ کہ متبنّٰی اگر اپنی جورو کو طلاق دے دیوے تو متبنّٰی کرنے والے کو اس عورت سے نکاح جائز نہیں (2) یہ کہ زینب آنحضرت کے نکاح سے ناراض تھی تو گویا آنحضرت نے زینب کے معقول عذر پر یہ بہانہ گھڑا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے سو ہم ان دو باتوں کا ذیل میں جواب دیتے ہیں۔

امر اوّل کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ متبنّٰی کرتے ہیں ان کا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے کہ وہ حقیقت میں بیٹا ہو جاتا ہے اور بیٹوں کے تمام احکام اس کے متعلق ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ قانون قدرت اس بیہودہ دعویٰ کو رد کرتا ہے اس لئے کہ جس کا نطفہ ہوتا ہے اسی کے اعضاء میں سے بچہ کے اعضاء حصہ لیتے ہیں اسی کے قویٰ کے مشابہ اس کے قویٰ ہوتے ہیں اور اگر وہ انگریزوں کی طرح سفید رنگ رکھتا ہے تو یہ بھی اس سفیدی سے حصہ لیتا ہے اگر وہ حبشی ہے تو اس کو بھی اس سیاہی کا بخرہ ملتا ہے اگر وہ آتشک زدہ ہے تو یہ بیچارہ بھی اسی بلا میں پھنس جاتا ہے۔ غرض جس کا حقیقت میں نطفہ ہے اسی کے آثار بچہ میں ظاہر ہوتے ہیں جیسی گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتی ہے اور چنے سے چنا نکلتا ہے پس اس صورت میں ایک کے نطفہ کو اس کے غیر کا بیٹا قرار دینا واقعات صحیحہ کے مخالف ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف منہ کے دعویٰ سے واقعات حقیقیہ بدل نہیں سکتے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے سم الفار کے ایک ٹکڑہ کو طباشیر کا ٹکڑہ سمجھ لیا تو وہ اس کے کہنے سے طباشیر نہیں ہو جائے گا اور اگر وہ اس وہم کی بناء پر اسے کھائے گا تو ضرور مرے گا جس حالت میں خدا نے زید کو بکر کے نطفہ سے پیدا کر کے بکر کا بیٹا بنا دیا تو پھر کسی انسان کی فضول گوئی سے وہ خالد کا بیٹا نہیں بن سکتا اور اگر بکر اور خالد ایک مکان میں اکٹھے بیٹھے ہوں اور اس وقت حکم حاکم پہنچے کہ زید جس کا حقیقت میں بیٹا ہے اس کو پھانسی دیا جائے تو اس وقت خالد فی الفور عذر کر دے گا کہ زید حقیقت میں بکر کا بیٹا ہے میرا اس سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کے دو باپ تو نہیں ہو سکتے پس اگر متبنّٰی بنانے والا حقیقت میں باپ ہو گیا ہے تو یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ اصلی باپ کس دلیل سے لا دعویٰ کیا گیا ہے۔

غرض اس سے زیادہ کوئی بات بھی بیہودہ نہیں کہ خدا کی بنائی ہوئی حقیقتوں کو بدل ڈالنے کا قصد کریں.... اب چونکہ عقل کسی طرح قبول نہیں کر سکتی کہ متبنّٰی درحقیقت اپنا ہی لڑکا ہو جاتا ہے اس لئے ایسے اعتراض کرنے والے پر واجب ہے کہ اعتراض سے پہلے اس دعوے کو ثابت کرے اور درحقیقت اعتراض تو ہمارا حق ہے کہ کیونکر غیر کا نطفہ جو غیر کے خواص اپنے اندر رکھتا ہے اپنا نطفہ بن سکتا ہے پہلے اس اعتراض کا جواب دیں اور پھر ہم پر اعتراض

کریں اور یہ بھی یاد رہے کہ زید جو زینب کا پہلا خاوند تھا وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا آپ نے اپنے کرم ذاتی کی وجہ سے اس کو آزاد کر دیا اور بعض دفعہ اس کو بیٹا کہا تا غلامی کا داغ اس پر سے جاتا رہے چونکہ آپ کریم النفس تھے اس لئے زید کو قوم میں عزت دینے کے لئے آپ کی یہ حکمت عملی تھی مگر عرب کے لوگوں میں یہ رسم پڑ گئی تھی کہ اگر کسی کا استاد یا آقا یا مالک اس کو بیٹا کر کے پکارتا تو وہ بیٹا ہی سمجھا جاتا یہ رسم نہایت خراب تھی اور نیز ایک بیہودہ وہم پر اس کی بنا تھی کیونکہ جبکہ تمام انسان بنی نوع ہیں تو اس لحاظ سے جو برابر کے آدمی ہیں وہ بھائیوں کی طرح ہیں اور جو بڑے ہیں وہ باپوں کی مانند ہیں اور چھوٹے بیٹوں کی طرح ہیں لیکن اس خیال سے اگر مثلاً کوئی ہندو ادب کی راہ سے قوم کے کسی مُسِنّ آدمی کو باپ کہہ دے یا کسی ہم عمر کو بھائی کہہ دے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ قول ایک سند متصور ہو کر اس ہندو کی لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی یا اس کی بہن سے شادی نہیں ہو سکے گی اور یہ خیال کیا جائے گا کہ اتنی بات میں وہ حقیقی ہمشیرہ بن گئیں اور اس کے مال کی وارث ہو گئیں یا یہ ان کے مال کا وارث ہو گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک شریر آدمی ایک لاولد اور مالدار کو اپنے منہ سے باپ کہہ کر اس کے تمام مال کا وارث بن جاتا کیونکہ اگر صرف منہ سے کہنے کے ساتھ کوئی کسی کا بیٹا بن سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف منہ سے کہنے سے باپ نہ بن جائے پس اگر یہی سچ ہے تو مفلسوں ناداروں کے لئے نقب زنی یا ڈاکہ مارنے سے بھی یہ عمدہ تر نسخہ ہو جائے گا یعنی ایسے لوگ کسی آدمی کو دیکھ کر جو کئی لاکھ یا کئی کروڑ کی جائیداد رکھتا ہو اور لاولد ہو کہہ سکتے ہیں کہ میں نے تجھ کو باپ بنایا پس اگر وہ حقیقت میں باپ ہو گیا ہے تو ایسے مذہب کی رو سے لازم آئے گا کہ اس لاولد کے مرنے کے بعد سارا مال اس شخص کو مل جائے اور اگر وہ باپ نہیں بن سکا تو اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ ہی جھوٹا ہے اور نیز ایسا ہی ایک شخص کسی کو بیٹا کہہ کر ایسا ہی فریب کر سکتا ہے۔

(آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 55 تا 58)

متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کا جواز

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ہی یہ حکم فرما دیا تھا کہ تم پر صرف ان بیٹوں کی عورتیں حرام ہیں جو تمہارے **صلبی بیٹے** ہیں۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ (النساء :24) یعنی تم پر فقط ان بیٹوں کی جورواں حرام ہیں جو تمہاری پشت اور تمہارے نطفہ سے ہوں۔ پھر جبکہ پہلے سے یہی قانون تعلیم قرآنی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے اور یہ زینب کا قصہ ایک مدت بعد اس کے ظہور میں آیا۔ تو اب ہر یک سمجھ سکتا ہے کہ قرآن نے یہ فیصلہ اسی قانون کے مطابق کیا جو اس سے پہلے منضبط ہو چکا تھا۔ قرآن کھولو اور دیکھو کہ زینب کا قصہ اخیری حصہ قرآن میں ہے مگر یہ قانون کہ متبنّٰی کی جورو حرام نہیں ہوسکتی یہ پہلے حصہ میں ہی موجود ہے اور اس وقت کا یہ قانون ہے کہ جب زینب کا زید سے ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا تم آپ ہی قرآن شریف کو کھول کر ان دونوں مقاموں کو دیکھ لو اور ذرہ شرم کو کام میں لاؤ۔

اور پھر بعد اس کے سورۃ **الاحزاب** میں فرمایا **مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَکُمُ اللَّا ئِیْ تُظَاھِرُوْنَ مِنْھُنَّ أُمَّھَاتِکُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِیَآءَ کُمْ أَبْنَاءَ کُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُم بِأَفْوَاھِکُمْ وَاللَّہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِیْ السَّبِیْلَ اُدْعُوھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللّٰہِ** (الاحزاب:5، 6) یعنی خدا تعالیٰ نے کسی کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے پس اگر تم کسی کو کہو کہ تو میرا دل ہے تو اس کے پیٹ میں دو دل نہیں ہو جائیں گے دل تو ایک ہی رہے گا اسی طرح جس کو تم ماں کہہ بیٹھے وہ تمہاری ماں نہیں بن سکتی اور اسی طرح خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقت میں تمہارے بیٹے نہیں کر دیا۔ یہ تو تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور خدا سچ کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھلاتا ہے۔ تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ تو قرآنی تعلیم ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنے پاک نبی کا نمونہ اس میں قائم کر کے پورانی رسم کی کراہت کو دلوں سے دور کر دے سو یہ نمونہ خدا تعالیٰ

نے قائم کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آزاد کردہ کی بیوی کی اپنے خاوند سے سخت ناسازش ہوگئی آخر طلاق تک نوبت پہنچی۔ پھر جب خاوند کی طرف سے طلاق مل گئی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیوند نکاح کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ کے نکاح پڑھنے کے یہ معنی نہیں کہ زینب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاب قبول نہ ہوا اور جبرًا خلاف مرضی زینب کے اس کو گھر میں آباد کر لیا یہ تو ان لوگوں کی بدذاتی اور ناحق کا افترا ہے جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے بھلا اگر وہ سچے ہیں تو اس افترا کا حدیث صحیح یا قرآن سے ثبوت تو دیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اسلام میں نکاح پڑھنے والے کو یہ منصب نہیں ہوتا کہ جبرًا نکاح کر دے بلکہ نکاح پڑھنے سے پہلے فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ اب خلاصہ یہ کہ صرف منہ کی بات سے نہ تو بیٹا بن سکتا ہے نہ ماں بن سکتی ہے۔ مثلاً ہم آریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی شخص غصہ میں آ کر یا کسی دھوکہ سے اپنی عورت کو ماں کہہ بیٹھے تو کیا اس کی عورت اس پر حرام ہو جائے گی اور طلاق پڑ جائے گی اور خود یہ خیال بالبداہت باطل ہے کیونکہ طلاق تو آریوں کے مذہب میں کسی طور سے پڑ ہی نہیں سکتی خواہ اپنی بیوی کو نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ ماں کہہ دیں یا دادی کہہ دیں تو پھر جبکہ صرف منہ کے کہنے سے کوئی عورت ماں یا دادی نہیں بن سکتی تو پھر صرف منہ کی بات سے کوئی غیر کا نطفہ بیٹا کیونکر بن سکتا ہے اور کیونکر قبول کیا جاتا ہے کہ درحقیقت بیٹا ہو گیا اور اس کی عورت اپنے پر حرام ہو گئی۔ خدا کے کلام میں اختلاف نہیں ہو سکتا پس بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ اگر صرف منہ کی بات سے ایک آریہ کی عورت اس کی ماں نہیں بن سکتی تو اسی طرح صرف منہ کی بات سے غیر کا بیٹا بیٹا بھی نہیں بن سکتا۔

(آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 58 تا 60)

طلاق

طلاق کی اجازت دینے میں حکمت

اگر کوئی عورت اذیت اور مصیبت کا باعث ہو تو ہم کو کیونکر یہ خیال کرنا چاہئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں دل کی سختی کو اس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ اس شخص سے جو اس کو ایسی صورتوں میں اپنے گھر سے نکال دے ناموافقت سے عورت کو رکھنا ایسی سختی ہے جس میں طلاق سے زیادہ بے رحمی ہے۔ **طلاق ایک مصیبت ہے جو ایک بدتر مصیبت کے عوض اختیار کی جاتی ہے۔** تمام معاہدے بدعہدی سے ٹوٹ جاتے ہیں پھر اس پر کون سی معقول دلیل ہے کہ نکاح کا معاہدہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور کیا وجہ کہ نکاح کی نوعیت تمام معاہدوں سے مختلف ہے۔ عیسیٰ نے زنا کی شرط سے طلاق کی اجازت دی مگر آخر اجازت تو دیدی۔ نکاح ملاپ کے لئے ہے اس لئے نہیں کہ ہم دائمی تردد اور نزاع کے باعث سے پریشان خاطر رہیں۔

(آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 53-54 حاشیہ)

طلاق کا اختیار مرد کو کیوں دیا؟

(معترض نے۔ ناقل) ایک یہ اعتراض قرآن شریف پر پیش کیا کہ خاوند کی مرضی پر طلاق رکھی ہے، اس سے شاید اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی رُو سے مرد اور عورت درجہ میں برابر ہیں تو پھر اس صورت میں طلاق کا اختیار محض مرد کے ہاتھ میں رکھنا بلاشبہ قابل اعتراض ہوگا۔ پس اس اعتراض کا یہی جواب ہے کہ مرد اور عورت درجہ میں ہرگز برابر نہیں۔ دنیا کے قدیم تجربہ نے یہی ثابت کیا ہے کہ مرد اپنی جسمانی اور علمی طاقتوں میں عورتوں سے بڑھ کر ہیں اور شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے پس جب مرد کا درجہ باعتبار اپنے ظاہری اور باطنی قوتوں کے عورت سے بڑھ کر ہے تو پھر یہی قرین انصاف ہے کہ مرد اور عورت کے علیحدہ

ہونے کی حالت میں عنانِ اختیار مرد کے ہاتھ میں ہی رکھی جائے....

تمام دنیا میں انسانی فطرت نے یہی پسند کیا ہے کہ ضرورتوں کے وقت میں مرد عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور مرد کا عورت پر ایک حق زائد بھی ہے کہ مرد عورت کی زندگی کے تمام اقسام آسائش کا متکفّل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ** (البقرة : 234) یعنی یہ بات مردوں کے ذمہ ہے کہ جو عورتوں کو کھانے کے لئے ضرورتیں ہوں یا پہننے کے لئے ضرورتیں ہوں وہ سب اُن کے لئے مہیا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد عورت کا مربی اور محسن اور ذمہ وار آسائش کا ٹھہرایا گیا ہے اور وہ عورت کے لئے بطور آقا اور خداوند نعمت کے ہے اسی طرح مرد کو بہ نسبت عورت کے فطرتی قویٰ زبردست دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے مرد عورت پر حکومت کرتا چلا آیا ہے اور مرد کی فطرت کو جس قدر باعتبار کمال قوتوں کے انعام عطا کیا گیا ہے وہ عورت کی قوتوں کو عطا نہیں کیا گیا اور قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ اگر مرد اپنی عورت کو مروّت اور احسان کی رو سے ایک پہاڑ سونے کا بھی دے تو طلاق کی حالت میں واپس نہ لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کس قدر عزت کی گئی ہے ایک طور سے تو مردوں کو عورتوں کا نوکر ٹھہرایا گیا ہے اور بہرحال مردوں کے لئے قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ **عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** (النساء:20) یعنی تم اپنی عورتوں سے ایسے حسن سلوک سے معاشرت کرو کہ ہر ایک عقلمند معلوم کر سکے کہ تم اپنی بیوی سے احسان اور مروّت سے پیش آتے ہو۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 286 تا 288)

عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز کیوں نہیں؟

مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے مہر اور تعہد نان ونفقہ اور اسلام اور حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائط ضروریہ میں سے ہے اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ

جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح کے توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑاسکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کراسکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے۔ (آریہ دھرم۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 37)

طلاق کا موجب صرف زنا نہیں

انجیل کہتی ہے کہ اپنی بیوی کو بجز زنا کے ہرگز طلاق نہ دے۔مگر قرآن شریف اس بات کی مصلحت دیکھتا ہے کہ طلاق صرف زنا سے مخصوص نہیں بلکہ اگر مرد اور عورت میں باہم دشمنی پیدا ہو جاوے اور موافقت نہ رہے یا مثلاً اندیشۂ جان ہو یا اگر چہ عورت زانیہ نہیں مگر زنا کے مقدمات اُس سے صادر ہوتے ہیں اور غیر مردوں کو ملتی ہے تو اِن تمام صورتوں میں خاوند کی رائے پر حصر رکھا گیا ہے کہ اگر وہ مناسب دیکھے تو چھوڑ دے۔مگر پھر بھی تاکید ہے اور نہایت سخت تاکید ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے۔اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم انسانی حاجات کے مطابق ہے اور اُن کے ترک کرنے سے کبھی نہ کبھی کوئی خرابی ضرور پیش آئے گی۔اسی وجہ سے بعض یورپ کی گورنمنٹوں کو جواز طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 413، 414)

طلاق کے بعد مہر عورت کا حق ہے

اگر یہ کہو کہ مسلمان بے وجہ بھی عورتوں کو طلاق دے دیتے ہیں تو تمہیں معلوم ہے کہ ایشر نے مسلمانوں کو لغو کام کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ** (المومنون :4) اور قرآن میں بے وجہ طلاق دینے والوں کو بہت ہی ڈرایا

ہے۔ ماسوااس کےتم اس بات کوبھی تو ذرا سوچو کہ مسلمان اپنی حیثیت کے موافق بہت سا مال خرچ کر کے ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور ایک رقم کثیر عورت کے مہر کی ان کے ذمہ ہوتی ہے اور بعضوں کے مہر کئی ہزار اور بعض کے ایک لاکھ یا کئی لاکھ ہوتے ہیں اور یہ مہر عورت کا حق ہوتا ہے اور طلاق کے وقت بہر حال اس کا اختیار رہوتا ہے کہ وصول کرے اور نیز قرآن میں یہ حکم ہے کہ اگر عورت کو طلاق دی جائے تو جس قدر مال عورت کو طلاق سے پہلے دیا گیا ہے وہ عورت کا ہی رہے گا۔ اور اگر عورت صاحب اولاد ہو تو بچوں کے تعہد کی مشکلات اس کے علاوہ ہیں اسی واسطے کوئی مسلمان جب تک اس کی جان پر ہی عورت کی وجہ سے کوئی وبال نہ پڑے تب تک طلاق کا نام نہیں لیتا۔ (آریہ دھرم۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 40)

طلاق کا قانون باعث رحمت ہے

انجیل میں طلاق کے مسئلہ کی بابت صرف زنا کی شرط تھی اور دوسرے صدہا طرح کے اسباب جو مرد اور عورت میں جانی دشمنی پیدا کر دیتے ہیں ان کا کچھ ذکر نہ تھا۔ اس لئے عیسائی قوم اس خامی کی برداشت نہ کر سکی اور آخر امریکہ میں ایک طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔ سواب سوچو کہ اس قانون سے انجیل کدھر گئی۔ اور اے عورتو! فکر نہ کرو جو تمہیں کتاب ملی ہے وہ انجیل کی طرح انسانی تصرف کی محتاج نہیں اور اس کتاب میں جیسے مردوں کے حقوق محفوظ ہیں عورتوں کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔ اگر عورت مرد کے تعدّد ازدواج پر ناراض ہے تو وہ بذریعہ حاکم خلع کرا سکتی ہے۔ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 80، 81)

طلاق کی ضرورت

قدرتی طور پر ایسی آفات ہر یک قوم کے لئے ہمیشہ ممکن الظہور ہیں جن سے بچنا بجز طلاق کے متصور نہیں۔ مثلاً اگر کوئی عورت زانیہ ہو تو کس طرح اس کے خاوند کی غیرت اس کو اجازت دے سکتی ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی کہلا کر پھر دن رات زنا کاری کی حالت میں

مشغول رہے۔ ایسا ہی اگر کسی کی جورو اس قدر دشمنی میں ترقی کرے کہ اس کی جان کی دشمن ہو جاوے اور اس کے مارنے کی فکر میں لگی رہے تو کیا وہ ایسی عورت سے امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک غیرت مند انسان جب اپنی عورت میں اس قدر خرابی بھی دیکھے کہ اجنبی شہوت پرست اس کو پکڑتے ہیں اور اس کا بوسہ لیتے ہیں اور اس سے ہم بغل ہوتے ہیں اور وہ خوشی سے یہ سب کام کراتی ہے تو گو تحقیق کے رو سے ابھی زنا تک نوبت نہ پہنچی ہو بلکہ وہ فاسقہ موقع کے انتظار میں ہو تاہم کوئی غیرت مند ایسی ناپاک خیال عورت سے نکاح کا تعلق رکھنا نہیں چاہتا.... عورت کا جوڑا اپنے خاوند سے **پاکدامنی اور فرماں برداری** اور باہم رضامندی پر موقوف ہے اور اگر ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات میں بھی فرق آ جاوے تو پھر یہ جوڑ قائم رہنا محالات میں سے ہو جاتا ہے۔ انسان کی بیوی اس کے اعضاء کی طرح ہے۔ پس اگر کوئی عضو سڑ گل جائے یا ہڈی ایسی ٹوٹ جائے کہ قابل پیوند نہ ہو تو پھر بجز کاٹنے کے اور کیا علاج ہے۔ اپنے عضو کو اپنے ہاتھ سے کاٹنا کوئی نہیں چاہتا کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے تب کاٹا جاتا ہے۔(☆ **حاشیہ۔** خدا تعالیٰ نے جو ضرورتوں کے وقت میں مرد کو طلاق دینے کی اجازت دی اور کھول کر یہ نہ کہا کہ عورت کی زناکاری سے یا کسی اور بدمعاشی کے وقت اس کو طلاق دی جاوے اس میں حکمت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ستاری نے چاہا کہ عورت کی تشہیر نہ ہو۔ اگر طلاق کے لئے زنا وغیرہ جرائم کا اعلان کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ اس عورت پر کسی بدکاری کا شبہ ہے یا فلاں فلاں بدکاری کی قسموں میں سے ضرور اس نے کوئی بدکاری کی ہوگی مگر اب یہ راز خاوند تک محدود رہتا ہے۔) پس جس حکیم مطلق نے انسان کے مصالح کے لئے نکاح تجویز کیا ہے اور چاہا ہے کہ مرد اور عورت ایک ہو جائیں۔ اُسی نے مفاسد ظاہر ہونے کے وقت اجازت دی ہے کہ اگر آرام اس میں متصور ہو کہ کرم خوردہ دانت یا سڑے ہوئے عضو یا ٹوٹی ہوئی ہڈی کی طرح موذی کو علیحدہ کر دیا جائے تو اسی طرح کاربند ہو کر اپنے تئیں فوق الطاقت آفت سے بچالیں کیونکہ

جس جوڑ سے وہ فوائد مترتب نہیں ہو سکتے کہ جو اس جوڑ کی علت غائی ہیں بلکہ ان کی ضد پیدا ہوتی ہے تو وہ جوڑ درحقیقت جوڑ نہیں ہے۔ (آریہ دھرم۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 65،66)

وجوہ طلاق ظاہر کرنا ضروری نہیں

ایک صاحب نے اپنی عورت کو طلاق دی عورت کے رشتہ داروں نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی کہ بے وجہ اور بے سبب طلاق دی گئی ہے مرد کے بیانوں سے یہ بات پائی گئی کہ اگر اسے کوئی ہی سزا دی جاوے مگر وہ اس عورت کو بسانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہے عورت کے رشتہ داروں نے جو شکایت کی تھی ان کا منشاء تھا کہ پھر آبادی ہو اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

عورت مرد کا معاملہ آپس میں جو ہوتا ہے اس پر دوسرے کو کامل اطلاع نہیں ہوتی بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فحش عیب عورتوں میں نہیں ہوتا مگر تاہم مزاجوں کی ناموافقت ہوتی ہے جو کہ باہمی معاشرت کی مخل ہوتی ہے ایسی صورت میں مرد طلاق دے سکتا ہے۔بعض وقت عورت گو ولی ہو اور بڑی عابد اور پرہیزگار اور پاکدامن ہو....اور اس کو طلاق دینے میں خاوند کو بھی رحم آتا ہو بلکہ وہ روتا بھی ہو مگر پھر بھی چونکہ اس کی طرف سے کراہت ہوتی ہے اس لیے وہ طلاق دے سکتا ہے مزاجوں کا آپس میں موافق نہ ہونا یہ بھی ایک شرعی امر ہے اس لیے ہم اب اس میں دخل نہیں دے سکتے جو ہوا سو ہوا۔مہر کا جو جھگڑا ہو وہ آپس میں فیصلہ کر لیا جاوے۔

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 117)

کیا بوڑھی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

اور یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی سودہ کو پیرانہ سالی کے سبب سے طلاق دینے کے لئے مستعد ہو گئے تھے۔سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے اور جن لوگوں نے ایسی روائتیں کی ہیں وہ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکے کہ کس شخص کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارادہ ظاہر کیا پس اصل حقیقت جیسا کہ کتب معتبرہ احادیث میں

مذکور ہے یہ ہے کہ خود سودہ نے ہی اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے دل میں یہ خوف کیا کہ اب میری حالت قابل رغبت نہیں رہی ایسا نہ ہو کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم بباعث طبعی کراہت کے جومنشاء بشریت کو لازم ہے مجھ کو طلاق دے دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی امر کراہت کا بھی اس نے اپنے دل میں سمجھ لیا ہو اور اس سے طلاق کا اندیشہ دل میں جم گیا ہو کیونکہ عورتوں کے مزاج میں ایسے معاملات میں وہم اور وسوسہ بہت ہوا کرتا ہے اس لئے اس نے خود بخود ہی عرض کر دیا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی کہ آپ کی ازواج میں میرا حشر ہو۔ چنانچہ **نیل الاوطار** کے ص 140 میں یہ **حدیث** ہے: **اِنَّ السَّوْدَةَ بِنْت زَمعة حِيْنَ اَسَنَّتْ وَ خَافَتْ اَنْ يُفَارِقَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَبْتُ يَوْمِىْ لِعَائِشَةَ فَقبِلَ ذٰلِكَ مِنْهَا... و رواه ايضًا سعد و سعيد ابن منصور والترمذى و عبد الرزاق قال الحافظ فى الفتح فتواردت هذه الروايات علٰى انها خشيت الطلاق** ۔یعنی سودہ بنت زمعہ کو جب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس بات کا خوف ہوا کہ اب شائد میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو جاؤں گی تو اس نے کہا یارسول اللہ میں نے اپنی نوبت عائشہ کو بخش دی۔ آپ نے یہ اس کی درخواست قبول فرمالی۔ ابن سعد اور سعید ابن منصور اور ترمذی اور عبدالرزاق نے بھی یہی روایت کی ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ اسی پر روایتوں کا توارد ہے کہ سودہ کو آپ ہی طلاق کا اندیشہ ہوا تھا۔ اب اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دراصل آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا بلکہ سودہ نے اپنی پیرانہ سالی کی حالت پر نظر کر کے خود ہی اپنے دل میں یہ خیال قائم کر لیا تھا اور اگر ان روایات کے توارد اور تظاہر کو نظر انداز کر کے فرض بھی کر لیں کہ آنخضرتؐ نے طبعی کراہت کے باعث سودہ کو پیرانہ سالی کی حالت میں پا کر طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس میں بھی کوئی برائی نہیں اور نہ یہ امر کسی اخلاقی حالت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس امر پر عورت مرد

کے تعلقات مخالطت موقوف ہیں۔ اگر اس میں کسی نوع سے کوئی ایسی روک پیدا ہو جائے کہ اس کے سبب سے مرد اس تعلق کے حقوق کی بجا آوری پر قادر نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں اگر وہ اصول تقویٰ کے لحاظ سے کوئی کارروائی کرے تو عندالعقل کچھ جائے اعتراض نہیں۔

(نورالقرآن۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 380 تا 382)

طلاق میں جلدی نہ کرو

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو ان کے لئے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو کیونکہ نہایت بد خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندے برتن کی طرح جلد مت توڑو۔''

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 75)

ایڈیٹر صاحب بدر تحریر کرتے ہیں کہ

بارہا دیکھا گیا اور تجربہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص خفیف عذرات پر عورت سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہے تو یہ امر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملال کا موجب ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص سفر میں تھا اس نے اپنی بیوی کو لکھا کہ اگر وہ بدیدن خط جلدی اس کی طرف روانہ نہ ہوگی تو اُسے طلاق دے دی جاوے گی۔

سنا گیا ہے کہ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا تھا:

''جو شخص اس قدر جلدی قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو ہم کیسے امید کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس کا پکا تعلق ہے۔''

ایسا ہی ایک واقعہ اب چند دنوں سے پیش تھا کہ ایک صاحب نے اوّل بڑے چاہ سے ایک شریف لڑکی کے ساتھ نکاح ثانی کیا مگر بعد ازاں بہت سے خفیف عذر پر دس ماہ کے اندر ہی انہوں نے چاہا کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جاوے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام کو بہت سخت

ملال ہوا اور فرمایا:

مجھے اس قدر غصہ ہے کہ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا اور ہماری جماعت میں ہو کر پھر یہ ظالمانہ طریق اختیار کرنا سخت عیب کی بات ہے۔ چنانچہ دوسرے دن پھر حضور علیہ السلام نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ وہ صاحب اپنی اس نئی یعنی دوسری بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھیں جو کچھ زوجہ اوّل کو دیویں وہی اسے دیویں ایک شب اُدھر رہیں تو ایک شب اِدھر رہیں اور دوسری عورت کوئی لونڈی غلام نہیں ہے بلکہ بیوی ہے اُسے زوجہ اوّل کا دست نگر کر کے نہ رکھا جاوے۔

ایسا ہی ایک واقعہ اس سے پیشتر کئی سال ہوئے گزر چکا ہے کہ ایک صاحب نے حصول اولاد کی نیت سے نکاح ثانی کیا اور بعد نکاح رقابت کے خیال سے زوجہ اوّل کو جو صدمہ ہوا اور نیز خانگی تنازعات نے ترقی پکڑی تو انہوں نے گھبرا کر زوجہ ثانی کو طلاق دے دی۔ اس پر حضرت اقدس نے ناراضگی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اس خاوند نے پھر اس زوجہ کی طرف میلان کر کے اسے اپنے نکاح میں لیا اور وہ بیچاری بفضل خدا اس دن سے اب تک اپنے گھر میں آباد ہے۔ (البدر 26 جون 1903ء صفحہ 178)

شرطی طلاق

فرمایا:

''اگر شرط ہو کہ فلاں بات ہو تو طلاق ہے اور وہ بات ہو جائے تو پھر واقعی طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر فلاں پھل کھاؤں تو طلاق ہے اور پھر وہ پھل کھالے تو طلاق ہو جاتی ہے۔'' (البدر 12 جون 1903ء صفحہ 162)

حضرت پیر سراج الحق ؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ مباحثے کے دوران ایک موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مولوی صاحب کا یہ عقیدہ کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں ہے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ ناظرین! سننے کے لائق یہ بات ہے کہ چونکہ قرآن شریف وحی متلو ہے اور تمام کلام

مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا اور یہ کلام الٰہی تھا اور حدیث شریف کا ایسا انتظام نہیں تھا اور نہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں اور وہ مرتبہ اور درجہ جو قرآن شریف کو حاصل ہے وہ حدیث کو نہیں ہے کیونکہ یہ روایت درروایت پہنچی ہیں اگر کوئی شخص اس بات کی قسم کھاوے کہ قرآن شریف کا حرف حرف کلام الٰہی ہے اور جو یہ کلام الٰہی نہیں ہے تو میری بیوی پر طلاق ہے تو شرعاً اس کی بیوی پر طلاق وارد نہیں ہوسکتا۔ اور جو حدیث کی نسبت قسم کھالے اور کہے کہ لفظ لفظ حرف حرف حدیث کا وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے۔ اگر نہیں ہے تو میری جورو پر طلاق ہے تو بے شک وشبہ اس کی بیوی پر طلاق پڑ جاوے گا۔ یہ حضرت اقدس کی زبانی تقریر کا خلاصہ ہے۔ (تذکرۃ المہدی صفحہ 161)

طلاق اور حلالہ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو لوگ ایک ہی دفعہ تین طلاق لکھ دیتے ہیں ان کی وہ طلاق جائز ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں فرمایا:

قرآن شریف کے فرمودہ کی رو سے تین طلاق دی گئی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے درمیان اتنا ہی وقفہ رکھا گیا جو قرآن شریف نے بتایا ہے تو ان تینوں کی عدت کے گذرنے کے بعد اس خاوند کا کوئی تعلق اس بیوی سے نہیں رہتا ہاں اگر کوئی اور شخص اس عورت سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے اور پھر اتفاقاً وہ اس کو طلاق دیدے تو اس خاوند اوّل کو جائز ہے کہ اس بیوی سے نکاح کرلے مگر اگر دوسرا خاوند، خاوند اوّل کی خاطر سے یا لحاظ سے اس بیوی کو طلاق دے تا وہ پہلا خاوند اس سے نکاح کرلے تو یہ حلالہ ہوتا ہے اور یہ حرام ہے۔ لیکن اگر تین طلاق ایک ہی وقت میں دی گئی ہوں تو اس خاوند کو یہ فائدہ دیا گیا ہے کہ وہ عدت کے گذرنے کے بعد بھی اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ یہ طلاق ناجائز طلاق تھا اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے موافق نہ دیا گیا تھا۔

دراصل قرآن شریف میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ امر نہایت ہی ناگوار ہے کہ پرانے تعلقات والے خاوند اور بیوی آپس کے تعلقات کو چھوڑ کر الگ الگ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے طلاق کے واسطے بڑے بڑے شرائط لگائے ہیں۔ وقفہ کے بعد تین طلاق کا دینا اور ان کا ایک ہی جگہ رہنا وغیرہ یہ امور سب اس واسطے ہیں کہ شاید کسی وقت اُن کے دلی رنج دور ہو کر آپس میں صلح ہو جاوے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کوئی قریبی رشتہ دار وغیرہ آپس میں لڑائی کرتے ہیں اور تازے جوش کے وقت میں حکام کے پاس عرضی پرچے لے کر آتے ہیں تو آخر دانا حکام اس وقت ان کو کہہ دیتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد آنا۔ اصل غرض ان کی صرف یہی ہوتی ہے کہ یہ آپس میں صلح کرلیں گے اور ان کے یہ جوش فرو ہوں گے تو پھر ان کی مخالفت باقی نہ رہے گی۔ اسی واسطے وہ اس وقت ان کی وہ درخواست لینا مصلحت کے خلاف جانتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مرد اور عورت کے الگ ہونے کے واسطے ایک کافی موقعہ رکھ دیا ہے یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ طرفین کو اپنی بھلائی برائی کے سوچنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرة :230) یعنی دو دفعہ کی طلاق ہونے کے بعد یا اسے اچھی طرح سے رکھ لیا جاوے یا احسان سے جدا کر دیا جاوے۔ اگر اتنے لمبے عرصہ میں بھی ان کی آپس میں صلح نہیں ہوتی تو پھر ممکن نہیں کہ وہ اصلاح پذیر ہوں۔

(الحکم 10 / اپریل 1903ء صفحہ 14)

طلاق وقفے وقفے سے دی جائے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم میں مذکور طلاق کے متعلق درج ذیل آیات درج فرما کر ان کی تفسیر بیان فرمائی:۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (البقرة : 229) اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ...... (البقرۃ :230) ...... اور چاہئے کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ رجوع کی امید کے لئے تین حیض تک انتظار کریں اور ان تین حیض میں جو قریباً تین مہینے ہیں دو دفعہ طلاق ہوگی یعنی ہر یک حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے اور جب تیسرا مہینہ آوے تو خاوند کو ہوشیار ہو جانا چاہئے کہ اب یا تو تیسری طلاق دے کر احسان کے ساتھ دائمی جدائی اور قطع تعلق ہے اور یا تیسری طلاق سے رک جائے اور عورت کو حسن معاشرت کے ساتھ اپنے گھر میں آباد کرے اور یہ جائز نہیں ہوگا کہ جو مال طلاق سے پہلے عورت کو دیا تھا وہ واپس لے لے اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اس کی عورت نہیں رہی اور جب تک وہ دوسرا خاوند نہ کرلے تب تک نیا نکاح اس سے نہیں ہوسکتا۔

(آریہ دھرم۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 52-53)

ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینا ناجائز ہے

ایک شخص کے سوال پر فرمایا:

طلاق ایک وقت میں کامل نہیں ہوسکتی۔طلاق میں تین طہر ہونے ضروری ہیں۔فقہاء نے ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دینی جائز رکھی ہے مگر ساتھ ہی اس میں یہ رعایت بھی ہے کہ عدّت کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ عورت اسی خاوند سے نکاح کرسکتی ہے اور دوسرے شخص سے بھی کرسکتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے جب تین طلاق دے دی جاویں تو پہلا خاوند اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں آوے اور پھر وہ دوسرا خاوند بلا عمداً اُسے طلاق دیدے۔اگر وہ عمداً اسی لیے طلاق دیگا کہ اپنے پہلے خاوند سے وہ پھر نکاح کرلیوے تو یہ حرام ہوگا کیونکہ اسی کا نام حلالہ ہے جو کہ حرام ہے۔فقہاء نے جو ایک دم کی تین طلاقوں کو

جائز رکھا ہے اور پھر عدت کے گذرنے کے بعد اسی خاوند سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّل اسے شرعی طریق سے طلاق نہیں دی۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو طلاق بہت ناگوار ہے کیونکہ اس سے میاں بیوی دونوں کی خانہ بربادی ہو جاتی ہے اس واسطے تین طلاق اور تین طہر کی مدت مقرر کی ہے کہ اس عرصہ میں دونوں اپنا نیک و بد سمجھ کر اگر صلح چاہیں تو کر لیں۔

(البدر 24/اپریل 1903ء صفحہ 105)

ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کو خط لکھا اور فتویٰ طلب کیا کہ ایک شخص نے از حد غصہ کی حالت میں اپنی عورت کو تین دفعہ طلاق دی، دلی منشاء نہ تھا۔ اب ہر دو پریشان اور اپنے تعلقات کو توڑنا نہیں چاہتے۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

''فتویٰ یہ ہے کہ جب کوئی ایک ہی جلسہ میں طلاق دے تو یہ طلاق ناجائز ہے اور قرآن کے برخلاف ہے اس لئے رجوع ہوسکتا ہے۔ صرف دوبارہ نکاح ہو جانا چاہئے اور اسی طرح ہم ہمیشہ فتویٰ دیتے ہیں اور یہی حق ہے۔''

(بدر 31 جنوری 1907ء صفحہ 4)

طلاق کے بعد دوبارہ نکاح

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ رسول بی بی بیوہ حافظ حامد علی صاحب نے بواسطہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے گاؤں موضع کرالیاں میں تشریف لائے۔ میاں چراغ دین ساکن تھہ غلام نبی نے اپنی بیوی مسماۃ حسّو کو طلاق دے دی ہوئی تھی۔ حضرت جی وہاں صلح کرانے گئے تھے تو وہاں جا کر رات رہے اور دوبارہ نکاح کرا دیا اور رات کو دیر تک وعظ بھی کیا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 116، 117)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے دوسری شادی کی تو کسی وجہ سے جلدی ہی اس بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر بہت مدت شاید سال کے قریب گزر گیا۔ تو حضرت صاحب نے چاہا کہ وہ اس بی بی کو پھر آباد کریں۔ چنانچہ مسئلہ کی تفتیش ہوئی اور معلوم ہوا کہ طلاق بائن نہیں ہے بلکہ رجعی ہے۔ اس لئے آپ کی منشاء سے ان کا دوبارہ نکاح ہو گیا۔ (یہاں بائن سے مراد دراصل طلاق بَتّہ ہے۔ ناقل)

خاکسار عرض کرتا ہے کہ پہلی بیوی سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے اولاد نہیں ہوتی تھی اور حضرت صاحب کو آرزو تھی کہ ان کے اولاد ہو جائے۔ اسی لئے آپ نے تحریک کر کے شادی کروائی تھی۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 761)

نابالغ کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے

سوال: اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کا ولی کر دے اور ہنوز وہ نابالغ ہی ہو اور ایسی ضرورت پیش آوے تو کیا طلاق بھی ولی دے سکتا ہے؟

جواب: فرمایا:

''دے سکتا ہے۔''

(بدر 25 جولائی 1907ء صفحہ 11)

خلع

عورت کوخلع کا اختیار حاصل ہے

فرمایا:۔

شریعت اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی یہ اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پاوے تو عورت کو طلاق دے دے بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے۔ اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اس کا نام خُلع ہے۔ جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وہ اُس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابلِ برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافقت ہو یا وہ مرد دراصل نامرد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اُس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اُس کے کسی ولی کو چاہئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حاکم وقت پر یہ لازم ہوگا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے اور نکاح کو توڑ دے لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہوگا کہ کیوں نہ اُس کی عورت کو اُس سے علیحدہ کیا جائے۔

اب دیکھو کہ یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیسا کہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کر لے ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے بلکہ جدا ہونے کی حالت میں نکاح سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکم وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے تا عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 288،289)

تعدد ازدواج پر ہونے والے اعتراض کے ضمن میں عورت کے حق خلع کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا:۔

جو شخص دو بیویاں کرتا ہے اس میں خدا تعالیٰ کا حرج نہیں اگر حرج ہے تو اس بیوی کا جو پہلی بیوی ہے یا دوسری بیوی کا۔ پس اگر پہلی بیوی اس نکاح میں اپنی حق تلفی سمجھتی ہے تو وہ طلاق لے کر اس جھگڑے سے خلاصی پا سکتی ہے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو بذریعہ حاکم وقت وہ خلع کرا سکتی ہے اور اگر دوسری بیوی اپنا کچھ حرج سمجھتی ہے تو وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھتی ہے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 247)

حاکم وقت کے ذریعے خلع حاصل کرنے کی وجہ؟

فرمایا:۔

مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے مہر اور تعہد نان و نفقہ اور اسلام اور حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائط ضروریہ میں سے ہے اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح کے توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑا سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے۔ (آریہ دھرم۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 37)

خلع میں جلدی نہیں کرنی چاہئے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میاں معراج الدین صاحب عمر کے ساتھ ایک نومسلمہ چوہڑی لاہور سے آئی۔ اس کے نکاح کا ذکر ہوا تو حافظ عظیم بخش صاحب مرحوم پٹیالوی

نے عرض کی کہ مجھ سے کر دیا جائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجازت دے دی اور نکاح ہو گیا۔ دوسرے روز اس مسماۃ نے حافظ صاحب کے ہاں جانے سے انکار کر دیا اور خلع کی خواہش مند ہوئی۔ خلیفہ رجب دین صاحب لاہوری نے حضرت صاحب کی خدمت میں مسجد مبارک میں یہ معاملہ پیش کیا۔آپ نے فرمایا کہ اتنی جلدی نہیں۔ابھی صبر کرے۔ پھر اگر کسی طرح گذارہ نہ ہو تو خلع ہو سکتا ہے اس پر خلیفہ صاحب نے جو بہت بے تکلف آدمی تھے حضرت صاحب کے سامنے ہاتھ کی ایک حرکت سے اشارہ کر کے کہا کہ حضور وہ کہتی ہے کہ حافظ صاحب کی یہ حالت ہے۔(یعنی قوتِ رجولیت بالکل معدوم ہے) اس پر حضرت صاحب نے خلع کی اجازت دے دی۔مگر احتیاطاً ایک دفعہ پھر دونوں کو اکٹھا کیا گیا۔لیکن وہ عورت راضی نہ ہوئی۔ بالآخر خلع ہو گیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 740، 741)

وراثت

فاسقہ کا حق وراثت

ایک شخص نے بذریعہ خط حضرت سے دریافت کیا کہ ایک شخص مثلاً زید نام لاولد فوت ہو گیا ہے۔ زید کی ایک ہمشیرہ تھی جو زید کے حینِ حیات میں بیاہی گئی تھی۔ بہ سبب اس کے کہ خاوند سے بن نہ آئی اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور وہیں رہی یہاں تک کہ زید مر گیا۔ زید کے مرنے کے بعد اس عورت نے بغیر اس کے کہ پہلے خاوند سے باقاعدہ طلاق حاصل کرتی ایک اور شخص سے نکاح کر لیا جو کہ ناجائز ہے۔ زید کے ترکہ میں جو لوگ حقدار ہیں کیا ان کے درمیان اس کی ہمشیرہ بھی شامل ہے یا اس کو حصہ نہیں ملنا چاہئے؟

حضرت نے فرمایا:

اس کو حصہ شرعی ملنا چاہیے کیونکہ بھائی کی زندگی میں وہ اس کے پاس رہی اور فاسق ہو جانے سے اس کا حق وراثت باطل نہیں ہو سکتا۔ شرعی حصہ اس کو برابر ملنا چاہئے باقی معاملہ اس کا خدا کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا خاوند بذریعہ گورنمنٹ باضابطہ کارروائی کر سکتا ہے۔ اس کے شرعی حق میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ (بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

متبنّٰی کو وارث بنانا جائز نہیں

کسی کا ذکر تھا کہ اس کی اولاد نہ تھی اور اس نے ایک اور شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنی جائیداد کا وارث کر دیا تھا۔ فرمایا:

”یہ فعل شرعاً حرام ہے۔ شریعت اسلام کے مطابق دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا قطعاً حرام ہے۔“

(بدر 17 را کتوبر 1907ء صفحہ 7)

یتیم پوتے کا مسئلہ

رنگون سے تشریف لائے ہوئے دوست مکرم ابوسعید عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیت میں نہیں ہے۔ اگر ایک شخص کا پوتا یتیم ہے تو جب وہ مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:

دادے کا اختیار ہے کہ وصیت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دیدے بلکہ جو چاہے دیدے اور باپ کے بعد بیٹے وارث قرار دیئے گئے ہیں کہ تا ترتیب بھی قائم رہے اور اگر اس طرح نہ کیا جاتا تو پھر ترتیب ہرگز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو اور پھر آگے اس کی اولاد ہو تو وہ وارث ہو۔ اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے اور اس سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہئے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں چونکہ بیٹے کی نسبت سے آگے پوتے میں جا کر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آ کر تو برائے نام رہ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا ہے۔ ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر خدا تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء: 9)

(یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش واقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو انکو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مر گیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم

کا ہے اور یتیم میں اور لوگ بھی شامل ہیں (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتہ میں کمزوری بڑھتی جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے۔

(البدر 2 جنوری 1903ء صفحہ 76)

لڑکی کو نصف حصہ دینے کی حکمت

قرآن کریم کا حکم ہے کہ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں خدا کی یہ وصیت ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔ اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

یہ اس لئے ہے کہ لڑکی سسرال میں جا کر ایک حصہ لیتی ہے۔ پس اس طرح سے ایک حصہ ماں باپ کے گھر سے پا کر اور ایک حصہ سسرال سے پا کر اس کا حصہ لڑکے کے برابر ہو جاتا ہے۔ (چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 212 حاشیہ)

پردہ

پردہ کی فلاسفی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غضِ بصر اور پردہ کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصے نہ سنیں۔ نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے بلکہ ہمیں چاہئے کہ ان کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے۔ یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن

کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے۔ بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچالینا اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غضِّ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غضِّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 343، 344)

پردہ پر ہونے والے اعتراض کا جواب

اسلامی پردہ پر اعتراض کرنا اُن کی جہالت ہے اللہ تعالیٰ نے پردہ کا ایسا حکم دیا ہی نہیں، جس پر اعتراض وارد ہو۔

قرآن مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غضِ بصر کریں۔ جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے ہی نہیں، تو محفوظ رہیں گے۔ یہ نہیں کہ انجیل کی طرح یہ حکم دے دیتا کہ شہوت کی نظر سے نہ دیکھ۔ افسوس کی بات ہے کہ انجیل کے مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ شہوت کی نظر کیا ہے؟ نظر ہی تو ایک ایسی چیز ہے جو شہوت انگیز خیالات کو پیدا کرتی ہے۔ اس تعلیم کا جو نتیجہ ہوا ہے وہ اُن لوگوں سے مخفی نہیں ہے جو اخبارات پڑھتے ہیں اُن کو معلوم ہوگا کہ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے کیسے شرمناک نظارے بیان کیے جاتے ہیں۔

اسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیل خانہ کی طرح بند رکھی جاوے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ستر کریں۔ وہ غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جن عورتوں کو باہر جانے کی

ضرورت تمدنی اُمور کے لیے پڑے، اُن کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے، وہ بیشک جائیں، لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے۔ مساوات کے لیے عورتوں کے نیکی کرنے میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے اور نہ اُن کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی میں مشابہت نہ کریں۔ اسلام نے یہ کب بتایا ہے کہ زنجیر ڈال کر رکھو۔ اسلام شہوات کی بناء کو کاٹتا ہے۔ یورپ کو دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کتوں اور کتیوں کی طرح زنا ہوتا ہے اور شراب کی اس قدر کثرت ہے کہ تین میل تک شراب کی دکانیں چلی گئی ہیں۔ یہ کس تعلیم کا نتیجہ ہے؟ کیا پردہ داری یا پردہ دری کا۔

(تقریر جلسہ سالانہ 28 دسمبر 1899ء۔ ملفوظات جلد 1 صفحہ 297، 298)

خاص حالات میں پردہ کی رعایت

فرمایا:

ایسی صورت اور حالت میں کہ قہر خدا نازل ہو رہا ہو اور ہزاروں لوگ مر رہے ہوں۔ پردہ کا اتنا تشدد جائز نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کی بیوی مر گئی، تو کوئی اس کو اٹھانے والا بھی نہ رہا۔ اب اس حالت میں پردہ کیا کر سکتا تھا۔ مثل مشہور ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مردوں ہی نے جنازہ اٹھایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر بچہ رحم میں ہو تو کبھی مرد اس کو نکال سکتا ہے۔ دین اسلام میں تنگی و حرج نہیں۔ جو شخص خواہ مخواہ تنگی و حرج کرتا ہے، وہ اپنی نئی شریعت بناتا ہے۔ گورنمنٹ نے بھی پردے میں کوئی تنگی نہیں کی اور اب قواعد بھی بہت آسان بنا دئے ہیں۔ جو جو تجاویز اور اصلاحات لوگ پیش کرتے ہیں گورنمنٹ اسے توجہ سے سنتی اور ان پر مناسب اور مصلحت وقت کے موافق عمل کرتی ہے۔ کوئی شخص مجھے یہ تو بتائے کہ پردہ میں نبض دکھانا کہاں منع کیا ہے۔

(رسالہ الانذار، تقریر حضرت اقدسؑ 2 مئی 1898ء بحوالہ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 171)

پردہ میں حد درجہ تکلّف ضروری نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب

قادیانی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام لاہور کے ایام میں سیر کے لئے تشریف لے جانے سے قبل مجھ غلام کو یاد فرماتے اور جب میں اطلاع کرتا، تشریف لاتے تھے۔ یہی حضور کا معمول تھا اور میں بھی نہایت پابندی اور تعہّد سے ان اوقات کا انتظام اور انتظار کیا کرتا تھا۔ رتھ کے پیچھے میرے واسطے حضور نے حکم دے کر ایک سیٹ بنوادی تھی تو فٹن کی سواری میں پیچھے کی طرف کا پائیدان میرا مخصوص مقام تھا جہاں ابتداءً مَیں پیچھے کو منہ کر کے الٹا کھڑا ہوا کرتا تھا۔ ایسا کہ میری پیٹھ حضرت اور بیگمات کی طرف ہوا کرتی تھی۔ اس خیال سے کہ بیگمات کو تکلیف نہ ہو۔ کیونکہ عموماً سیدۃ النساء اور کوئی اور خواتین مبارکہ بھی حضرت کے ساتھ کوچوان کی طرف والی نشست پر تشریف فرما ہوتیں تو ان کی تکلیف یا پردہ کا خیال میرے الٹا کھڑے ہونے کا موجب ومحرک ہوا کرتا تھا۔ مگر ایک روز کہیں حضور کا خیال میری اس حرکت کی طرف مبذول ہوگیا تو حکم دیا کہ میاں عبدالرحمٰن! یوں تکلّف کر کے اُلٹا کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ سفروں میں نہ اتنا سخت پردہ کرنے کا حکم ہے اور نہ ہی اس تکلف کی ضرورت۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ اور جس طرح عورتوں کو پردہ کا حکم ہے اسی طرح مردوں کو بھی غضِ بصر کر کے پردہ کی تاکید ہے۔ آپ بے تکلف سیدھے کھڑے ہوا کریں۔

چنانچہ اس کے بعد پھر میں ہمیشہ سیدھا کھڑا ہوا کرتا تھا برعائت پردہ۔ بعض بیگمات کی گودی میں بچے ہوا کرتے تھے۔ گاڑی سے اُترتے وقت ان کے اُٹھانے میں بھی میں بہت حد تک تکلف کیا کرتا تھا مگر اس سے بھی حضورؑ نے روک دیا اور میں بچوں کو محتاط طریق سے بیگمات کی گودیوں میں سے بسہولت لے دے لیا کرتا تھا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 384، 385)

پردہ کی حدود

حضرت نواب محمد علی خان صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود

علیہ السلام سے پردہ کے متعلق دریافت کیا..... حضور نے اپنی دستار کے شملہ سے مجھے ناک کے نیچے کا حصّہ اور مُنہ چھپا کر بتایا کہ ماتھے کو ڈھانک کر اس طرح ہونا چاہئے۔ گویا آنکھیں کھُلی رہیں اور باقی حصہ ڈھکا رہے۔ اس سے قبل حضرت مولانا نورالدین صاحب سے میں نے ایک دفعہ دریافت کیا تھا تو آپ نے گھونگھٹ نکال کر دکھلایا تھا۔

(سیرت المہدی جلد2 صفحہ 48)

امہات المومنین کا پردہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک لیکچر میں فرمایا کہ یہ پردہ جو گھروں میں بند ہو کر بیٹھنے والا ہے جس کے لئے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ امہات المومنین سے خاص تھا۔ دوسری مومنات کے لئے ایسا پردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے صرف اخفاء زینت والا پردہ ہے۔

(سیرت المہدی جلد1 صفحہ 766)

پردے میں بے جا سختی نہ کی جائے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اولؓ نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کسی سفر میں تھے۔ سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر اُدھر پھرتے ہیں۔ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جاوے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا میں تو نہیں کہتا آپ کہہ کر

دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور لوگ بہت ہیں۔ بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا جاؤ جی میں ایسے پردہ کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے؟

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 56)

نامحرم عورتوں سے مصافحہ جائز نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ شفاخانہ میں ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر کام کرتی ہے اور وہ ایک بوڑھی عورت ہے۔ وہ کبھی کبھی میرے ساتھ مصافحہ کرتی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ تو جائز نہیں ہے۔ آپ کو عذر کر دینا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 362، 363)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

عورتوں کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ احسن طریق سے پہلے لوگوں کو بتا دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جب ایک یورپین عورت ملنے آئی تو آپ نے اسے یہی بات کہلا بھیجی تھی۔ رسول کریم ﷺ سے بھی عورتوں کا ہاتھ پکڑ کر بیعت لینے کا سوال ہوا تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ یہ ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ اس میں عورتوں کی ہتک نہیں۔

(الفضل 14 ستمبر 1915ء صفحہ 5)

اضطرار میں پردہ کی رعایت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

اگر کسی موقعہ پر انتہائی مجبوری کی وجہ سے مردار یا سؤر کا گوشت استعمال کر لیا جائے تو جن

زہریلے اثرات کی وجہ سے شریعت نے اِن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ بہرحال ایک مومن کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ان نتائج کا تدارک اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ انسان غفور اور رحیم خدا کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور اُسے کہے کہ اے خدا! مَیں نے تو تیری اجازت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی جان بچانے کے لئے اِس زہریلے کھانے کو کھا لیا ہے لیکن اب تُو ہی فضل فرما اور اُن مہلک اثرات سے میری رُوح اور جسم کو بچا جو اُس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اِسی حکمت کے باعث آخر میں اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہا گیا ہے تاکہ انسان مطمئن نہ ہو جائے بلکہ بعد میں بھی وہ اُس کی تلافی کی کوشش کرتا رہے اور خدا تعالیٰ سے اُس کی حفاظت طلب کرتا رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غالبًا شریعت کی اِسی رخصت کو دیکھتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کسی حاملہ عورت کی حالت ایسی ہو جائے کہ مرد ڈاکٹر کی مدد کے بغیر اُس کا بچہ پیدا نہ ہوسکتا ہو اور وہ ڈاکٹر کی مدد نہ لے اور اُسی حال میں مر جائے تو اس عورت کی موت خودکشی سمجھی جائے گی۔ اِسی طرح اگر انسان کی ایسی حالت ہو جائے کہ وہ بھوک کے مارے مرنے لگے اور وہ سؤر یا مردار کا گوشت کسی قدر کھا لے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 345،346)

خرید وفروخت اور کاروباری امور

ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے

کسی نے پوچھا کہ بعض آدمی غلہ کی تجارت کرتے ہیں اور خرید کر اُسے رکھ چھوڑتے ہیں جب مہنگا ہو جاوے تو اسے بیچتے ہیں کیا ایسی تجارت جائز ہے؟ فرمایا:

اس کو مکروہ سمجھا گیا ہے۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ میرے نزدیک شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے۔ ایک آن کی بدنیتی بھی جائز نہیں اور یہ ایک قسم کی بدنیتی ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ بدنیتی دور ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ بہت ہی تھوڑی سی نجاست جو اُن کے کپڑے پر تھی دھو رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اس قدر کے لیے تو فتویٰ نہیں دیا۔ اس پر آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ آن فتویٰ است واین تقویٰ۔ پس انسان کو دقائق تقویٰ کی رعایت رکھنی چاہیے، سلامتی اسی میں ہے۔ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہ کرے تو پھر ایک دن وہی چھوٹی چھوٹی باتیں کبائر کا مرتکب بنا دیں گی اور طبیعت میں کسل اور لاپروائی پیدا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ تم اپنے زیر نظر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنا رکھو اور اس کے لیے دقائق تقویٰ کی رعایت ضروری ہے۔ (الحکم 10 نومبر 1905ء صفحہ 5)

بیع وشراء میں عرف کی حیثیت

ایک شخص نے سوال کیا کہ ریلی برادرز وغیرہ کارخانوں میں سرکاری سیر 80 روپیہ کا دیتے ہیں اور لیتے 81 روپے کا ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا:

’’جن معاملات میں بیع وشراء میں مقدمات نہ ہوں۔ فساد نہ ہوں۔ تراضی فریقین ہو اور سرکار نے بھی جرم نہ رکھا ہو۔ عرف میں جائز ہو۔ وہ جائز ہے۔‘‘ (الحکم 10 /اگست 1903ء صفحہ 19)

بیچنے والے کو اپنی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار ہے

سوال پیش ہوا کہ بعض تاجر گلی کوچوں میں یا بازار میں اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ایک ہی چیز کی قیمت کسی سے کم لیتے ہیں اور کسی سے زیادہ، کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا:

مالک شے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کی قیمت جو چاہے لگائے اور مانگے ،لیکن وقتِ ضرورت تراضی طرفین ہو اور بیچنے والا کسی قسم کا دھوکہ نہ کرے۔مثلاً ایسا نہ ہو کہ چیز کے خواص وہ نہ ہوں جو بیان کئے جاویں یا اور کسی قسم کا دغا خریدار سے کیا جاوے اور جھوٹ بولا جاوے اور یہ بھی جائز نہیں کہ بچے یا ناواقف کو پائے تو دھوکہ دے کر قیمت زیادہ لے لے اور جس کو اس ملک میں ''لگادا'' لگانا کہتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ (بدر 16 مئی 1907ء صفحہ 10)

تجارتی روپیہ پر منافع

ایک صاحب کی خاطر حضرت حکیم نورالدین صاحبؓ نے ایک مسئلہ حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا کہ یہ ایک شخص ہیں جن کے پاس بیس بائیس ہزار کے قریب روپیہ موجود ہے۔ایک سکھ ہے وہ ان کا روپیہ تجارت میں استعمال کرنا چاہتا ہے اور ان کے اطمینان کے لیے اس نے تجویز کی ہے کہ یہ روپیہ بھی اپنے قبضہ میں رکھیں لیکن جس طرح وہ ہدایت کرے۔اسی طرح ہر ایک شے خرید کر جہاں کہے وہاں روانہ کریں اور جو روپیہ آوے وہ امانت رہے۔سال کے بعد وہ سکھ دو ہزار چھ سو روپیہ ان کو منافع کا دے دیا کرے گا۔یہ اس غرض سے یہاں فتویٰ دریافت کرنے آئے ہیں کہ یہ روپیہ جو اُن کو سال کے بعد ملے گا اگر سود نہ ہو تو شراکت کر لی جاوے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

چونکہ اُنہوں نے خود بھی کام کرنا ہے اور ان کی محنت کو دخل ہے اور وقت بھی صرف کریں گے اس لئے ہر ایک شخص کی حیثیت کے لحاظ سے اس کے وقت اور محنت کی قیمت ہوا کرتی ہے۔دس دس ہزار اور دس دس لاکھ روپیہ لوگ اپنی محنت اور وقت کا معاوضہ لیتے ہیں۔لہٰذا میرے نزدیک تو

یہ روپیہ جو اُن کو وہ دیتا ہے سود نہیں ہے۔ اور میں اس کے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں۔ سود کا لفظ تو اس روپیہ پر دلالت کرتا ہے جو مفت بلا محنت کے (صرف روپیہ کے معاوضہ میں) لیا جاتا ہے۔ اب اس ملک میں اکثر مسائل زیروزبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ (البدر یکم و8 نومبر 1904ء صفحہ 8)

نیک نیتی میں برکت ہے

ایک زرگر کی طرف سے سوال ہوا کہ پہلے ہم زیوروں کے بنانے کی مزدوری کم لیتے تھے اور ملاوٹ ملا دیتے تھے۔ اب ملاوٹ چھوڑ دی ہے اور مزدوری زیادہ مانگتے ہیں تو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مزدوری وہی دینگے جو پہلے دیتے تھے تم ملاوٹ ملا لو۔ ایسا کام ہم ان کے کہنے سے کریں یا نہ کریں؟ فرمایا:

کھوٹ والا کام ہرگز نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں کو کہہ دیا کرو کہ اب ہم نے توبہ کر لی ہے جو ایسا کہتے ہیں کہ کھوٹ ملا دو وہ گناہ کی رغبت دلاتے ہیں۔ پس ایسا کام اُن کے کہنے پر بھی ہرگز نہ کرو۔ برکت دینے والا خدا ہے اور جب آدمی نیک نیتی کے ساتھ ایک گناہ سے بچتا ہے تو خدا ضرور برکت دیتا ہے۔ (الحکم 24/ اپریل 1903ء صفحہ 10)

رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے

رہن کے متعلق سوال ہوا۔ آپؑ نے فرمایا:

موجودہ تجاویز رہن جائز ہیں گذشتہ زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر فصل ہو گئی تو حکام زمینداروں سے معاملہ وصول کر لیا کرتے تھے اگر نہ ہوتی تو معاف ہو جاتا اور اب خواہ فصل ہو یا نہ ہو حکام اپنا مطالبہ وصول کر ہی لیتے ہیں پس چونکہ حکامِ وقت اپنا مطالبہ کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تو اسی طرح یہ رہن بھی جائز رہا کیونکہ کبھی فصل ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی تو دونوں

صورتوں میں مرتہن نفع ونقصان کا ذمہ دار ہے۔پس رہن عدل کی صورت میں جائز ہے۔آجکل گورنمنٹ کے معاملے زمینداروں سے ٹھیکہ کی صورت میں ہو گئے ہیں اوراس صورت میں زمینداروں کوکبھی فائدہ اورکبھی نقصان ہوتا ہے تو ایسی صورت عدل میں رہن بیشک جائز ہے۔

جب دودھ والا جانور اور سواری کا گھوڑا رہن با قبضہ ہوسکتا ہے اوراس کے دودھ اور سواری سے مرتہن فائدہ اُٹھاسکتا ہے تو پھر زمین کا رہن تو آپ ہی حاصل ہوگیا۔

پھر زیور کے رہن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

زیور ہو کچھ ہو جب انتفاع جائز ہے تو خواہ نخواہ تکلفات کیوں بناتے جاویں۔اگرکوئی شخص زیورکواستعمال کرنے سے اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے زیور کی زکوٰۃ بھی فرض ہے چنانچہ کل ہی ہمارے گھر میں زیور کی زکوٰۃ ڈیڑھ سو روپیہ دیا ہے۔پس اگر زیور استعمال کرتا ہے تو اس کی زکوٰۃ دے اگر بکری رہن رکھی ہے اوراس کا دودھ پیتا ہے تو اس کو گھاس بھی دے۔ (الحکم 24/اپریل 1903ء صفحہ 11)

رہن میں وقت مقرر کرنا

سوال:۔ایک شخص دو ہزار روپے میں ایک مکان رہن لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دوسال تک راہن سے روپیہ واپس نہ لے۔کیا رہن کرتے وقت اس قسم کی شرط رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

فقہاء کا مذہب تو یہ ہے کہ وقت کی پابندی جائز نہیں۔ جب بھی راہن روپیہ دے وہ مکان مرتہن سے چھڑاسکتا ہے۔لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پابندی کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب مرزا نظام الدین صاحب کی دوکانیں حضرت ام المومنین نے رہن لیں تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کیا وقت معین کیا جاسکتا ہے تو آپؑ نے اسے جائز قرار دیا۔پس یہ شرط میرے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ رہن جائز ہو۔اگر رہن ہی ناجائز ہے تو

پھر سال دو سال وغیرہ کی مدت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ وہ پہلے دن سے ہی ناجائز ہے۔
(الفضل 26 رجون 1946ء صفحہ 3)

رہن باقبضہ ہو اور تحریر لینا بھی ضروری ہے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مولوی صاحب خلیفہ اولؓ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے کسی شخص سے ایک زراعتی کنواں ساڑھے تین ہزار روپیہ میں رہن لیا مگر میں نے اس سے نہ کوئی رسید لی اور نہ کوئی تحریر کروائی اور کنواں بھی اسی کے قبضے میں رہنے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس سے کنوئیں کی آمد کا مطالبہ کیا تو وہ صاف منکر ہو گیا اور رہن کا ہی انکار کر بیٹھا۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ کسی نے یہ خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچا دی اور مولوی صاحب کے نقصان پر افسوس کیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا تمہیں ان کے نقصان کی فکر ہے مجھے ایمان کی فکر ہے مولوی صاحب نے کیوں دوسرے شخص کو ایسی حالت میں رکھا جس سے اس کو بد دیانتی کا موقعہ ملا اور کیوں اسلامی حکم کے مطابق اس سے کوئی تحریر نہ لی اور کیوں اس سے باقاعدہ قبضہ نہ حاصل کیا۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 146-145)

تیس سال کے لئے باغ رہن رکھوانا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت والدہ صاحبہ نے خاکسار سے بیان کیا کہ حضرت صاحب کو کسی دینی غرض کے لئے کچھ روپے کی ضرورت پیش آئی تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے تم اپنا زیور دے دو میں تم کو اپنا باغ رہن دے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سب رجسٹرار کو قادیان میں بلوا کر باقاعدہ رہن نامہ میرے نام کروا دیا اور پھر اندر آ کر مجھ سے فرمایا کہ میں نے رہن کے لئے تیس سال کی میعاد لکھ دی ہے کہ اس عرصہ کے اندر یہ رہن فک نہیں کروایا جائے گا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ رہن کے متعلق میعاد کو عموماً فقہ والے جائز قرار نہیں دیتے ۔سو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قول کی اہل فقہ کے قول سے تطبیق کی ضرورت سمجھی جاوے تو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ گویا حضرت صاحب نے میعاد کو رہن کی شرائط میں نہیں رکھا بلکہ اپنی طرف سے یہ بات زائد بطور احسان ومروت کے درج کرادی کیونکہ ہر شخص کو حق ہے کہ بطور احسان اپنی طرف سے جو چاہے دوسرے کو دے دے ۔مثلاً یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو کچھ قرض دے تو اصل سے زیادہ واپس نہ مانگے کیونکہ یہ سود ہو جاتا ہے ۔لیکن بایں ہمہ اس بات کو شریعت نے نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ قرار دیا ہے کہ ہو سکے تو مقروض روپیہ واپس کرتے ہوئے اپنی خوشی سے قارض کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دے دے ۔علاوہ ازیں خاکسار کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ گو شریعت نے رہن میں اصل مقصود ضمانت کے پہلو کو رکھا ہے اور اسی وجہ سے عموماً فقہ والے رہن میں میعاد کو تسلیم نہیں کرتے لیکن شریعت کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ بعض اوقات ایک امر ایک خاص بات کو ملحوظ رکھ کر جاری کیا جاتا ہے ۔مگر بعد اس کے جائز ہو جانے کے اس کے جواز میں دوسری جہات سے بھی وسعت پیدا ہو جاتی ہے ۔مثلاً سفر میں نماز کا قصر کرنا دراصل مبنی ہے اس بات پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں سفروں میں نکلتے تھے تو چونکہ دشمن کی طرف سے خطرہ ہوتا تھا ۔اس لئے نماز کو چھوٹا کر دیا گیا ۔لیکن جب سفر میں ایک جہت سے نماز قصر ہوئی تو پھر اللہ نے مومنوں کے لئے اس قصر کو عام کر دیا اور خوف کی شرط درمیان سے اُٹھا لی گئی ۔پس گو رہن کی اصل بنیاد ضمانت کے اصول پر ہے لیکن جب اس کا دروازہ کھلا تو باری تعالیٰ نے اس کو عام کر دیا مگر یہ فقہ کی باتیں ہیں جس میں رائے دینا خاکسار کا کام نہیں ۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 263،264)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ وہ رہن نامہ جس کے رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا باغ حضرت والدہ صاحبہ کے پاس رہن رکھا تھا میں نے دیکھا ہے۔ وہ باقاعدہ رجسٹری شدہ ہے اور اس کی تاریخ 25 جون 1898ء ہے۔ زرِ رہن پانچ ہزار روپیہ ہے جس میں سے ایک ہزار نقد درج ہے اور باقی بصورت زیورات ہے۔ اس رہن میں حضرت صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں۔

''اقرار یہ ہے کہ عرصہ تیس سال تک فک الرہن مرہونہ نہیں کراؤں گا۔ بعد تیس سال مذکور کے ایک سال میں جب چاہوں زرِ رہن دوں تب فک الرہن کرالوں۔ ورنہ بعد انفصال میعاد بالا یعنی اکتیس سال کے بتیسویں سال میں مرہونہ بالا ان ہی روپیوں میں بیع الوفا ہو جائے گا اور مجھے دعویٰ ملکیت کا نہیں رہے گا۔ قبضہ اس کا آج سے کرا دیا ہے اور داخل خارج کرا دوں گا اور منافع مرہونہ بالا کی قائمی رہن تک مرتہنہ مستحق ہے اور معاملہ سرکاری فصل خریف 1955 (بکرمی) سے مرتہنہ دے گی اور پیداوار لے گی۔''

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ اس کے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تجویز کردہ نہیں ہیں بلکہ کسی وثیقہ نویس نے حضرت صاحب کے منشاء کو اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 338)

زمین کی تقسیم کے لئے قرعہ ڈالنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے پیر افتخار احمد صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ میں نے دیکھا کہ مرزا نظام الدین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوچہ بندی میں کھڑے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ڈیوڑھی سے نکلے اور آپ کے ہاتھ میں دو بند لفافے تھے۔ یہ لفافے آپ نے مرزا نظام الدین کے

سامنے کر دیئے کہ ان میں سے ایک اُٹھا لیں۔ انہوں نے ایک لفافہ اُٹھا لیا اور دوسرے کو لے کر حضرت صاحب فوراً اندر واپس چلے گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے حضرت والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لفافے باغ کی تقسیم کے متعلق تھے چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے باغ کا نصف حصہ لینا اور نصف مرزا سلطان احمد کو جانا تھا۔ اس لئے حضرت صاحب نے اس تقسیم کے لئے قرعہ کی صورت اختیار کی تھی اور مرزا نظام الدین مرزا سلطان احمد کی طرف سے مختار کار تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس تقسیم کے مطابق باغ کا جنوبی نصف حصہ حضرت صاحب کو آیا اور شمالی نصف مرزا سلطان احمد صاحب کے حصہ میں چلا گیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 263)

مجبور لوگوں کو مہنگے داموں غلہ فروخت کرنا جائز نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ہم سب بھائی (یعنی خاکسار و برادران میاں جمال الدین مرحوم و میاں امام الدین صاحب) مسائل فقہی کی بناء پر گاہے بگاہے بدیں طریق تجارت کرتے تھے کہ غلّہ خرید کر ضرورت کے موقع پر غرباء کو کسی قدر گراں نرخ پر بطور قرض دے دیتے اور فصل آئندہ پر وصولی قرضہ کر لیتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام کا دعویٰ ظاہر ہو گیا تو اس وقت بھی ایک دفعہ غلّہ خرید کیا گیا کہ غرباء کو دستور سابق دیا جائے۔ جب میں قادیان گیا تو مجھے خیال آیا کہ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کر لوں۔ چنانچہ حضورؑ کی خدمت میں سوال مفصل طور پر پیش کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ''تمہیں ایسے کاموں کی کیا ضرورت ہے؟'' جس لہجہ سے حضورؑ نے جواب دیا وہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ایسے کام بہت ناپسند ہیں۔ پس واپس آ کر ہم نے ارادہ ترک کر دیا اور بعد ازاں پھر کبھی یہ کام نہ کیا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 249، 250)

آبکاری کی تحصیلداری

ایک دوست جو محکمہ آبکاری میں نائب تحصیلدار تھے ان کا خط حضرت کی خدمت میں آیا اورانہوں نے دریافت کیا کہ کیا اس قسم کی نوکری ہمارے واسطے جائز ہے؟ فرمایا:

اس وقت ہندوستان میں ایسے تمام امور حالت اضطرار میں داخل ہیں۔تحصیلدار یا نائب تحصیلدار نہ شراب بناتا ہے نہ بیچتا ہے نہ پیتا ہے،صرف اس کی انتظامی نگرانی ہے اور بلحاظ سرکاری ملازمت کے اس کا فرض ہے۔ملک کی سلطنت اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اضطراراً یہ امر جائز ہے۔ہاں خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ انسان کے واسطے اس سے بھی بہتر سامان پیدا کرے۔گورنمنٹ کے ماتحت ایسی ملازمتیں بھی ہوسکتی ہیں جن کا ایسی باتوں سے تعلق نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہئے۔

(بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

نوٹوں پر کمیشن

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ نوٹوں کے بدلے روپیہ لینے یا دینے کے وقت یا پونڈ یا روپیہ توڑانے کے وقت دستور ہے کہ کچھ پیسے زائد لیے یا دیئے جاتے ہیں کیا اس قسم کا کمیشن لینا یا دینا جائز ہے؟ فرمایا:

یہ جائز ہے اور سود میں داخل نہیں۔ایک شخص وقت ضرورت ہم کو نوٹ بہم پہنچا دیتا ہے یا نوٹ لے کر روپیہ دے دیتا ہے تو اس میں کچھ ہرج نہیں کہ وہ کچھ مناسب کمیشن اس پر لے لے۔کیونکہ نوٹ یا روپیہ یا ریز گاری کے محفوظ رکھنے اور تیار رکھنے میں وہ خود بھی وقت اور محنت خرچ کرتا ہے۔

(بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

سود، انشورنس اور بینکنگ

سود

سود کی بابت پوچھا گیا کہ بعض مجبوریاں لاحق حال ہو جاتی ہیں۔ فرمایا:

اس کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔ یہ بہر حال ناجائز ہے۔ ایک طرح کا سود اسلام میں جائز ہے یہ کہ قرض دیتے وقت کوئی شرط وغیرہ کسی قسم کی نہ ہو اور مقروض جب قرضہ ادا کرے تو مروّت کے طور پر اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیوے۔ آنحضرتؐ ایسا ہی کیا کرتے۔ اگر دس روپیہ قرض لئے تو ادائیگی کے وقت ایک سوتک دے دیا کرتے۔ سود حرام وہی ہے جس میں عہد معاہدہ اور شرائط اوّل ہی کر لی جاویں۔

(البدر 24راگست 1904ء صفحہ 8)

سود در سود

ایک صاحب نے بیان کیا کہ سید احمد خان صاحب نے لکھا ہے **اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً** (آل عمران:131) کی ممانعت ہے فرمایا:

یہ بات غلط ہے کہ سود در سود کی ممانعت کی گئی ہے اور سود جائز رکھا ہے شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے یہ فقرہ اسی قسم کا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ گناہ در گناہ مت کرتے جاؤ، اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ گناہ ضرور کرو۔

اس قسم کا روپیہ جو کہ گورنمنٹ سے ملتا ہے وہ اسی حالت میں سود ہو گا جبکہ لینے والا اسی خواہش سے روپیہ دیتا ہے کہ مجھ کو سود ملے ورنہ گورنمنٹ جو اپنی طرف سے احسانًا دیوے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔

(البدر 27مارچ 1903ء صفحہ 75)

پراویڈنٹ فنڈ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ریلوے میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں۔ان کی تنخواہ میں سے ایک آنہ فی روپیہ کاٹ کر رکھا جاتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ زائد روپیہ بھی وہ دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا:

شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدہ کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاوے گا لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے تو وہ سود سے باہر ہے چنانچہ انبیاء ہمیشہ شرائط کی رعایت رکھتے آئے ہیں۔اگر بادشاہ کچھ روپیہ لیتا ہے اور وہ اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سود ہے تو وہ بھی سود میں داخل نہیں ہے وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے۔پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگی وقت اُسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ) دیدیا ہو۔یہ خیال رہنا چاہیے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔ خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 75)

تجارت کے لئے سودی روپیہ لینے کی ممانعت

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ضرورت پر سودی روپیہ لے کر تجارت وغیرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا:

حرام ہے۔ہاں اگر کسی دوست اور تعارف کی جگہ سے روپیہ لیا جاوے اور کوئی وعدہ اس کو زیادہ دینے کا نہ ہو نہ اس کے دل میں زیادہ لینے کا خیال ہو۔پھر اگر مقروض اصل سے کچھ زیادہ دیدے تو وہ سود نہیں ہوتا بلکہ یہ تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمن:61) ہے۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ضرورت سخت ہو اور سوائے سود کے کام نہ چل سکے

تو پھر؟ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:

خدا تعالیٰ نے اس کی حرمت مومنوں کے واسطے مقرر کی ہے اور مومن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو اللہ تعالیٰ اس کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اسلام میں کروڑ ہا ایسے آدمی گذرے ہیں جنہوں نے نہ سود لیا نہ دیا آخر ان کے حوائج بھی پورے ہوتے رہے کہ نہ؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ لو نہ دو جو ایسا کرتا ہے وہ گویا خدا کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتا ہے ایمان ہو تو اس کا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شے ہے اَلَـمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرة:107) اگر اسے خیال ہو کہ پھر کیا کرے؟ تو کیا خدا کا حکم بھی بیکار ہے؟ اس کی قدرت بہت بڑی ہے۔ سود تو کوئی شے ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا کہ زمین کا پانی نہ پیا کرو تو وہ ہمیشہ بارش کا پانی آسمان سے دیا کرتا اسی طرح ضرورت پر وہ خود ایسی راہ نکال ہی دیتا ہے کہ جس سے اس کی نافرمانی بھی نہ ہو۔ جب تک ایمان میں میل کچیل ہوتا ہے تب تک یہ ضعف اور کمزوری ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک خدا نہ چھڑاوے ورنہ انسان تو ہر ایک گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ ہم چھوڑ نہیں سکتے اگر چھوڑیں تو گذارہ نہیں چلتا۔ دکانداروں عطاروں کو دیکھا جاوے کہ پرانا مال سالہا سال تک بیچتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ ملازم پیشہ لوگ رشوت خوری کرتے ہیں اور سب یہ عذر کرتے ہیں کہ گذارہ نہیں چلتا۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے نتیجہ نکالا جاوے تو پھر یہ نکلتا ہے کہ خدا کی کتاب پر عمل ہی نہ کرو کیونکہ گزارہ نہیں چلتا حالانکہ مومن کے لیے خدا خود سہولت کر دیتا ہے۔ یہ تمام راستبازوں کا مجرب علاج ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے۔

لوگ خدا کی قدر نہیں کرتے۔ جیسے بھروسہ اُن کو حرام کے دروازے پر ہے ویسا خدا پر نہیں ہے۔ خدا پر ایمان، یہ ایک ایسا نسخہ ہے کہ اگر قدر ہو تو جی چاہے کہ جیسے اور عجیب نسخہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں ویسے ہی اسے بھی مخفی رکھا جاوے۔ میں نے کئی دفعہ بیماریوں میں آزمایا ہے کہ

پیشاب بار بار آ رہا ہے دست بھی لگے ہیں۔آخر خدا سے دعا کی۔صبح کو الہام ہوا۔**دُعَاءُ لَکَ مُسْتَجَابٌ** اس کے بعد ہی وہ کثرت جاتی رہی اور کمزوری کی جگہ طاقت آ گئی۔یہ خدا کی طاقت ہے ایسا خدا عجیب ہے کہ ان نسخوں سے بھی زیادہ قابلِ قدر ہے جو کیمیا وغیرہ کے ہوتے ہیں مجھے بھی ایک دفعہ خیال آیا کہ یہ تو چھپانے کے قابل ہے پھر سوچا کہ یہ تو بخل ہے ایسی مفید شے کو دنیا پر اظہار کرنا چاہیے کہ مخلوق الٰہی کو فائدہ حاصل ہو۔یہی فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے خدا میں ہے۔انکا خدا بولتا نہیں۔خدا معلوم یہ بھی کیسا ایمان ہے۔اسلام کا خدا جیسے پہلے تھا ویسے ہی اب ہے۔نہ طاقت کم ہوئی نہ بوڑھا ہوا۔نہ کچھ اور نقص اس میں واقع ہوا۔ویسے خدا پر جس کا ایمان ہو وہ اگر آگ میں بھی پڑا ہو تو اُسے حوصلہ ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کو آخر آگ میں ڈالا ہی تھا۔ ویسے ہی ہم بھی آگ میں ڈالے گئے۔خون کا مقدمہ بنایا گیا۔اگر اس میں پانچ یا دس سال کی قید ہو جاتی تو سب سلسلہ تباہ ہو جاتا۔سب قوموں نے متفق ہو کر یہ آگ سلگائی تھی۔کیا کم آگ تھی؟ اس وقت سوائے خدا کے اور کون تھا؟ اور وہی الہام ہوئے جو کہ ابراہیمؑ کو ہوئے تھے آخر میں الہام ہوا اِبراء اور تسلی دی کہ سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 75)

بینکوں کا سود اشاعت اسلام کے لیے خرچ کرنا جائز ہے

شیخ نور احمد صاحب نے بنک کے سود کے متعلق تذکرہ کیا کہ بنک والے ضرور سود دیتے ہیں پھر اسے کیا کیا جاوے؟ فرمایا:

ہمارا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دل میں ڈالا ہے کہ ایسا روپیہ اشاعت دین کے کام میں خرچ کیا جاوے۔یہ بالکل سچ ہے کہ سود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی کیونکہ حرمت اشیاء کی انسان کے لیے ہے نہ اللہ تعالیٰ کے واسطے۔پس سود اپنے نفس کے لیے، بیوی بچوں، احباب، رشتہ داروں اور

ہمسایوں کے لیے بالکل حرام ہے۔لیکن اگر یہ روپیہ خالصتاً اشاعت دین کے لیے خرچ ہو تو حرج نہیں ہے۔خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے اور پھر اس پر دوسری مصیبت یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دو مصیبتیں واقع ہو رہی ہیں اور دو حرمتیں روا رکھی گئی ہیں۔اول یہ کہ زکوٰۃ جس کے دینے کا حکم تھا وہ دیتے نہیں اور سود جس کے لینے سے منع کیا تھا وہ لیتے ہیں۔یعنی جو خدا تعالیٰ کا حق تھا وہ تو دیا نہیں اور جو اپنا حق نہ تھا اُسے لیا گیا۔جب ایسی حالت ہو رہی ہے اور اسلام خطرناک ضعف میں مبتلا ہے تو میں یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ ایسے سودوں کی رقمیں جو بینک سے ملتا ہے یکمشت اشاعت دین میں خرچ کرنی چاہئیں۔ میں نے جو فتویٰ دیا ہے وہ عام نہیں ہے ورنہ سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں مگر اس ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ مالی ترقی کے ذریعے پیدا نہیں ہوئے اور مسلمان توجہ نہیں کرتے ایسا روپیہ اسلام کے کام میں لگنا حرام نہیں ہے۔

قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حرمت ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اگر خرچ ہو تو حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو جیسے سود اپنے لیے درست نہیں کسی اور کو اس کا دینا بھی درست نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا درست ہے اور اس کا یہی طریق ہے کہ وہ صرف اشاعت اسلام میں خرچ ہو۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے جہاد ہو رہا ہو اور گولی بارود کسی فاسق فاجر کے ہاں ہو۔اس وقت محض اس خیال سے رک جانا کہ یہ گولی بارود مال حرام ہے ٹھیک نہیں۔ بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ اس کو خرچ کیا جاوے۔اس وقت تلوار کا جہاد تو باقی نہیں رہا اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی گورنمنٹ دی ہے جس نے ہر ایک قسم کی مذہبی آزادی عطا کی ہے۔اب قلم کا جہاد باقی ہے۔اس لیے اشاعت دین میں ہم اس کو خرچ کر سکتے ہیں۔

(الحکم 24 ستمبر 1905ء صفحہ 9)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں

غلام نبی صاحب سیٹھی نے جو پہلے راولپنڈی میں تجارت کرتے تھے اور آج کل قادیان میں ہجرت کر آئے ہوئے ہیں۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خط دیا جو حضورؑ نے سیٹھی صاحب کو اپریل 1898ء میں اپنے دست مبارک سے لکھ کر ارسال کیا تھا۔ اس خط میں مسئلہ سود کے متعلق حضرت کا ایک اصولی فیصلہ درج ہے اور اس لئے میں اسے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

’’میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کی اس نیک نیتی اور خوف الٰہی پر اللہ تعالیٰ خود کوئی طریق مخلصی پیدا کر دے گا۔ اس وقت تک صبر سے استغفار کرنا چاہیے اور سود کے بارے میں میرے نزدیک ایک انتظام احسن ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قدر سود کا روپیہ آوے آپ اپنے کام میں اس کو خرچ نہ کریں بلکہ اس کو الگ جمع کرتے جائیں اور جب سود دینا پڑے اسی روپیہ میں سے دے دیں۔ اور اگر آپ کے خیال میں کچھ زیادہ روپیہ ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ وہ روپیہ کسی ایسے دینی کام میں خرچ ہو جس میں کسی شخص کا ذاتی خرچ نہ ہو۔ بلکہ صرف اس سے اشاعتِ دین ہو۔ میں اس سے پہلے یہ فتویٰ اپنی جماعت کے لئے بھی دے چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سود حرام فرمایا ہے وہ انسان کی ذاتیات کے لئے ہے۔ حرام یہ طریق ہے کہ کوئی انسان سود کے روپیہ سے اپنی اور اپنے عیال کی معیشت چلاوے یا خوراک یا پوشاک یا عمارت میں خرچ کرے یا ایسا ہی کسی دوسرے کو اس نیت سے دے کہ وہ اس میں سے کھاوے یا پہنے لیکن اس طرح پر کسی سود کے روپیہ کا خرچ کرنا ہرگز حرام نہیں ہے کہ وہ بغیر اپنے کسی ذرہ ذاتی نفع کے خدا تعالیٰ کی طرف رد کیا جائے یعنی اشاعتِ دین پر خرچ کیا جائے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا مالک ہے جو چیز اس کی طرف آتی ہے وہ پاک ہو جاتی ہے بجز اس کے کہ ایسے مال نہ ہوں کہ انسانوں کی مرضی کے بغیر لئے گئے ہوں جیسے چوری یا رہزنی یا ڈاکہ، کہ یہ مال کسی طرح سے بھی خدا کے اور دین کے کاموں میں بھی خرچ کرنے کے لائق نہیں لیکن جو مال رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو وہ خدا تعالیٰ کے دین کی راہ میں خرچ ہو سکتا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ ہم

لوگوں کو اس وقت مخالفوں کے مقابل پر جو ہمارے دین کے ردّ میں شائع کرتے ہیں کس قدر روپیہ کی ضرورت ہے۔ گویا یہ ایک جنگ ہے جو ہم ان سے کر رہے ہیں۔ اس صورت میں اس جنگ کی امداد کے لئے ایسے مال اگر خرچ کئے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ فتویٰ ہے جو میں نے دیا ہے............

سود کے اشاعت دین میں خرچ کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی انسان عمداً اپنے تئیں اس کام میں ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مجبوری سے جیسا کہ آپ کو پیش ہے یا کسی اتفاق سے کوئی شخص سود کا روپیہ کا وارث ہو جائے تو وہ روپیہ اُس طرح پر جیسا کہ میں نے بیان (کیا ہے) خرچ ہوسکتا ہے اوراس کے ساتھ ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔''

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 402، 403)

ایک صاحب کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ جب بینکوں کے سود کے متعلق حضور نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اوراسلام کے حالات کو مدنظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لئے ذاتی، قومی، ملکی تجارتی وغیرہ اضطرارات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا:

اس طرح سے لوگ حرامخوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بینک کا سود بسبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعت اسلام میں اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امداد دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا اور دین غریب ہو رہا ہے کیونکہ کوئی شے خدا کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور قومی اور تجارتی ضروریات۔ سو اُن کے واسطے اور ایسی باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے واسطے جائز ہے کہ اس زمانہ میں اگر کہیں

جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرے کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔

(بدر 6 فروری 1908ء صفحہ 7)

انشورنس یا بیمہ

انشورنس اور بیمہ پر سوال کیا گیا۔ فرمایا:

سود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔

دوسرے ان تمام سوالوں میں اس امر کا خیال بھی رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ بہت کھوج نکال نکال کر مسائل نہ پوچھنے چاہئیں۔مثلاً اب کوئی دعوت کھانے جاوے تو اب اسی خیال میں لگ جاوے کہ کسی وقت حرام کا پیسہ ان کے گھر میں آیا ہوگا۔ پھر اس طرح تو آخر کار دعوتوں کا کھانا ہی بند ہو جاوے گا۔خدا کا نام ستّار بھی ہے ورنہ دنیا میں عام طور پر راستباز کم ہوتے ہیں۔مستور الحال بہت ہوتے ہیں۔ یہ بھی قرآن میں لکھا ہے **وَلَا تَجَسَّسُوْا** (الحجرات :13) یعنی تجسس مت کیا کرو ورنہ اس طرح تم مشقت میں پڑو گے۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 76)

لائف انشورنس

ایک دوست کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا جس میں لکھا تھا کہ

مارچ 1900ء میں، میں نے اپنی زندگی کا بیمہ واسطے دو ہزار روپے کے کرایا تھا۔شرائط یہ تھیں کہ اس تاریخ سے تا مرگ میں چھیالیس روپے سالانہ بطور چندہ کے ادا کرتا رہوں گا۔تب دو ہزار روپیہ بعد مرگ کے میرے وارثان کو ملے گا اور زندگی میں یہ روپیہ لینے کا حقدار نہ ہوں گا۔ اب تک میں نے تقریباً مبلغ چھ سو روپیہ کے بیمہ کرنے والی کمپنی کو دے دیا ہے۔اب اگر میں اس

بیمہ کو توڑ دوں تو بموجب شرائط اس کمپنی کے صرف تیسرے حصہ کا حقدار ہوں یعنی دوصد روپیہ ملے گا اور باقی چارصد روپیہ ضائع جائے گا۔ مگر چونکہ میں نے آپ کے ہاتھ پر اس شرط کی بیعت کی ہوئی ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس واسطے بعد اس مسئلہ کے معلوم ہو جانے کے میں ایسی حرکت کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا جو خدا اور اس کے رسول کے احکام کے برخلاف ہو اور آپ **حَکَم** اور **عدل** ہیں، اس واسطے نہایت عجز سے ملتجی ہوں کہ جیسا مناسب حکم ہو صادر فرمایا جاوے تا کہ اس کی تعمیل کی جاوے اس کے جواب میں فرمایا :

زندگی کا بیمہ جس طرح رائج ہے اور سنا جاتا ہے اس کے جواز کی ہم کوئی صورت بظاہر نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ایک قمار بازی ہے۔ اگرچہ وہ بہت سا روپیہ خرچ کر چکے ہیں لیکن اگر وہ جاری رکھیں گے تو یہ روپیہ اُن سے اور بھی زیادہ گناہ کرائے گا۔ اُن کو چاہیے کہ آئندہ زندگی، گناہ سے بچنے کے واسطے اس کو ترک کر دیویں اور جتنا روپیہ اب مل سکتا ہے وہ واپس لے لیں۔

(بدر 9/اپریل 1908ء صفحہ 3)

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کے سود کا حکم

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سود جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جب تک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے ہرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاویں ہم اس کے متعلق اپنی رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کیے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ اُن کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے۔ ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹال دینا گناہ ہے۔

مثلاً اگر دنیا میں سؤر کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لیے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔تب ہم فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (الانعام :146) کے نیچے لا کر اس کو جائز کہہ دیں گے مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ہم فی الحال بڑے بڑے عظیم الشان امور دینی کی طرف متوجہ ہیں۔ہمیں تو لوگوں کے ایمان کا فکر پڑا ہوا ہے۔ایسے ادنیٰ امور کی طرف ہم توجہ نہیں کر سکتے۔اگر ہم بڑے عالیشان دینی مہمات کو چھوڑ کر ابھی سے ایسے ادنیٰ کاموں میں لگ جائیں تو ہماری مثال اس بادشاہ کی ہوگی جو ایک مقام پر ایک محل بنانا چاہتا ہے مگر اس جگہ بڑے شیر اور درندے اور سانپ ہیں اور نیز مکھیاں اور چیونٹیاں ہیں۔پس اگر وہ پہلے درندوں اور سانپوں کی طرف توجہ نہ کرے اور ان کو ہلاکت تک نہ پہنچائے اور سب سے پہلے مکھیوں کے فنا کرنے میں مصروف ہو تو اس کا کیا حال ہوگا۔اس سائل کو لکھنا چاہیے کہ تم پہلے اپنے ایمان کا فکر کرو اور دو چار ماہ کے واسطے یہاں آ کر ٹھہرو تا کہ تمہارے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہو اور ایسے خیالات میں نہ پڑو۔

(الحکم 10 مئی 1902ء صفحہ 11)

کسی قیمت پر سودی قرضہ نہ لے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے سودی قرضہ کے متعلق سوال کیا۔فرمایا: ’’یہ جائز نہیں ہے۔‘‘ میں نے عرض کی کہ بعض اوقات مجبوری ہوتی ہے مثلاً ایک کاشتکار ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔سرکاری معاملہ ادا کرنا ہوتا ہے۔سپاہی سر پر کھڑا ہے۔بجز سود خور، کوئی قرض نہیں دیتا۔ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ فرمایا: ’’مجبوری تو ہوتی ہے لیکن استغفار ہی کرے اور سودی قرضہ نہ لیوے۔‘‘ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 199-198)

وقت مقررہ پر قرضہ واپس نہ کرنے والے سے ہرجانہ وصول کرنا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک فتویٰ کی مندرجہ ذیل تشریح کی ہے۔

سوال:۔ زید نے بکر کو اپنا مال مقررہ قیمت پر فروخت کرنے کے لئے دیا۔ زید نے مال فروخت کرنے کے بعد رقم بکر کو ادا نہ کی جس کو کم وبیش ایک سال گزر گیا۔ کیا زید اس رقم کے روکنے کی وجہ سے بکر سے ہرجانہ طلب کر سکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے تو کیا شریعت نے کوئی شرح مقرر کی ہے۔ آریہ دھرم صفحہ ۱۰ احاشیہ در حاشیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اس مدت تک وہ تجارت کے کام کا روپیہ جو اس کے انتظار پر بند رہے گا اس کا مناسب ہرجانہ اس کو دینا ہوگا۔‘‘

جواب:۔ میں نے (حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب ۔ ناقل) یہ حوالہ حضرت امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) کے سامنے پیش کیا ہے اور حضور نے اس پر فرمایا ہے کہ تجارتی سود میں اور اس میں فرق باریک ہے۔ جو ہر ایک اس باریک فرق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس واسطے جو قاعدہ ہم نے پہلے جاری کیا ہوا ہے وہی ٹھیک ہے کہ قاضی اگر دیکھے کہ مدیون نے دائن کو تکلیف دی تو قاضی اس پر جرمانہ تو کر دے لیکن جرمانہ کی رقم انجمن کو دے تاجر کو نہ دے۔

(فرمودات مصلح موعود درباره فقہی مسائل صفحہ 303، 304)

سود کی مصیبت سے بچنے کے لئے سود لینا

سوال:۔ کیا سود لینا جائز ہے۔ ہندو ہم سے سود لیتے ہیں۔ اگر ہم نہ لیں تو ہمارا سارا مال ہندوؤں کے ہاں چلا جائے گا۔

اس سوال کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

اس بارے میں ہمارا مسلک دوسرے لوگوں سے مختلف ہے اس وقت جو کچھ میں بیان کروں

گا یہ احمدی عقیدہ ہوگا۔ یہ نہیں کہ دوسرے علماء کیا کہتے ہیں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

ہمارے سلسلہ کے بانی نے یہ رکھا ہے کہ سود اپنی ذات میں بہر حال حرام ہے۔ ترکوں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ بنکوں کا سود سود نہیں۔ حنفی علماء کا فتویٰ تھا کہ ہندوستان میں چونکہ انگریزوں کی حکومت ہے اور یہ حربی ملک ہے اس لئے غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے اور اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ کوئی یہ مسئلہ پوچھتا ہی نہیں۔ لوگ کثرت سے سود لیتے اور دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں چاہے بنک کا سود ہو چاہے دوسرا دونوں حرام ہیں۔ لیکن بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک فیصلہ کیا ہے جو اسلام کے دوسرے مسائل سے مستنبط ہوتا ہے۔ ایک حالت انسان پر ایسی بھی آتی ہے جب وہ کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے یہ کہنا کہ فلاں چیز جائز ہے اور فلاں ناجائز یہ فضول بات ہے۔ مثلاً ایک آدمی گند میں گر جائے جو کئی گز میں پھیلا ہوا ور اسے کہا جائے کہ گند میں چلنا منع ہے تو وہ کس طرح اس گند سے نکل سکے گا۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے یہ رکھا ہے کہ اگر کوئی اس لئے سود لے کہ سود کی بلا سے بچ جائے تو وہ لے سکتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ بیس فیصدی سود ادا کرتا ہے۔ اگر اسے پانچ فیصدی سود پر بنک سے روپیہ مل سکتا ہے تو وہ لے لے۔ اس طرح امید ہو سکتی ہے کہ وہ سود کی بلا سے بچ سکے۔

(الفضل 25 جنوری 1929ء صفحہ 6)

بیمہ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

بیمہ کی وہ ساری کی ساری اقسام جو اس وقت تک ہمارے علم میں آ چکی ہیں ناجائز ہیں۔ ہاں اگر کوئی کمپنی یہ شرط کرے کہ بیمہ کرانے والا کمپنی کے فائدہ اور نقصان میں شامل ہوگا تو پھر بیمہ کرانا جائز ہو سکتا ہے...... ہاں ایک طرح کا بیمہ جائز ہے اور وہ یہ کہ مجبوراً کرانا پڑے جیسے بعض محکموں میں گورنمنٹ نے ضروری کر دیا ہے کہ ملازم بیمہ کرائیں۔ یہ چونکہ اپنے اختیار کی بات

نہیں ہوتی اس لئے جائز ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا ہے پراویڈنٹ فنڈ جہاں مجبور کر کے جمع کرایا جاتا ہے وہاں اس رقم پر جو زائد ملے وہ لے لینا چاہئے۔

(الفضل 7 جنوری 1930ء صفحہ 4)

اخبار کی پیشگی قیمت کم اور مابعد زیادہ وصول کرنا

مورخہ 14 فروری 1907ء کے اخبار بدر میں ایڈیٹر صاحب کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا کہ اخبار کی پیشگی قیمت کم اور مابعد قیمت زیادہ ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے لکھا

اخبار کی قیمت اگر پیشگی وصول کی جائے تو اخبار کے چلانے میں سہولت ہوتی ہے۔ جو لوگ پیشگی قیمت نہیں دیتے اور بعد کے وعدے کرتے ہیں ان میں سے بعض تو صرف وعدوں پر ہی ٹال دیتے ہیں اور بعض کی قیمتوں کی وصولی کے لئے بار بار کی خط و کتابت میں اور ان سے قیمتیں لینے کے واسطے یادداشتوں کے رکھنے میں اس قدر دقت ہوتی ہے کہ اس زائد محنت اور نقصان کو کسی حد تک کم کرنے کے واسطے اور نیز اس کا معاوضہ وصول کرنے کے واسطے اخبار بدر کی قیمت مابعد کے نرخ میں ایک روپیہ زائد کیا گیا ہے۔ یعنی مابعد دینے والوں سے قیمت اخبار بجائے تین روپے کے چار روپے وصول کئے جائیں گے۔ یہ معاملہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کا جواب حضرت صاحب نے مندرجہ ذیل لکھا۔

''میرے نزدیک اس سے سود کو کچھ تعلق نہیں۔ مالک کا اختیار ہے کہ جو چاہے قیمت طلب کرے، خاص کر بعد کی وصولی میں حرج بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اخبار لینا چاہتا ہے تو وہ پہلے بھی دے سکتا ہے۔ یہ امر خود اس کے اختیار میں ہے۔''

(بدر 14 فروری 1907ء صفحہ 4)

حکومت کی اطاعت

حضرت مسیح موعودؑ کے پانچ اصول

فرمایا:

میں بار بار اعلان دے چکا ہوں کہ میرے بڑے اصول پانچ ہیں۔

اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک اور ہر ایک منقصت موت اور بیماری اور لاچاری اور درد اور دکھ اور دوسری نالائق صفات سے پاک سمجھنا۔ **دوسرے** یہ کہ خدا تعالیٰ کے سلسلہ نبوت کا خاتم اور آخری شریعت لانے والا اور نجات کی حقیقی راہ بتلانے والا حضرت سیّدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین رکھنا۔ **تیسرے** یہ کہ دین اسلام کی دعوت محض دلائل عقلیہ اور آسمانی نشانوں سے کرنا اور خیالات غازیانہ اور جہاد اور جنگجوئی کو اس زمانہ کے لئے قطعی طور پر حرام اور ممتنع سمجھنا اور ایسے خیالات کے پابند کو صریح غلطی پر قرار دینا۔ **چوتھے** یہ کہ اس گورنمنٹ محسنہ کی نسبت جس کے ہم زیر سایہ ہیں یعنی گورنمنٹ انگلشیہ کوئی مفسدانہ خیالات دل میں نہ لانا اور خلوص دل سے اس کی اطاعت میں مشغول رہنا۔ **پانچویں** یہ کہ بنی نوع سے ہمدردی کرنا اور حتّی الوسع ہر ایک شخص کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے کوشش کرتے رہنا اور امن اور صلح کاری کا مؤید ہونا اور نیک اخلاق کو دنیا میں پھیلانا۔ یہ پانچ اصول ہیں جن کی اس جماعت کو تعلیم دی جاتی ہے۔ (کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 347، 348)

حکام برادری سے حسن سلوک

ایک شخص نے پوچھا کہ حکام اور برادری سے کیسا سلوک کریں؟ فرمایا:

ہر ایک سے نیک سلوک کرو، حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ میں اس کو بڑی بے ایمانی

سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جاوے۔

برادری کے حقوق ہیں۔ان سے بھی نیک سلوک کرنا چاہیے البتہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف ہیں، ان سے الگ رہنا چاہیے۔

ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کل مخلوق سے احسان کرو۔

(الحکم 31 جولائی، 10؍اگست 1904ء صفحہ 13)

انگریزوں کی حکومت میں رہنے کا مسئلہ

مسئلہ جہاد کا تذکرہ ہوا جس میں ضمناً بعض ان گروہوں کا ذکر بھی آ گیا جو کہ ہر ایک کافر کو بذریعہ تلوار قتل کر دینے کو غزا قرار دیتے ہیں اور انگریزوں کے ملکوں میں رہنا بدعت اور کفر خیال کرتے ہیں۔اس پر حضورؑ نے فرمایا:

اُن کا یہ خیال کہ ہم کفر کے اثر سے بچنے کے لیے الگ رہتے ہیں اور اگر انگریزوں کی رعیت ہو کر رہیں تو آنکھوں سے کفر اور شرک کے کام دیکھنے پڑیں اور مشرکانہ کلام کان سے سننے پڑیں۔میرے نزدیک درست نہیں ہیں کیونکہ اس گورنمنٹ نے مذہب کے بارے میں ہر ایک کو اب تک آزادی دے رکھی ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ امن اور سلامت روی سے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کرے۔مذہبی تعصب کو گورنمنٹ ہرگز دخل نہیں دیتی۔اس کی بہت سی زندہ نظیریں موجود ہیں۔ایک دفعہ خود عیسائی پادریوں نے ایک جھوٹا مقدمہ خون کا مجھ پر بنایا۔ایک انگریز اور عیسائی حاکم کے پاس ہی وہ مقدمہ تھا اور اس وقت کا ایک لیفٹیننٹ گورنر بھی ایک پادری مزاج آدمی تھا مگر آخر اس نے فیصلہ میرے حق میں دیا اور بالکل بری کر دیا۔بلکہ یہاں تک کہا کہ میں پادریوں کی خاطر انصاف کو ترک نہیں کر سکتا۔اس کے بعد ابھی ایک مقدمہ (کا) فیصلہ ہوا ہے۔پہلے تو وہ ہندو مجسٹریٹوں کے پاس تھا۔نہیں معلوم کہ انہوں نے کس رعب میں آ کر

بہت ہی واضح اور بین وجوہات کونظر انداز کر دیا اور مجھ پر جرمانہ کیا۔لیکن آخر جب اس کی اپیل ایک انگریز حاکم کے پاس ہوئی تو اس نے بری کر دیا اور مجسٹریٹ کی کارروائی پر افسوس کیا اور کہا کہ جو مقدمہ اپنے ابتدائی مرحلہ پر خارج ہونے کے قابل تھا اس پر اس قدر وقت ضائع کیا گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں ابھی تک عدل اور انصاف کا مادہ موجود ہے۔اگر کسی قسم کا مذہبی تعصب یا بغض ہوتا تو کم از کم میرے ساتھ تو ضرور برتا جاتا۔تین لاکھ کے قریب جماعت ہے۔پھر افغانستان کے لوگ بھی آ آ کر بیعت کرتے رہتے ہیں اور ایک نیا فرقہ ہونے کی وجہ سے بھی گورنمنٹ کی نظر اور توجہ اس طرف ہونی چاہیے تھی مگر دیکھ لو کہ قریب آٹھ کے ہمارے مقدمات ہوئے ہیں جن میں سے سوائے ایک دو کے باقی کل مخالفین کی طرف سے ہم پر تھے مگر سب میں کامیابی ہم کو ہی حاصل ہوئی ہے اور انگریزوں نے ہی ہمارے حق میں فیصلے دیئے ہیں اگر چہ ہم ان سب کامیابیوں کو خدا کی طرف سے ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر وہ نہ چاہتا تو یہ لوگ کیا کرتے ،مگر جن لوگوں کے ذریعہ اور ہاتھوں سے اس کی نصرت ہمارے شامل حال ہوئی وہ بھی قابل شکر کے ہیں۔جہانتک میرا خیال بلکہ یقین ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک ان لوگوں میں تعصب نہیں ہے اور آئندہ کا حال خدا کو معلوم ہے اور اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو خدمت دین ہی مطلوب ہے اور ان کی غرض خدا کو راضی کرنا ہے تو چھپ کر بیٹھ رہنے سے کیا فائدہ؟ ان کو چاہیے کہ خدمت دین کا ایک پہلو ہاتھ میں لیں۔گورنمنٹ کی طرف سے کسی قسم کی سختی ہرگز نہیں ہے۔لوگوں کو تبلیغ اور اتمام حجت کریں یہ خیال بالکل غلط ہے کہ واعظ لوگوں کو گورنمنٹ گرفت کرتی ہے ہرگز نہیں ہاں جو لوگ مفسد ہوتے ہیں وہ ضرور خود ہی گرفت کے قابل ہوتے ہیں۔گورنمنٹ کا اس میں کیا قصور؟ اب تو عیسویت کا یہ حال ہے کہ اس پر خود بخود موت آ رہی ہے۔خود اُن کے بڑے بڑے عالم اور فاضل تثلیث کے پکے دشمن ہو گئے ہیں اور نئی تعلیم

نے اُن کے دلوں میں یہ بات کوٹ کر بھر دی ہے کہ بناوٹی خدا اب کام نہیں آ سکتا۔ پادریوں کی یہ حالت ہے کہ صرف ٹکڑے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ ایک دن تنخواہ کو دیر ہو جاوے تو کام چھوڑ دیتے ہیں اور خود عیسائی مذہب کے رد میں کتابیں لکھتے ہیں۔ (البدر 18 فروری 1905ء صفحہ 3)

اُولو الامر کون ہے

سوال: اولو الامر سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک مولوی اولو الامر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں اس طرح پر چلا آیا ہے کہ اسلام کے بادشاہ جن کے ہاتھ میں عنان حکومت ہے ان کی اطاعت کرنی چاہیے وہ بھی ایک قسم کے اولوالامر ہوتے ہیں لیکن اصل اولوالامر وہی ہوتے ہیں جن کی زندگی پاک ہوتی ہے اور ایک بصیرت اور معرفت جن کو ملتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے امر پاتے ہیں یعنی مامور الٰہی۔

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے وہ انتظامی امور میں تو پورا دخل رکھتے ہیں لیکن دینی امور کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ سچے اولوالامر وہی ہیں جن کے اتباع سے معرفت کی آنکھ ملتی ہے اور انسان معصیت سے دور ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا لحاظ اولوالامر میں رکھو۔ اگر کوئی شخص بادشاہ وقت کی بغاوت کرے تو اس کا نتیجہ اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ فتنہ کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح پر مامور کی مخالفت کرے تو سلب ایمان ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی مخالفت سے لازم آتا ہے کہ مخالفت کرنے والا خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

سوال: پھر اس وقت جو مولوی ہیں کیا اُن کو اولوالامر سمجھیں؟

جواب: اُو خویشتن گم اَست کرا رہبری کند۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کی آنکھ نہ کھولے آنکھ کھلتی نہیں۔ ان لوگوں نے دین صرف چند رسوم کا نام سمجھ رکھا ہے حالانکہ دین رسوم کا نام نہیں ہے۔ ایک زمانہ وہ ہوتا ہے

جبکہ یہ باتیں محض رسم اور عادت کے طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اسی قسم کے ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن کو نماز اور روزہ سکھایا گیا تھا ان کا اور مذاق تھا۔ وہ حقیقت کو لیتے تھے اور اسی لیے جلد مستفیض ہوتے تھے۔ پھر مدت کے بعد وہی نماز اور روزہ جو اعلیٰ درجہ کی طہارت اور خداترسی کا ذریعہ تھا ایک رسم اور عادت سمجھا گیا۔ پس اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اصل امر دین کو جو مغز ہے تلاش کرے۔ (الحکم 17راگست 1905ء صفحہ 6)

اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اُس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے اسی لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں کیونکہ وہ ہمارے دینی مقاصد کے حارج نہیں ہیں بلکہ ہم کو ان کے وجود سے بہت آرام ملا ہے۔

(ضرورت الامام روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 493، 494)

اولو الامر کی اطاعت

قرآن شریف میں حکم ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء :60) یہاں اولی الامر کی اطاعت کا حکم صاف طور پر موجود ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ منکم میں گورنمنٹ داخل نہیں، تو یہ اس امر کی صریح غلطی ہے۔ گورنمنٹ جو حکم شریعت کے مطابق دیتی ہے، وہ اسے منکم میں داخل کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص ہماری مخالفت نہیں کرتا وہ ہم میں داخل ہے۔ اشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کے حکم مان لینے چاہئیں۔ عام طور پر مسلمانوں کے لئے یہ لازم تھا کہ انسداد طاعون کے متعلق شکرگزاری کے میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجتے، مگر یہاں بجائے شکر گزاری کے ناشکرگزاری ہو رہی ہے اور کوئی معقول وجہ ناراضگی کی بجز اس کے معلوم نہیں ہوتی

کہ عورتوں کی نبضیں مرد ڈاکٹر دیکھتے ہیں۔ سواس بارہ میں یہ معلوم ہوا ہے کہ اول تو اس نقص کے معلوم ہو جانے پر گورنمنٹ نے اس شکایت کو رفع کر دیا ہے اور دائیاں مقرر کر دی ہیں جو مستورات کا ملاحظہ کرتی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا نہ بھی ہوتا، تو بھی اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ ایسی صورت اور حالت میں کہ قہر خدا نازل ہو رہا ہو اور ہزاروں لوگ مر رہے ہوں۔ پردہ کا اتنا تشدد جائز نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کی بیوی مر گئی، تو کوئی اس کو اٹھانے والا بھی نہیں رہا۔ اب اس حالت میں پردہ کیا کر سکتا تھا۔ مثل مشہور ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مردوں ہی نے جنازہ اٹھایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر بچہ رحم میں ہو تو کبھی مرد اس کو نکال سکتا ہے۔ دین اسلام میں تنگی اور حرج نہیں۔ جو شخص خواہ مخواہ تنگی و حرج کرتا ہے، وہ اپنی نئی شریعت بناتا ہے۔ گورنمنٹ نے بھی پردے میں کوئی تنگی نہیں کی اور اب قواعد بھی بہت آسان بنا دیئے ہیں۔ جو جو تجاویز اور اصلاحات لوگ پیش کرتے ہیں گورنمنٹ اسے توجہ سے سنتی اور ان پر مناسب اور مصلحت وقت کے موافق عمل کرتی ہے۔ کوئی شخص مجھے یہ تو بتائے کہ پردہ میں نبض دکھانا کہاں منع ہے۔

(رسالہ الانذار صفحہ 15-16 تقریر حضرت اقدسؑ 2 مئی 1898ء بحوالہ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 171)

دو انگریزوں کے قتلِ ناحق پر اظہارِ ناراضگی

علاقہ پشاور میں کسی سفاک پٹھان نے دو بے گناہ انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ایک مجمع میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

یہ جو دو انگریزوں کو مار دیا ہے۔ یہ کیا جہاد کیا ہے؟ ایسے نابکار لوگوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان لوگوں کی ایسی خدمت کرتا اور ایسے عمدہ طور پر ان سے برتاؤ کرتا کہ وہ اس کے اخلاق اور حسن سلوک کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مومن کا کام تو یہ ہے کہ اپنی نفسانیت کو

کچل ڈالے۔لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ایک کافر سے لڑے۔حضرت علیؓ نے اُس کو نیچے گرالیا اور اس کا پیٹ چاک کرنے کو تھے کہ اس نے حضرت علیؓ پر تھوکا۔حضرت علیؓ یہ دیکھ کر اس کے سینے پر سے اُتر آئے۔وہ کافر حیران ہوا اور پوچھا کہ اے علیؓ! یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میرا جنگ تیرے ساتھ خدا کے واسطے تھا،لیکن جب تو نے میرے منہ پر تھوکا،تو میرے نفس کا بھی کچھ حصہ مل گیا۔اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔حضرت علیؓ کے اس فعل کا اس پر بہت بڑا اثر ہوا۔

میں جب کبھی ان لوگوں کی بابت ایسی خبریں سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم سے بہت دور جا پڑے ہیں اور بے گناہ انسانوں کا قتل ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔

بعض مولوی مجھے اس لیے دجال کہتے ہیں کہ میں انگریزوں کے ساتھ محاربہ جائز نہیں رکھتا مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ لوگ مولوی کہلا کر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔کوئی ان سے پوچھے کہ انگریزوں نے تمہارے ساتھ کیا برائی کی ہے۔اور کیا دُکھ دیا ہے۔شرم کی بات ہے کہ وہ قوم جس کے آنے سے ہم کو ہر قسم کی راحت اور آرام ملا۔جس نے آ کر ہم کو سکھوں کے خونخوار پنجہ سے نجات دی اور ہمارے مذہب کی اشاعت کے لیے ہر قسم کے مواقع اور سہولتیں دیں۔اُن کے احسان کا یہ شکر ہے کہ بے گناہ انگریزی افسروں کو قتل کر دیا جائے؟ میں تو صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو خون ناحق سے نہیں ڈرتے اور محسن کے حقوق ادا نہیں کرتے۔وہ خدا تعالیٰ کے حضور سخت جوابدہ ہیں۔ان مولویوں کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع کریں اور ناواقف اور جاہل لوگوں کو فہمائش کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ وہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اس کے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہیں اور یہ مبارک سلطنت نیکی اور ہدایت پھیلانے میں کامل مددگار ہے۔پس اس کے خلاف محاربہ کے خیالات رکھنے سخت بغاوت ہے اور یہ قطعی حرام ہے۔وہ اپنے قلم اور زبان سے جاہلوں کو سمجھائیں اور اپنے دین کو بدنام کر کے دنیا کو ناحق کا ضرر نہ پہنچائیں۔ہم تو

گورنمنٹ برطانیہ کو آسمانی برکت سمجھتے ہیں اور اس کی قدر کرنا اپنا فرض۔

افسوس ہے مولویوں نے خود تو اس کام کو کیا نہیں اور جب ہم نے ان جاہلانہ خیالات کو دلوں سے مٹانا چاہا تو ہم کو دجال کہا۔صرف اس واسطے کہ ہم محسن گورنمنٹ کے شکر گزار ہیں۔مگر ان کی مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ہم نے بیسیوں رسالے اس مضمون کے عربی، فارسی، اردو، انگریزی میں شائع کیے اور ہزاروں اشتہار مختلف بلاد وامصار میں تقسیم کر دیئے ہیں۔اس لئے نہیں کہ ہم گورنمنٹ سے کوئی عزت چاہتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اگر ہم کو اس خدمت کے بجالانے میں تکلیف بھی ہو تو ہم پرواہ نہیں کرتے ، کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ احسان کی جزا احسان ہے۔پس پوری اطاعت اور وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کی مسلمانوں کا فرض ہے۔

(الحکم 17؍اپریل 1900ء صفحہ 10، 11)

حکومت کی طرف سے دی گئی آزادی کی قدر کرنی چاہیے

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے وہ میموریل پڑھ چکنے کے بعد جو حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن حمایت اسلام کے میموریل دربارہ ’’امہات المومنین‘‘ کی اصلاح کی غرض سے لکھا تھا حضرت اقدسؑ نے بآواز بلند فرمایا:

چونکہ یہ میموریل اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سچی عزت اور قرآن کریم کی عظمت کو قائم کرنے اور اسلام کی پاکیزہ اور اصفیٰ شکل دکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس لئے اس کو آپ صاحبان کے سامنے پڑھے جانے سے صرف یہ غرض ہے کہ تا آپ لوگوں سے بطور مشورہ دریافت کیا جائے کہ آیا مصلحت وقت یہ ہے کہ کتاب کا جواب لکھا جائے یا میموریل بھیج کر گورنمنٹ سے استدعا کی جائے کہ وہ ایسے مصنفین کی سرزنش کرے اور اشاعت بند کر دے۔پس آپ لوگوں میں سے جو کوئی اس پر نکتہ چینی کرنا چاہے، تو وہ نہایت

آزادی اور شوق سے کر سکتا ہے۔

مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ اگر کتاب کی اشاعت بند نہ ہوئی، ہمیشہ تک طبع ہوتی رہے گی۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

اگر ہم واقعی طور پر کتاب کی اشاعت بند نہ کریں جو اس کے رد کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے تو گورنمنٹ سے ایک بار نہیں ہزار دفعہ اس قسم کی مدد لے کر اس کی اشاعت بند کر دی جائے وہ رک نہیں سکتی۔اگر اس تھوڑے عرصے کے لئے وہ برائے نام بند بھی ہو جائے تو پھر بھی بہت سی کمزور طبیعت کے انسانوں اور بعض آنے والی نسلوں کے لئے یہ تجویز زہر قاتل ہو گی کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گا کہ فلاں کتاب کا جواب جب مسلمانوں سے نہ ہو سکا تو اس کے لئے گورنمنٹ سے بند کرانے کی کوشش کی۔اس سے ایک قسم کی بدظنی ہمارے مذہب کی نسبت پیدا ہو گی۔پس میرا یہ اصول رہا ہے کہ ایسی کتاب کا جواب دیا جائے اور گورنمنٹ کی ایک سچی امداد یعنی آزادی سے فائدہ اٹھایا جائے اور ایسا شافی جواب دیا جائے کہ خود ان کو اس کی اشاعت کرتے ہوئے ندامت محسوس ہو۔دیکھو جیسے ہمارے مقدمہ ڈاکٹر کلارک میں ان کو جب معلوم ہو گیا کہ مقدمہ میں جان نہیں رہی اور مصنوعی جادو کا پتلا ٹوٹ گیا تو انہوں نے آتھم کی بیوی اور داماد جیسے گواہ بھی پیش نہ کیے۔پس میری رائے یہی ہے اور میرے دل کا فتویٰ یہی ہے کہ اس کا دندان شکن جواب نہایت نرمی اور ملاطفت سے دیا جائے۔پھر خدا چاہے گا تو ان کو خود ہی جرأت نہ ہو گی۔

(رسالہ الانذار بحوالہ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 158، 159)

کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

فرمایا:

ہم بلحاظ گورنمنٹ کے ہندوستان کو دارالحرب نہیں کہتے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔اگرچہ اس

مسئلہ میں علماء مخالفین نے ہم سے سخت اختلاف کیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ ہم کو تکلیف دہی کا انھوں نے باقی نہیں رکھا،مگر ہم ان عارضی تکالیف اورآنی ضرررسانیوں کے خوف سے حق کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حکومت کے لحاظ سے ہندوستان ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں ہے۔ ہمارا مقدمہ ہی دیکھ لو۔اگر یہی مقدمہ سکھوں کے عہد حکومت میں ہوتا اور دوسری طرف ان کا کوئی گرو یا برہمن ہوتا،تو بدوں کسی قسم کی تحقیق وتفتیش کے ہم کو پھانسی دے دینا کوئی بڑی بات نہ تھی ،مگر انگریزوں کی سلطنت اور عہد حکومت ہی کی یہ خوبی ہے کہ مقابل میں ایک ڈاکٹر اور پھر مشہور پادری ،لیکن تحقیقات اور عدالت کی کاروائی میں کوئی سختی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔کیپٹن ڈگلس نے اس بات کی ذرا بھی پروانہیں کی کہ پادری صاحب کی ذاتی وجاہت یاان کے اپنے عہدہ اور درجہ کا لحاظ کیا جاوے چنانچہ انہوں نے لیمار چنڈ صاحب سے جو پولیس گورداسپور کے اعلیٰ افسر ہیں ، یہی کہا کہ ہمارا دل تسلّی نہیں پکڑتا۔ پھر عبدالحمید سے دریافت کیا جاوے۔آخر کار انصاف کی رو سے ہم کواس نے بری ٹھرایا۔ پھر یہ لوگ ہم کوارکان مذہب کی بجاآوری سے نہیں روکتے بلکہ بہت سے برکات اپنے ساتھ لے کرآئے جس کی وجہ سے ہم کواپنے مذہب کی اشاعت کا خاطر خواہ موقع ملا اوراس قسم کا امن اورآرام نصیب ہوا کہ پہلی حکومتوں میں ان کی نظیر نہیں ملتی ۔پھر یہ صریح ظلم اوراسلامی تعلیم اوراخلاق سے بعید ہے کہ ہم ان کے شکر گذار نہ ہوں ۔ یادرکھو! انسان جواپنے جیسے انسان کی نیکیوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ خداتعالی کا بھی شکر گذار نہیں ہوسکتا حالانکہ وہ اُسے دیکھتا ہے تو غیب الغیب ہستی کے انعامات کا شکر گذار کیونکر ہوگا جس کو وہ دیکھتا بھی نہیں ، اس لیے محض حکومت کے لحاظ سے ہم اس کو دارالحرب نہیں کہتے۔

ہاں! ہمارے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے بلحاظ قلم کے۔ پادری لوگوں نے اسلام کے خلاف ایک خطرناک جنگ شروع کی ہوئی ہے۔اس میدان جنگ میں وہ نیزہ ہائے قلم لے کر

نکلے ہیں نہ سنان وتفنگ لے کر۔اس لیے اس میدان میں ہم کو جو ہتھیار لے کر نکلنا چاہیے، وہ قلم اورصرف قلم ہے۔ ہمارے نزدیک ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ میں شریک ہو جاوے۔اللہ اوراس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دل آزار حملے کیے جاتے ہیں کہ ہمارا تو جگر پھٹ جاتا اور دل کانپ اٹھتا ہے۔کیا امہات المومنین یا دربار مصطفائی کے اسرار جیسی گندی کتاب دیکھ کر ہم آرام کر سکتے ہیں،جس کا نام ہی اس طرز پر رکھا گیا ہے جیسے ناپاک ناولوں کے نام ہوتے ہیں۔تعجّب کی بات ہے کہ دربار لندن کے اسرار جیسی کتابیں تو گورنمنٹ کے اپنے علم میں بھی اس قابل ہوں کہ ان کی اشاعت بند کی جائے مگر آٹھ کروڑ مسلمانوں کی دلآزاری کرنے والی کتاب کو نہ روکا جائے۔ہم خود گورنمنٹ سے اس قسم کی درخوست کرنا ہرگز ہرگز نہیں چاہتے بلکہ اس کو بہت ہی نامناسب خیال کرتے ہیں۔جیسا کہ ہم نے اپنے میموریل کے ذریعہ سے واضح کر دیا تھا لیکن یہ بات ہم نے محض اس بنا پر کہی ہے کہ بجائے خود گورنمنٹ کا اپنا فرض ہے کہ وہ ایسی تحریروں کا خیال رکھے۔بہر حال گورنمنٹ نے عام آزادی دے رکھی ہے کہ اگر عیسائی ایک کتاب اسلام پر اعتراض کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں تو مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اس کا جواب لکھنے اور عیسائی مذہب کی تردید میں کتابیں لکھنے کا اختیار ہے......

ہماری جماعت یادر کھے کہ ہم ہندوستان کو بلحاظ حکومت ہرگز ہرگز دارالحرب قرار نہیں دیتے بلکہ اس امن اور برکات کی وجہ سے جو اس حکومت میں ہم کو ملی ہیں اور اس آزادی کو جو اپنے مذہب کے ارکان کی بجا آوری اور اس کی اشاعت کے لیے گورنمنٹ نے ہم کو دے رکھی ہے۔ ہمارا دل عطر کے شیشہ کی طرح وفاداری اور شکر گذاری کے جوش سے بھرا ہوا ہے لیکن پادریوں کی وجہ سے ہم اس کو دارالحرب قرار دیتے ہیں۔ پادریوں نے چھ کروڑ کے قریب کتابیں اسلام کے خلاف شائع کی ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں جو ان حملوں کو دیکھیں اور سنیں اور اپنے ہی ہم وغم میں مبتلا رہیں۔اس وقت جو کچھ کسی سے ممکن ہو، وہ اسلام کی تائید

کے لیے کرے اور اس قلمی جنگ میں اپنی وفاداری دکھائے، جبکہ خود عادل گورنمنٹ نے ہم کو منع نہیں کیا ہے کہ ہم اپنے مذہب کی تائید اور غیر قوموں کے اعتراضوں کی تردید میں کتابیں شائع کریں بلکہ پریس، ڈاک خانے اور اشاعت کے دوسرے ذریعوں سے مدددی ہے تو ایسے وقت میں خاموش رہنا سخت گناہ ہے۔ ہاں ضرورت ہے اس امر کی کہ جو بات پیش کی جاوے وہ معقول ہو، اس کی غرض دل آزاری نہ ہو۔ جو اسلام کے لیے سینہ بریاں اور چشم گریاں نہیں رکھتا وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ ایسے انسان کا ذمّہ دار نہیں ہوتا۔ اس کو سوچنا چاہیے کہ جس قدر خیالات اپنی کامیابی کے آتے ہیں اور جتنی تدابیر اپنی دنیاوی اغراض کے لیے کرتا ہے۔ اسی سوزش اور جلن اور درد دل کے ساتھ کبھی یہ خیال بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی پاک ذات پر حملے ہو رہے ہیں، میں ان کے دفاع کی بھی سعی کروں؟ اور اگر کچھ اور نہیں ہوسکتا تو کم از کم پُرسوز دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کروں؟ اگر اس قسم کی جلن اور درد دل میں ہو تو ممکن نہیں کہ سچّی محبت کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ اگر ٹوٹی ہانڈی بھی خریدی جائے، تو اس پر بھی رنج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک سوئی کے گم ہو جانے پر بھی افسوس ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسا ایمان اور اسلام ہے کہ اس خوفناک زمانہ میں کہ اسلام پر حملوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ امن اور آرام کے ساتھ خواب راحت میں سو رہے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہفتہ وار اور ماہواری اخباروں اور رسالوں کے علاوہ ہر روز وہ کس قدر دوورقہ اشتہار اور چھوٹے چھوٹے رسالے تقسیم کرتے ہیں جن کی تعداد پچاس پچاس ہزار اور بعض وقت لاکھوں تک ہوتی ہے؟ اور کئی کئی مرتبہ ان کو شائع کرنے میں کروڑہا روپیہ پانی کی طرح بہادیا جاتا ہے۔

(الحکم 31 مئی 1901ء صفحہ 2 تا 4)

ہر قسم کی بغاوت سے بچو

''اپنی جماعت کے لئے ضروری نصیحت'' کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

مندرجہ ذیل اعلان شائع کروایا۔ فرمایا:

چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل ایسی ایسی حرکات ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان کی طبائع میں پیدا ہو جائیگا اس لیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب، ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ کئی لاکھ تک اُن کا شمار پہنچ گیا ہے۔ نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ محسن گورنمنٹ ہے۔ اس کے ظل حمایت میں ہمارا یہ فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اُس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چُن لیا کہ تا یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے۔ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں ہی اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔ تم سُن چکے ہو کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے جب وہ میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اس قصور کی وجہ سے کہ وہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بے رحمی سے ان کو سنگسار کرا دیا۔ پس کیا تمہیں ایسے لوگوں سے کچھ توقع ہے کہ تمہیں ایسے سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئے گی۔ بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کے رو سے واجب

القتل ٹھہر چکے ہو۔ سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایہ پناہ کے نیچے لے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے جو عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو پناہ دی تھی میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے نصیحت کروں۔

سو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابل پر کوئی باغیانہ خیال رکھے اور میرے نزدیک یہ سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجہ سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** (الرحمن : 61) یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں یہی آیا ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے آئے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدائے تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کے لیے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دے گی یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں۔ تم ان کے علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم اُن کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کتا بھی رحم کے لائق ہے مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم

واجب القتل ہو اور تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کر کے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمہاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کا کام ہے۔

سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کئے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سِپَر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سِپَر کی قدر کرو اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے۔ کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میرے پر اقدام قتل کا مقدمہ کیا تھا۔ اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہے اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلانے کے لیے نالش کرو۔ سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔

اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جس دین کی تعلیم عمدہ ہے جس دین کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے خدا نے معجزات دکھلائے ہیں اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملے کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں۔ سو جنہوں نے تلواریں اُٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کئے گئے۔ سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھی۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی

آئے گا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کرے گا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جن سے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل خراب اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے ہیں وہ خطرناک انسان ہیں اور ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کے لیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ ضرور ہوں گے سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسے عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ جس میں انسانی ہمدردی نہیں۔ خدا نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جاوے۔

(بدر 9 مئی 1907ء صفحہ 6)

طلباء کو ہڑتال ختم کرنے کی نصیحت

ایڈیٹر صاحب بدر تحریر کرتے ہیں: میڈیکل سکول کے جن طلباء نے اپنے اُستادوں سے ناراض ہو کر اتفاق کر کے مدرسہ جانا بند کر دیا ہے۔ ان میں سے دو طالب علم (عبدالحکیم صاحب اور ایک اور) قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں 21 رمئی کو حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ گزشتہ اور پرنسپل کا 31 رمئی تک داخل ہو جانے کی اجازت دے دینے کا ذکر کیا۔ آپؑ نے فرمایا:

آج کل اس قسم کی کارروائیاں گورنمنٹ کے ساتھ بغاوت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان سے بچنا چاہئے۔ میرے نزدیک اب اس معاملہ کو ترقی نہیں دینا چاہیے اور پرنسپل صاحب کی اجازت سے فائدہ حاصل کر کے داخل ہو جانا چاہیے۔ جن اُستادوں کے ساتھ تم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کو اندر ہی اندر ضرور تنبیہ کی گئی ہو گی اور امید نہیں کہ وہ آئندہ تمہارے ساتھ برا سلوک کریں۔ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو بغیر باز پرس نہیں چھوڑتی گو عام اظہار ایسی بات کا نہ کیا جاوے۔

علاوہ اس کے تمہیں چاہیے کہ اگر انہوں نے بداخلاقی کی ہے تو تم ان سے اخلاق سیکھو

اور اگر تمہیں کبھی ایسی افسری کا موقعہ ملے تو تم اخلاق کا برتاؤ اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کے ساتھ کرو اور جو قسمیں تم نے ضِد پر کھائی ہیں وہ ناجائز ہیں۔ ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے۔ خدا نے اسلامی شریعت میں یہی حکم دیا ہے کہ ناجائز قسموں اور ناجائز اقراروں کو توڑ دیا جاوے۔ وقت کو ضائع کرنا اچھا نہیں اپنے آپ کو پریشانی میں مت ڈالو اور اپنے مدرسہ میں داخل ہو جاؤ۔ (بدر 24 مئی 1906ء صفحہ 2)

ہڑتال میں شمولیت پر سخت تنبیہ

اخبار بدر نے اپنی 14 / مارچ 1907ء کی اشاعت میں اس عنوان سے لکھا:

''علی گڑھ کالج میں فساد۔ عزیز احمد خارج از بیعت''

علی گڑھ کالج کے طالب علم مولوی غلام محمد صاحب نے وہاں کے طلباء کی سٹرائیک اور اپنے استادوں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جماعت (فرقہ احمدیہ) کا کوئی لڑکا اس سٹرائیک میں شامل نہیں ہوا۔ میاں محمد دین۔ عبدالغفار خاں وغیرہ سب علیحدہ رہے لیکن عزیز احمد (مراد صاحبزادہ مرزا عزیز احمد ابن حضرت مرزا سلطان احمد۔ ناقل) ان طلباء کے ساتھ شریک رہا اور باوجود ہمارے سمجھانے کے باز نہ آیا اور چونکہ بعض اخباروں میں اس قسم کے مضمون نکلے تھے کہ مسیح موعود کا پوتا علی گڑھ کالج میں ہے اس وجہ سے عام طور پر عزیز احمد کا رشتہ حضور کے ساتھ سب کو معلوم ہونے کے سبب وہاں کے اراکین نے اس امر پر تعجب ظاہر کیا کہ عزیز احمد اس مفسدہ میں ایسا حصہ لیتا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

عزیز احمد نے اپنے استادوں اور افسروں کی مخالفت میں مفسد طلباء کے ساتھ شمولیت کا جو طریق اختیار کیا ہے یہ ہماری تعلیم اور ہمارے مشورہ کے بالکل مخالف ہے لہٰذا وہ اس دن سے جس دن سے وہ اس بغاوت میں شریک ہے ہماری جماعت سے علیحدہ اور ہماری بیعت

سے خارج کیا جاتا ہے ہم ان لڑکوں پر خوش ہیں جنہوں نے اس موقعہ پر ہماری تعلیم پر عمل کیا۔ بہت سے لوگ بیعت میں آ کر داخل ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ شرائط بیعت پر عمل نہیں کرتے تو خود بخود اس سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہی حال عزیز احمد کا تھا۔ اس میں خصوصیت نہ تھی اور یہ امر کہ ہمارا وہ پوتا ہے اس وجہ سے وہ ہمارا رشتہ دار ہے سو واضح ہو کہ ہم ایسے رشتوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارے رشتے سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں۔ عزیز احمد کا باپ خود ہم سے برگشتہ ہے............تو پھر عزیز احمد کا پوتا ہونا کیسا؟ عزیز احمد کو چاہیے تھا کہ اس معاملہ میں اول ہم سے مشورہ کرتا یا اس مثال کو دیکھتا جو پہلے میڈیکل کالج لاہور میں قائم ہو چکی تھی کہ جب طلباء نے لاہور میں اپنے پروفیسروں کی مخالفت میں سٹرائیک کیا تھا تو جو لڑکے اس جماعت میں داخل تھے ان کو میں نے حکم دیا تھا کہ وہ اس مخالفت میں شامل نہ ہوں اور اپنے استادوں سے معافی مانگ کر فوراً کالج میں داخل ہو جاویں۔ چنانچہ انہوں نے میرے حکم کی فرمانبرداری کی اور اپنے کالج میں داخل ہو کر ایک ایسی نیک مثال قائم کی کہ دوسرے طلباء بھی فوراً داخل ہو گئے۔ عزیز احمد کو اس واقعہ کی خبر ہو گئی کیونکہ اخبار میں چھپ چکا تھا۔ اور اگر خبر نہ ہوتی تو اس کے واسطے ضروری تھا کہ اول مجھ سے مشورہ کرتا یا اپنے ساتھیوں کے مشورہ پر چلتا۔ اس کا علی گڑھ میں جانا بھی اس کے باپ کے مشورہ اور حکم سے تھا نہ کہ ہمارا اس میں کوئی حکم تھا۔ ایسا ہی مخالفت استادان میں شمولیت ہمارے کسی تعلق کی وجہ سے نہیں اور اسی وجہ سے اس کو خارج از بیعت کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنے فعل سے توبہ کر کے اپنے استادوں سے معافی نہ مانگے۔ ہاں دوسرے طلباء مولوی غلام محمد صاحب وغیرہ نے علی گڑھ جانے سے پہلے ہم سے مشورہ لیا تھا اور ہم نے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہاں کے لڑکوں کی صحبت سے بچتے رہیں اور کسی بدی میں شامل نہ ہوں تو ہرج نہیں کہ وہاں جائیں۔ انسان ضرورتاً پاخانہ میں بھی جاتا ہے مگر اپنے آپ کو نجاست سے بچائے رکھتا ہے۔

عاجز (یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر۔ناقل) کو مخاطب کر کے حضور نے فرمایا: ''ان باتوں کو عام اطلاع کے واسطے اخبار میں شائع کر دیں۔''

(بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

نوٹ: اس واقعہ کے بعد صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھ کر اپنی کوتاہی کی معافی مانگی جس پر آپؑ نے انہیں معاف فرما دیا۔

حکام اور سب مذاہب والوں کے ساتھ نیکی کرو

چوہدری عبداللہ خاں صاحب نمبردار بہلول پور نے سوال کیا کہ حکام اور برادری سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ فرمایا:

ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی سچی اطاعت کرنی چاہیے کیونکہ وہ حفاظت کرتے ہیں۔ جان اور مال اُن کے ذریعہ امن میں ہے اور برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ برادری کے بھی حقوق ہیں البتہ جو متقی نہیں اور بدعات وشرک میں گرفتار ہیں اور ہمارے مخالف ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے تاہم اُن سے نیک سلوک کرنا ضرور چاہیے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ جو دنیا میں کسی سے نیکی نہیں کر سکتا، وہ آخرت میں کیا اجر لے گا۔ اس لیے سب کے لیے نیک اندیش ہونا چاہیے۔ ہاں مذہبی امور میں اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ جس طرح پر طبیب ہر مریض کی خواہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی ہو غرض سب کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ اسی طرح پر نیکی کرنے میں عام اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار کو قتل کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے بہ سبب بلا وجہ قتل کرنے مسلمانوں کے مجرم ہو چکے تھے۔ اُن کو جو سزا ملی مجرم ہونے کی حیثیت سے تھی۔ محض انکار اگر سادگی سے ہو

اور اس کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی نہ ہو، تو وہ اس دنیا میں عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔

(الحکم 17راگست 1902ء صفحہ 9)

رشوت کی تعریف

حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک سوال اکثر آدمی دریافت کرتے ہیں کہ اُن کو بعض وقت ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جب تک وہ کسی اہلکار وغیرہ کو کچھ نہ دیں، اُن کا کام نہیں ہوتا۔ فرمایا:

میرے نزدیک رشوت کی یہ تعریف ہے کہ کسی کے حقوق کو زائل کرنے کے واسطے یا ناجائز طور پر گورنمنٹ کے حقوق کو دبانے یا لینے کے لیے کوئی مابہ الاحتظاظ کسی کو دیا جائے لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کسی دوسرے کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کسی دوسرے کا کوئی حق ہو صرف اس لحاظ سے کہ اپنے حقوق کی حفاظت میں کچھ دے دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں اور یہ رشوت نہیں، بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم راستہ پر چلے جاویں اور سامنے کوئی کتا آجاوے تو اس کو ایک ٹکڑا روٹی کا ڈال کر اپنے طور پر جاویں اور اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

(الحکم 17راگست 1902ء صفحہ 8)

گورنمنٹ کے حقوق تلف نہ ہوں

رشوت ہرگز نہیں دینی چاہیے۔ یہ سخت گناہ ہے مگر میں رشوت کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کیے جاویں۔ میں اس سے سخت منع کرتا ہوں لیکن ایسے طور پر بطور نذرانہ یا ڈالی اگر کسی کو دی جاوے جس سے کسی کے حقوق کا اتلاف مدنظر نہ ہو بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو تو یہ میرے نزدیک منع نہیں ہے اور میں اس کا نام رشوت نہیں رکھتا۔ کسی کے ظلم سے بچنے کو شریعت منع نہیں کرتی بلکہ لَا تُلْقُوْا

بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ (البقرہ:196) فرمایا ہے۔

(الحکم 17/اگست 1902ء صفحہ 9)

قومی اور حکومتی زبان سیکھو

فرمایا:

یاد رکھو کہ چونکہ استحکامِ گورنمنٹ نے ایک قومی گورنمنٹ کی صورت اختیار کر لی ہے اس لئے قومی گورنمنٹ کی زبان بھی ایک قومیت کا رنگ رکھتی ہے۔ پس ضروری ہوا کہ اپنے مطالب و اغراض کو حکام کے پورے طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے انگریزی پڑھو تا کہ تم گورنمنٹ کو فائدہ اور مدد پہنچا سکو۔

(الحکم 12 مئی 1899ء صفحہ 4)

پٹواریوں کے لئے زمینداروں کے نذرانے

ایک شخص نے جو اپنی جماعت میں داخل ہیں اور پٹواری ہیں بذریعہ خط حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ پٹواریوں کے واسطے کچھ رقوم گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں لیکن عام رسم ایسی پڑ گئی ہے کہ پٹواری بعض باتوں میں اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ بھی لیتے ہیں اور زمیندار بخوشی خاطر خود ہی بغیر مانگے کے دیے جاتے ہیں آیا اس کا لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ فرمایا:

اگر ایسے لینے کی خبر باضابطہ حکام تک بالفرض پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اٹھنے کا خوف ہوسکتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔

(بدر 24 مئی 1908ء صفحہ 8)

شہر کے والی اور حاکم کے لئے دعائیہ نوافل

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میر عنایت علی صاحب نے

مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مالیر کوٹلہ بھی تشریف لے گئے تھے۔قریب آٹھ دس آدمی حضور کے ہمراہ تھے۔اس وقت تک ابھی مالیر کوٹلہ کی ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ میں بھی حضور کے ہمرکاب تھا۔حضرت صاحب نے یہ سفر اس لئے اختیار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ یعنی والدہ نواب ابراہیم علی خان صاحب نے اپنے اہل کاروں کو لدھیانہ بھیج کر حضرت صاحب کو بلایا تھا کہ حضور مالیر کوٹلہ تشریف لا کر میرے لڑکے کو دیکھیں اور دعا فرمائیں کیونکہ نواب ابراہیم علی خان صاحب کو عرصہ سے خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا۔ حضرت صاحب لدھیانہ سے دن کے دس گیارہ بجے قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر تین بجے کے قریب مالیر کوٹلہ پہنچے اور ریاست کے مہمان ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ حضرت صاحب کے لئے سواریاں لے جائیں تا کہ آپ باغ میں جا کر نواب صاحب کو دیکھیں مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمیں سواری کی ضرورت نہیں۔ ہم پیدل ہی چلیں گے چنانچہ آپ پیدل ہی گئے۔ اس وقت ایک بڑا ہجوم لوگوں کا آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو مع اپنے ساتھیوں کے ٹھہر گئے۔ نواب صاحب کوٹھی سے باہر آئے اور پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن پھر آگے بڑھ کر آئے اور حضرت سے سلام علیکم کیا اور کہا کہ کیا براہین کا چوتھا حصہ چھپ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں چھپا مگر انشاء اللہ عنقریب چھپ جائے گا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے کہا کہ آیئے اندر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت صاحب اور نواب صاحب کوٹھی کے اندر چلے گئے اور قریباً آدھا گھنٹہ اندر رہے۔ چونکہ کوئی آدمی ساتھ نہ تھا اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ اندر کیا کیا باتیں ہوئیں۔اس کے بعد حضرت صاحب مع سب لوگوں کے پیدل ہی جامع مسجد کی طرف چلے آئے اور نواب صاحب بھی سیر کے لئے باہر چلے گئے۔ مسجد میں پہنچ کر

حضرت صاحب نے فرمایا کہ سب لوگ پہلے وضو کریں اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر نواب صاحب کی صحت کے واسطے دعا کریں کیونکہ یہ تمہارے شہر کے والی ہیں اور ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ غرض حضرت اقدس نے مع سب لوگوں کے دعا کی اور پھر اس کے بعد فورًا ہی لدھیانہ واپس تشریف لے آئے اور باوجود اصرار کے مالیر کوٹلہ میں اور نہ ٹھہرے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 311 , 312)

گورنمنٹ کے قوانین کی اطاعت کرو

طاعون کے پھیلنے کے دنوں میں حکومتی ہدایات پر عمل کرنے کے ضمن میں فرمایا:

اگر کسی ایسی جگہ طاعون پھیلے جہاں تم میں سے کوئی ہو تو میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے قوانین کی سب سے پہلے اطاعت کرنے والے تم ہو۔ اکثر مقامات میں سنا گیا ہے کہ پولیس والوں سے مقابلہ ہوا۔ میرے نزدیک گورنمنٹ کے قوانین کے خلاف کرنا بغاوت ہے جو خطرناک جرم ہے۔ (الحکم 24 جولائی 1901ء صفحہ 1)

حکومت کی مخالفت میں ہڑتال کی ممانعت

ذکر تھا کہ سیالکوٹ کے تجار نے بہ سبب محصول چنگی میں زیادتی کے دوکانیں بند کر دی تھیں اور چند روز کا نقصان اُٹھا کر پھر خود بخود کھول دیں۔ فرمایا:

اس طرح کا طریق گورنمنٹ کی مخالفت میں برتنا ان کی بے وقوفی تھی۔ جس سے اُن کو خود ہی باز آنا پڑا۔ محصول تو دراصل پبلک پر پڑتا ہے۔ آسمانی اسباب کے سبب سے بھی جب کبھی قحط پڑ جاتا ہے تو تاجر لوگ نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ اس وقت کیوں دکانیں بند نہیں کر دیتے؟

(بدر 27 دسمبر 1906ء صفحہ 3)

حلّت وحرمت

پاک چیزیں حلال ہیں

فرمایا:

جو چیز بُری ہے وہ حرام ہے اور جو چیز پاک ہے وہ حلال۔ خدا تعالیٰ کسی پاک چیز کو حرام قرار نہیں دیتا بلکہ تمام پاک چیزوں کو حلال فرماتا ہے۔ ہاں جب پاک چیزوں ہی میں بُری اور گندی چیزیں ملائی جاتی ہیں تو وہ حرام ہو جاتی ہیں۔ اب شادی کو دَف کے ساتھ شہرت کرنا جائز رکھا گیا ہے لیکن اس میں جب ناچ وغیرہ شامل ہو گیا تو وہ منع ہو گیا۔ اگر اسی طرح پر کیا جائے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کوئی حرام نہیں۔

(بدر 31/اکتوبر 1907ء صفحہ 8)

دریائی جانوروں کی حلت کا اصول

سوال پیش ہوا کہ دریائی جانور حلال ہیں یا نہیں؟ فرمایا:

''دریائی جانور بے شمار ہیں۔ ان کے واسطے ایک ہی قاعدہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرما دیا ہے کہ جو ان میں سے کھانے میں طیّب پاکیزہ اور مفید ہوں ان کو کھالو اور دوسروں کو مت کھاؤ۔''

(بدر 5 ستمبر 1907ء صفحہ 3)

اصل میں اشیاء حلال ہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ان مسائل میں جن میں حلّت وحرمت کا سوال درپیش ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت نے اصل اشیاء کی

حلّت رکھی ہے۔ سوائے اس کے جہاں حرمت کی کوئی وجہ ہو یا ظاہری حکم حرمت کا موجود ہو۔ باقی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پر منحصر ہے۔ نیت درست ہو تو عمل مقبول ہو جاتا ہے درست نہ ہو تو ناجائز ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کا یہ عام طریق تھا کہ سوائے ایسے مسائل کے جن میں شریعت نے کوئی تصریح کی ہو، اکثر صورتوں میں آپ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات پر بنیاد رکھتے تھے اور مسائل کے جواب میں یہی فقرہ دہرا دیتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 511)

خرگوش حلال ہے

کسی نے خرگوش کے حلال ہونے پر حضرت اقدس سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اصل اشیاء میں حلت ہے حرمت جب تک نص قطعی سے ثابت نہ ہو تب تک نہیں ہوتی۔ ''

(البدر 14 رنومبر 1902ء صفحہ 19)

شراب اور جوئے کی حُرمت

قرآن شریف نے شراب کو جو اُم الخبائث ہے قطعاً حرام کر دیا ہے اور یہ فخر خاص قرآن شریف کو ہی حاصل ہے کہ ایسی خبیث چیز جس کی خباثت پر آج کل تمام یورپ کے لوگ فریاد کر اُٹھے ہیں وہ قرآن شریف نے ہی قطعاً حرام کر دی اور ایسا ہی قمار بازی کو قطعاً حرام کیا۔ (چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 267)

دوسری قوموں سے سود لینا بھی حرام ہے

مذہب اسلام میں جیسا کہ اپنی قوم سے سود لینا حرام ہے ایسا ہی دوسری قوموں سے بھی سود لینا حرام ہے بلکہ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نہ صرف سود حرام ہے بلکہ اگر تمہارا قرض دار مفلس ہو تو اس کو قرض بخش دو یا کم سے کم یہ کہ اس وقت تک انتظار کرو کہ وہ قرض ادا کرنے کے لائق ہو جائے اور جیسا کہ قرآن شریف میں اپنی قوم کے لئے گناہ معاف کرنے کا حکم ہے ایسا ہی

دوسری قوموں کے لئے بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(النور:23) یعنی لوگوں کے گناہ بخشو اور اُن کی زیادتیوں اور قصوروں کو معاف کرو۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بھی تمہیں معاف کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو غفور رحیم ہے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 387)

شراب کی حُرمت

ان دونوں کتابوں (تورات اور انجیل۔ناقل) کے پیروؤں میں شراب اور قمار بازی کی کوئی حد نہیں رہی تھی کیونکہ ان کتابوں میں یہ نقص تھا کہ ان خبیث چیزوں کو حرام نہیں ٹھہرایا اور عیاش لوگوں کو اُن کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا اسی وجہ سے یہ دونوں قومیں اس قدر شراب پیتی تھیں کہ جیسے پانی اور قمار بازی بھی حد سے زیادہ ہوگئی تھی مگر قرآن شریف نے شراب کو جو اُم الخبائث ہے قطعاً حرام کر دیا اور یہ فخر خاص قرآن شریف کو ہی حاصل ہے کہ ایسی خبیث چیز جس کی خباثت پر آج کل تمام یورپ کے لوگ فریاد کر اٹھے ہیں وہ قرآن شریف نے ہی قطعاً حرام کر دی ایسا ہی قمار بازی کو قطعاً حرام کیا۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 267)

شراب کے مضر اثرات

شراب کا ذکر شروع ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ اب تو حضور شراب کے بسکٹ بھی ایجاد ہوئے ہیں فرمایا:

شراب تو انسانی شرم، حیا، عفت، عصمت کی جانی دشمن ہے۔ انسانی شرافت کو ایسا کھودیتی ہے کہ جیسے کتے، بلے، گدھے ہوتے ہیں۔ اس کو پی کر بالکل انہی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر بسکٹ کی بلا دنیا میں پھیلی تو ہزاروں ناکردہ گناہ بھی ان میں شامل ہو جایا کریں گے۔ پہلے تو بعض کو شرم و حیا ہی روک دیتی تھی۔ اب بسکٹ لیے اور جیب میں ڈال لیے۔ بات یہ ہے کہ

دجال نے اپنی کوششوں میں تو کمی نہیں رکھی کہ دنیا کو فسق و فجور سے بھر دے مگر آگے خدا کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرے۔اسلام کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اسلام پر کوئی اعتراض کیا۔اس سے شراب کی بدبو آئی۔اس کو حد مارنے کا حکم دیا گیا کہ شراب پی کر اسلام پر اعتراض کیا۔مگر اب تو کچھ حد و حساب نہیں۔شراب پیتے ہیں۔زنا کرتے ہیں۔غرض کوئی بدی نہیں جو نہ کرتے ہوں مگر بایں ہمہ پھر اسلام پر اعتراض کرنے کو تیار ہیں۔

(الحکم 28 فروری 1903ء صفحہ 15)

حرمت خنزیر اور اس کی وجوہات

فرمایا:

خنزیر جو حرام کیا گیا ہے۔خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ ''خنز'' اور ''ار'' سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں اس کو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں۔خنز کے معنے بہت فاسد اور ار کے معنے دیکھتا ہوں۔پس اس جانور کا نام جو ابتداء سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سور کہتے ہیں۔یہ لفظ بھی سوء اور ار سے مرکب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کو بہت برا دیکھتا ہوں اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ سوء کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے۔کیونکہ ہم نے اپنی کتاب منن الرحمٰن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں کی ماں عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ ہزاروں ملے ہوئے ہیں۔سو سوء عربی لفظ ہے۔اسی لئے ہندی میں سوء کا ترجمہ بد ہے۔پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔اس میں کچھ بھی شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی۔اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے ہم معنی ہے پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ہاں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب یہی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے۔

جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنے جو اس لفظ کے ہیں۔یعنی بہت فاسد۔اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے۔پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا۔جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بھی مضر ہے۔اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا۔یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں۔ مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 338، 339)

تورات وانجیل میں سؤر کی حرمت

(پولوس نے۔ناقل) ایک اور گند اس مذہب میں ڈال دیا کہ اُن کے لئے سؤر کھانا حلال کر دیا۔حالانکہ حضرت مسیحؑ انجیل میں سؤر کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔تبھی تو انجیل میں ان کا قول ہے کہ اپنے موتی سؤروں کے آگے مت پھینکو۔پس جب کہ پاک تعلیم کا نام حضرت مسیحؑ نے موتی رکھا ہے تو اس مقابلہ سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ پلید کا نام انہوں نے سؤر رکھا ہے اصل بات یہ ہے کہ یونانی سؤر کو کھایا کرتے تھے جیسا کہ آج کل تمام یورپ کے لوگ

سؤر کھاتے ہیں۔ اس لئے پولوس نے یونانیوں کے تالیف قلوب کے لئے سؤر بھی اپنی جماعت کے لئے حلال کر دیا۔ حالانکہ توریت میں لکھا ہے کہ وہ ابدی حرام ہے اور اس کا چھونا بھی ناجائز ہے۔ (چشمۂ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 375)

حلت وحرمت میں زیادہ تفتیش نہ کرو

ایک بھائی نے عرض کی کہ حضور بکرا وغیرہ جانور جو غیر اللہ تھانوں اور قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں پھر وہ فروخت ہو کر ذبح ہوتے ہیں کیا ان کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

شریعت کی بناء نرمی پر ہے سختی پر نہیں اصل بات یہ ہے کہ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (البقرة:174) سے یہ مراد ہے کہ جو ان مندروں اور تھانوں پر ذبح کیا جاوے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاوے اس کا کھانا تو جائز نہیں ہے لیکن جو جانور بیع وشراء میں آجاتے ہیں اس کی حلّت ہی سمجھی جاتی ہے زیادہ تفتیش کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو حلوائی وغیرہ بعض اوقات ایسی حرکات کرتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی کراہت اور نفرت پیدا کرتا ہے لیکن ان کی بنی ہوئی چیزیں آخر کھاتے ہی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ شیرینیاں تیار کرتے ہیں اور میلی کچیلی دھوتی میں بھی ہاتھ مارتے جاتے ہیں اور جب کھانڈ تیار کرتے ہیں تو اس کو پاؤں سے مَلتے ہیں چوڑھے چمار گڑ وغیرہ بناتے ہیں اور بعض اوقات جوٹھے رس وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں ان سب کو استعمال کیا جاتا ہے اس طرح پر اگر تشدّد ہو تو سب حرام ہو جاویں اسلام نے مالا یطاق تکلیف نہیں رکھی ہے بلکہ شریعت کی بنا نرمی پر ہے۔

اس کے بعد سائل مذکور نے پھر اسی سوال کی اَور باریک جزئیات پر سوال شروع کئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ (المائدة :102) بھی فرمایا ہے۔ بہت کھودنا اچھا نہیں ہوتا۔ (الحکم 10 ر اگست 1903ء صفحہ 20)

رضاعت سے حرمت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اولؓ کے بڑے لڑکے میاں عبدالحي مرحوم کا نکاح بہت چھوٹی عمر میں حضرت صاحب نے پیر منظور محمد صاحب کی چھوٹی لڑکی (حامدہ بیگم) کے ساتھ کرادیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ اس پر علماء جماعت کی معرفت اس مسئلہ کی چھان بین ہوئی کہ رضاعت کس قدر دودھ پینا مراد ہے اور کیا موجودہ صورت میں رضاعت ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ آخر تحقیقات کر کے اور مسئلہ پر غور کر کے یہ فیصلہ ہوا کہ واقعی یہ ہر دو رضائی بہن بھائی ہیں اور نکاح فسخ ہو گیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے اس وقت حضرت صاحب اس طرف مائل تھے کہ اگر معمولی طور پر کسی وقت تھوڑا سا دودھ پی لیا ہے تو یہ ایسی رضاعت نہیں جو باعثِ حرمت ہو اور حضور کا میلان تھا کہ نکاح قائم رہ جائے مگر حضرت خلیفہ اولؓ کو فقہی احتیاط کی بناء پر انقباض تھا۔ اس لئے حضرت صاحب نے فسخ کی اجازت دے دی۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 562، 563)

اسی واقعہ کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیر منظور محمد صاحب کی لڑکی حامدہ خاتون کا نکاح حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کے لڑکے میاں عبدالحي صاحب مرحوم سے کر دیا۔ نکاح کے بعد میاں عبدالحي صاحب کی والدہ کو یاد آ گیا اور انہوں نے کہا کہ ''لڑکی نے میرا دودھ پیا ہوا ہے۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے جب یہ بات پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے ''خَمْسُ رَضْعَاتٍ'' کی شرط ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ بچے نے پانچ دفعہ دودھ پیا ہو، یہ نہیں کہ ایک ہی دفعہ میں اس نے پانچ گھونٹ دودھ پیا ہو بلکہ الگ الگ وقتوں میں پانچ

دفعہ دودھ پینا ضروری ہے مگر حضرت خلیفۂ اولؓ فقہاء کے قول کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ اگر ایک دفعہ بھی بچہ پانچ گھونٹ دودھ پی لیتا ہے تو اس پر اس مسئلہ کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ غرض ’’خَمْسُ رَضْعَاتٍ‘‘ کے ایک معنی وہ تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیتے تھے اور ایک معنی وہ تھے جو حضرت خلیفۂ اولؓ سمجھتے تھے اور چونکہ یہ شادی کا معاملہ تھا اور حضرت خلیفہ اولؓ فقہاء کی تشریح کو زیادہ قابل قبول سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ کو اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ آپ کو اسہال شروع ہو گئے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نکاح توڑ دیا جائے۔ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے اس میں ضروری نہیں کہ میری تشریح کو ہی درست سمجھا جائے۔

(الفضل 3 ستمبر 1960ء صفحہ 4)

رشوت کی تعریف

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ رشوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ رشوت یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا حق غصب کرنے کے لئے کسی کو کچھ دے۔ لیکن اگر کسی بد نیت افسر کو اپنے حقوق محفوظ کرانے کے لئے کچھ دے دے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کتے کو جو کاٹتا ہو۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا جائے۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 307)

زنا تضییع نسل کا موجب ہے

زنا ایک بہت بے حیائی کا کام ہے اور اس کا مرتکب شہواتِ نفس سے اندھا ہو کر ایسا ناپاک کام کرتا ہے جو انسانی نسل کے حلال سِلسلہ میں حرام کو ملا دیتا ہے اور تضییع نسل کا موجب ہوتا ہے۔ اِسی وجہ سے شریعت نے اس کو ایسا بھاری گناہ قرار دیا ہے کہ اِسی دنیا میں ایسے انسان کے لئے حد شرعی مقرر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ مومن کی تکمیل کے لئے صرف

یہی کافی نہیں کہ وہ زنا سے پرہیز کرے کیونکہ زنا نہایت درجہ مفسد طبع اور بے حیا انسانوں کا کام ہے اور یہ ایک ایسا موٹا گناہ ہے جو جاہل سے جاہل اس کو بُرا سمجھتا ہے اور اس پر بجز کسی بے ایمان کے کوئی بھی دلیری نہیں کرسکتا۔ پس اِس کا ترک کرنا ایک معمولی شرافت ہے کوئی بڑے کمال کی بات نہیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 209)

تکبیر پڑھ کر پرندہ شکار کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ غلیل سے جو پرندے مارے جاتے ہیں ان کی بابت حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تکبیر پڑھ کر مار لیا کرو اور فرماتے تھے کہ غلیل اور بندوق کا حکم بھی تیر کی طرح ہے۔ یعنی اگر جانور ذبح سے پہلے ہی مر جائے تو وہ حلال ہے۔ یہ ذکر اس بات پر چلا تھا کہ بھائی عبدالرحیم صاحب اکثر پرندے غلیل سے مار کر لایا کرتے تھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ کئی پرندے وہیں ذبح سے پہلے مر جاتے ہیں۔ تو بھائی جی ان کو حرام سمجھ کر چھوڑ آتے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ تکبیر پڑھ کر مار لیا کریں۔ پھر اگر ذبح سے پہلے مر بھی جائیں تو جائز ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی جانور ذبح کرنے سے پہلے مر جاوے یعنی اس کے ذبح کرنے کا موقع نہ ملے تو تکبیر پڑھنے کی صورت میں وہ جائز ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ذبح کا موقعہ ہو مگر پھر بھی ذبح نہ کیا جائے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 599،600)

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

’’تکبیر پڑھ کر بندوق مارے، شکار مر جاوے تو حلال ہے۔‘‘ (الحکم 10 فروری 1907ء صفحہ 4)

جانور کو ذبح کرنا ضروری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

ایسا جانور جو گردن پر تلوار مار کر مارا گیا ہو یا جو دم گھونٹ کر مارا گیا ہو کھانا جائز نہیں۔ قرآن کریم منع کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جب ولایت جانے والوں نے پوچھا تو آپ نے منع فرمایا۔ پس اسے استعمال نہ کریں۔ ہاں اگر یہودی یا عیسائی گلے کی طرف سے ذبح کریں وہ بہر حال جائز ہے خواہ تکبیر سے کریں یا نہ کریں۔ آپ بسم اللہ کہہ کر اسے کھالیں۔
(الفضل 14 ستمبر 1915ء صفحہ 4)

نجاست خور گائے کا گوشت حرام ہے

فرمایا:

ایک نجاست خور گائے ہوتی ہے جس کو جلالہ کہتے ہیں۔ اس کا گوشت حرام لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے جانور مثل بھیڑ، مرغی کی پرورش میں حفاظت کرنی چاہئے اور ان کو نجاست خوری سے بچانا چاہئے۔ (بدر 29 ستمبر 1905ء صفحہ 3)

علاج کے طور پر ممنوع چیزوں کا استعمال

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سل دق کے مریض کے لئے ایک گولی بنائی تھی۔ اس میں کونین اور کافور کے علاوہ افیون، بھنگ اور دھتورہ وغیرہ زہریلی ادویہ بھی داخل کی تھیں اور فرمایا کرتے تھے کہ دوا کے طور پر علاج کے لئے اور جان بچانے کے لئے ممنوع چیز بھی جائز ہو جاتی ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ شراب کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی فتویٰ تھا کہ ڈاکٹر یا طبیب اگر دوائی کے طور پر دے تو جائز ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ نے اپنے پڑدادا مرزا گل محمد صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں ان کی مرض الموت میں کسی طبیب نے شراب بتائی مگر انہوں نے انکار کیا اور حضرت صاحب نے اس موقعہ پر ان کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے موت کو شراب پر ترجیح دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فتویٰ اور ہے اور تقویٰ اور۔
(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 615)

نشہ آور چیزیں مضر ایمان ہیں

فرمایا:

حدیث میں آیا ہے وَمِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ تَرْكُ مَالَا یَعْنِیْهِ یعنی اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ جو چیز ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جاوے۔ اسی طرح پر یہ پان، حقہ، زردہ (تمباکو) افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرے کیونکہ اگر کوئی اور بھی نقصان اُن کا بفرض محال نہ ہو، تو بھی اس سے ابتلا آ جاتے ہیں اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے مثلاً قید ہو جاوے تو روٹی تو ملے گی لیکن بھنگ چرس یا اور منشی اشیاء نہیں دی جاوے گی یا اگر قید نہ ہو کسی ایسی جگہ میں ہو جو قید کے قائم مقام ہو تو پھر بھی مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ عمدہ صحت کو کسی بے ہودہ سہارے سے کبھی ضائع کرنا نہیں چاہیے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضر صحت چیزوں کو مُضر ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔

یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ افیون کا نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ طبی طور پر یہ شراب سے بھی بڑھ کر ہے اور جس قدر قویٰ لے کر انسان آیا ہے اُن کو ضائع کر دیتی ہے۔

(الحکم 10 جولائی 1902ء صفحہ 3)

تمام نشہ آور اشیاء کے استعمال کی ممانعت

فرمایا:

ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہیں بلکہ افیون، گانجا، چرس، بھنگ، تاڑی اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کے لئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے سو تم اس سے بچو۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 70،71)

نشہ آور اشیا کا استعمال عمر کو گھٹا دیتا ہے

فرمایا:

کیا ہی عمدہ قرآنی تعلیم ہے کہ انسان کی عمر کو خبیث اور مضر اشیاء کے ضرر سے بچا لیا۔ یہ مُنَشّی شراب وغیرہ انسان کی عمر کو بہت گھٹا دیتی ہیں۔ اس کی قوت کو برباد کر دیتی ہیں اور بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں۔ یہ قرآنی تعلیم کا احسان ہے کہ کروڑوں مخلوق ان گناہ کے امراض سے بچ گئی جو ان نشہ کی چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ (الحکم 10 مارچ 1903ء صفحہ 9)

افیون کے مضر اثرات

فرمایا:

جو لوگ افیون کھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موافق آ گئی ہے، وہ موافق نہیں آتی۔ دراصل وہ اپنا کام کرتی رہتی ہے اور قویٰ کو نابود کر دیتی ہے۔

(الحکم 17/اکتوبر 1902ء صفحہ 12)

نشہ آور چیزوں سے بچنے کا عملی نمونہ

فرمایا:

ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے۔ پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے مَیں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر مَیں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔

پس اس طرح جب مَیں نے خدا پر توکّل کی تو خدا نے مجھے ان خبیث چیزوں کا محتاج نہیں کیا اور بارہا جب مجھے غلبہ مرض کا ہوا تو خدا نے فرمایا کہ دیکھ مَیں نے تجھے شفا دیدی۔

(نسیمِ دعوت۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 434، 435)

تمبا کونوشی کے مضر اثرات

ایک شخص نے امریکہ سے تمبا کونوشی کے متعلق اس کے بہت سے مجرب نقصان ظاہر کرتے ہوئے اشتہار دیا۔اس کو آپ نے سنا فرمایا:

اصل میں ہم اس لئے اسے سنتے ہیں کہ اکثر نوعمر لڑکے نوجوان، تعلیم یافتہ بطور فیشن ہی کے اس بلا میں گرفتار و مبتلا ہو جاتے ہیں تا وہ ان باتوں کو سن کر اس مضر چیز کے نقصانات سے بچیں۔

فرمایا: اصل میں تمبا کو ایک دھواں ہوتا ہے جو اندرونی اعضاء کے واسطے مضر ہے۔اسلام لغو کاموں سے منع کرتا ہے اور اس میں نقصان ہی ہوتا ہے۔لہٰذا اس سے پرہیز ہی اچھا ہے۔

(الحکم 28 فروری 1903ء صفحہ 16)

سوال:۔ایک دوست نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (بنی اسرائیل : 28)اور تمبا کونوشی بھی تو فضول خرچی ہی ہے،اس کو حرام قرار دینا چاہئے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

آپ بے شک حرام قرار دے دیں۔ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فتویٰ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم بھی اس فتویٰ کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے۔آپ جانتے ہیں کہ چلتی ہوئی ریل کو یکدم روکا نہیں جا سکتا۔آہستہ آہستہ ہی اسے روکا جا سکتا ہے۔اسی طرح یہ سگریٹ کی ریل جس میں سے دھواں نکلتا ہے آہستہ آہستہ ہی رکے گی۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سخت مضر صحت چیز ہے اور اعصاب پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے لیکن اس وقت ایک رَو اس کی تائید میں چل رہی ہے۔اس لئے لوگ اس رو میں بہہ کر اس کا استعمال کرتے جا رہے ہیں۔ جب اس کے خلاف رَو زیادہ طاقتور ہو جائے گی تو لوگ خود بخود اس سے نفرت کرنے لگ جائیں گے۔

(الفضل 5 نومبر 1960ء صفحہ 4)

حقہ نوشی پر ناپسندیدگی کا اظہار

حقہ نوشی کے متعلق ذکر آیا، فرمایا:

اس کا ترک اچھا ہے۔ ایک بدعت ہے، منہ سے بو آتی ہے۔ ہمارے والد مرحوم صاحب اس کے متعلق ایک شعر اپنا بنایا ہوا پڑھا کرتے تھے جس سے اس کی برائی ظاہر ہوتی ہے۔

(الحکم۔10 ستمبر 1901ء صفحہ 9)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میں شروع میں حقہ بہت پیا کرتا تھا۔ شیخ حامد علی بھی پیتا تھا۔ کسی دن شیخ حامد علی نے حضرت صاحب سے ذکر کر دیا کہ یہ حقہ بہت پیتا ہے۔ اس کے بعد میں جو صبح کے وقت حضرت صاحب کے پاس گیا اور حضور کے پاؤں دبانے بیٹھا تو آپ نے شیخ حامد علی سے کہا کہ کوئی حقہ اچھی طرح تازہ کر کے لاؤ۔ جب شیخ حامد علی حقہ لایا تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ پیو۔ میں شرمایا مگر حضرت صاحب نے فرمایا جب تم پیتے ہو تو شرم کی کیا بات ہے۔ پیو کوئی حرج نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے رُک رُک کر ایک گھونٹ پیا۔ پھر حضور نے فرمایا میاں عبداللہ مجھے اس سے طبعی نفرت ہے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے بس میں نے اسی وقت سے حقہ ترک کر دیا اور اس ارشاد کے ساتھ ہی میرے دل میں اس کی نفرت پیدا ہوگئی۔ پھر ایک دفعہ میرے مسوڑھوں میں تکلیف ہوئی تو میں نے حضور سے عرض کیا کہ جب میں حقہ پیتا تھا تو یہ درد ہٹ جاتا تھا۔ حضور نے جواب دیا کہ ''بیماری کے لئے حقہ پینا معذوری میں داخل ہے اور جائز ہے جب تک معذوری باقی ہے۔'' چنانچہ میں نے تھوڑی دیر تک بطور دوا استعمال کر کے پھر چھوڑ دیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور کے گھر میں حقہ استعمال ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضور نے مجھے گھر میں ایک توڑا ہوا حقہ کیلی پر لٹکا ہوا دکھایا اور مسکرا کر فرمایا ہم نے اسے توڑ کر پھانسی دیا ہوا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گھر میں کوئی عورت شاید حقہ استعمال کرتی ہوگی۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 91)

معمر مہمان کو حقہ پینے کی اجازت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حُقّہ سے بہت کراہت کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اس کے متعلق بعض لوگوں پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ مگر سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی جب تشریف لاتے تھے۔ تو ان کے لئے کہہ دیا تھا کہ وہ بے شک حُقہ پی لیا کریں۔ کیونکہ سیٹھ صاحب معمر آدمی تھے اور پُرانی عادت تھی۔ یہ ڈر تھا کہ کہیں بیمار نہ ہو جائیں۔ نیز سیٹھ صاحب بیمار بھی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو ذیابیطس بھی تھا اور کاربنکل بھی ہوا تھا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 664)

حقہ آہستہ آہستہ چھوڑ دو

حضرت پیر سراج الحقؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

جن دنوں میں حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام کی طرف سے خطوط کے جواب لکھا کرتا تھا تو من جملہ اور مسائل کے حقہ کی نسبت بھی ہماری جماعت کے احباب دریافت کرتے تھے کہ ہمیں حقہ پینے کی عادت ہے اس کی نسبت حضور کا کیا فتویٰ ہے حکم ہو تو ترک کر دیں۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ ہمارے پاس مختلف مضمون کے خط آتے ہیں بعض دعا کے لئے آتے تھے سو اس میں ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت کسی کا خط دعا کے لئے آتا ہے تو ہم اسی وقت دعا کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ یاد آتا ہے تب بھی دعا کیا کرتے ہیں سو ایسے خطوط کا جواب یہ لکھ دیا کرو کہ ہم نے دعا کی ہے اور کرتے رہیں گے اور چاہئے کہ دعا کے لئے یاد دلاتے رہو۔ اور بعض خطوط مسائل دریافت کرنے کے بارہ میں ہوتے ہیں۔ پس جو مسئلہ ایک دفعہ تم کو کسی کے دریافت کرنے پر بتلایا جاوے تو ہمیشہ بے پوچھے لکھ دیا کرو اور جو نیا مسئلہ ہو وہ دریافت کر لیا کرو۔ بعض خیریت دریافت کیا کرتے ہیں ان کو خیریت کی اطلاع دے دیا

کرو اور بعض جواب نہیں چاہتے۔ وہ صرف اپنی یاددہانی کے لئے خط لکھتے ہیں ان کو جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے تاوقتیکہ وہ جواب طلب نہ کریں اور بعض خطوط ہمارے متعلق ہوتے ہیں۔ ہم پڑھ کر خود ہی جواب دیں گے۔ اس بناء پر آپ نے فرمایا کہ حقہ کی نسبت ہمارا کوئی نیا فتویٰ نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آہستہ آہستہ چھوڑ دو کہ جس میں تکلیف نہ ہو۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 7-8)

تمباکو اور زردہ کا استعمال

حضرت پیر سراج الحق ؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں ایک روز کا ذکر ہے کہ دارالامان میں کسی شخص نے ذکر کیا کہ حضرت اقدس امام الائمہ مسیح موعود علیہ السلام نے آج تمباکو کے کھانے اور پینے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے چونکہ میں تمباکو یعنی زردہ پان میں بوجہ دانتوں کے درد کے کھاتا تھا۔ حرمت کا فتویٰ سُن کر متفکر ہوا اور سوچا کہ اگر حضرت اقدس نے درحقیقت حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ تو چھوڑ دینا چاہئے۔ اسی وقت میں سب کام چھوڑ کر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو آپ نے میری آواز سُن کر دروازہ کھول دیا اور فرمایا صاحبزادہ صاحب کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور نے تمباکو کی نسبت حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ فرمایا نہیں۔ تم سے کس نے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں شخص نے ابھی کہا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ان کو بلوایا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی عورت سے سُنا ہے۔ تب حضرت اقدس علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سمجھنے میں غلطی رہی ہم نے تو کل یہ بیان کیا تھا کہ تمباکو پینے اور کھانے کی نسبت بہت آدمی دریافت کرتے ہیں کہ یہ حرام ہے یا مکروہ یا جائز سو ہماری جماعت کے لوگوں کو معلوم رہے کہ ہر ایک لغو چیز سے حتیٰ الامکان بچنا اور پرہیز کرنا لازم ہے ہم کوئی نئی شریعت نکالنا نہیں چاہتے۔ جو کسی چیز کی حلت وحرمت کا فتویٰ بغیر دلائل اپنی طرف سے دیں۔ یہ تو ان دابۃ الارض مولویوں کا

کام ہے کہ اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرتے ہیں اور الٹا ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم مدعی نبوت ہیں۔ وہ ذرا سوچیں تو معلوم ہو کہ مدعی نبوت و رسالت کون ہے ہم یا وہ۔ جس چیز کی حلت وحرمت کا ذکر شریعت میں نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات ثابت نہ ہو تو ہم خواہ مخواہ گھسیٹ گھساٹ کر شریعت میں لاڈالیں سوائے اس کے کہ ہم کچھ نہیں کہتے کہ لغو کام ہے۔ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو آپ ہی پیش از یں نسبت اس کے لغو ہونے کا ہی حکم دیتے اور کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ تم کھاتے ہو؟ میں نے کہا حضور قدر قلیل ایک یا دو رتی پان میں کھاتا ہوں فرمایا کہ کتنی مدت سے؟ عرض کیا پانچ چھ سال سے۔ فرمایا کیوں کھاتے ہو؟ عرض کیا دانتوں کے درد کے سبب سے چونکہ کاپی لکھنے کے وقت منہ نیچے رہتا ہے تو نزلہ اور زکام کا زور ہو جاتا ہے۔ یہ منہ میں رہتا ہے تو درد موقوف رہتا ہے۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ چھوٹ نہیں سکتا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوٹ تو سکتا ہے لیکن دانتوں میں درد ہو جاتا ہے۔ فرمایا چند روز بیش کھاؤ (جس کو میٹھا تیلیا بھی کہتے ہیں) یہ بھی ایک زہر ہے جب ہر دو زہر مل جاویں گے تو پھر یہ ہر دو خبیث مل کر چھوٹ جائیں گے میں نے پھر عرض کیا کہ چھوڑنے میں تو کوئی دقت نہیں صرف دانتوں کے درد کا خیال ہے۔ حضور نے تو دیکھا ہے کہ رمضان شریف کے میں نے گیارہ روزے رکھے۔ صرف دن کو زردہ نہیں کھایا رات کو کھایا جاتا تھا۔ کس قدر درد زور وشور سے ہوا۔ آپ نے فرمایا ہاں بے شک ہوا تھا۔ (تذکرۃ المہدی صفحہ 8 تا 10)

مقوی صحت ادویات کا استعمال جائز اور درست ہے

فرمایا:۔

منشی الٰہی بخش اور اُس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں کہ میں بید مشک اور کیوڑہ کا استعمال کرتا ہوں یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں۔ تعجب ہے کہ حلال اور طیب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر وہ غور کر کے دیکھتے اور مولوی عبداللہ غزنوی کی حالت پر نظر

رکھتے تو میرا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شرم آ جاتی۔ مولوی عبداللہ کو بیویوں کا استغراق تھا، اس لیے انڈے اور مرغ کثرت سے کھاتے تھے۔ یہانتک کہ اخیر عمر میں شادی کرنا چاہتے تھے۔ میری شہادت مل سکتی ہے کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کب پڑتی ہے۔ میں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب بہت محنت کرتا ہوں تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ غش آ جاوے اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے اور اسی لیے ہر روز باہر سیر کو جاتا ہوں۔

مگر مولوی عبداللہ جو کچھ کرتے تھے یعنی مرغ، انگور، انڈے وغیرہ جو استعمال کرتے تھے اس کی وجہ کثرت از دواج تھی اور کوئی سبب نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کا استعمال کرتے تھے مگر وہ خدا کی راہ میں فدا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھبراتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مار کر کہتے کہ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو سارا جہان دشمن تھا۔ پھر اگر اُن کے لیے کوئی راحت کا سامان نہ ہو، تو یہ خدا کی شان کے ہی خلاف ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے کہ جیسے کافور کے ساتھ دو چار مرچیں رکھی جاتی ہیں کہ اُڑ نہ جائے۔ (الحکم 10 جولائی 1902ء صفحہ 3)

طیبات کا استعمال

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کھانے پینے کی عادات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آپ نے کھانے کا اہتمام والتزام اس نیت سے کبھی نہ کرایا کہ وہ حظ نفس کا کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے بلکہ مقصد خوردنوش سے مقصدِ حیات تھا اور متعدد واقعات اس کو بتاتے ہیں کہ

آپ نے بعض چیزوں کو ایسے طور پر استعمال کیا جس سے زبان کوئی لطف ذائقہ نہیں اُٹھا سکتی تھی اور یہ دلیل تھی اس امر کی کہ آپ کسی چیز کو ضرورتاً قیام زندگی کا ایک موجب سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس بہت سے سیب آئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ڈالی میاں حاجی عمر ڈار مرحوم نے بھجوائی تھی۔ آپ بجائے اس کے کہ سیب کو تراش کر کھاتے چند دانے لے کر ان کا پانی نکلوایا اور پی لیا اور فرمایا کہ ''میں اس لئے پیتا ہوں کہ قلب کے لئے مفید ہے۔'' آپ کی زندگی میں اس قسم کے واقعات بہت ملیں گے۔

آپ ادویات کا استعمال بھی فرماتے تھے اور پوری مقدار کھایا کرتے تھے۔ صبر کی گولیاں جن کو آپ ''پیٹ کی جھاڑو'' فرمایا کرتے تھے ہر وقت رومال میں بندھی رہتی تھیں ایسا ہی مشک بھی اس لئے کہ دورانِ سر کا دورہ بعض اوقات اچانک ہو جاتا تھا۔

(سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 64)

تصویر کی حرمت کا مسئلہ

(مولوی سید عبدالواحد صاحب کے بعض شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے آپؑ نے تحریر فرمایا)

سوال۔ احادیث میں کسی جاندار کی تصویر کھینچنے میں سخت وعید آئی ہے مگر حضور کی عکسی تصویریں جو شائع کی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اس کو جائز رکھتے ہیں۔

جواب۔ مَیں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بُت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ مَیں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے اور مجھ سے زیادہ بُت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ لیکن مَیں نے دیکھا ہے کہ آج کل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں جو اُس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے۔ اور اکثر اُن کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزار ہا کوس کے

فاصلہ کے مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں لہٰذا اُس ملک کے اہلِ فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔کئی ایسے لوگ ہیں جوانہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اوراپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کوغور سے دیکھا اورعلمِ فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔اورایک امریکہ کی عورت نے میری تصویر کودیکھ کر کہا کہ یہ یسوع یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔پس اس غرض سے اوراس حد تک مَیں نے اس طریق کے جاری ہونے میں مصلحتاً خاموشی اختیارکی۔و انّما الاعمال بالنّیات۔اورمیرا مذہب یہ نہیں ہے کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جنّ حضرت سلیمان کے لئے تصویریں بناتے تھےاور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر تھی اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوحضرت عائشہ کی تصویرایک پارچہ ریشمی پر جبرائیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی۔اور پانی میں بعض پتھروں پر جانوروں کی تصویریں قدرتی طور پر چھپ جاتی ہیں۔اور یہ آلہ جس کے ذریعہ سے اب تصویر لی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایجاد نہیں ہوا تھااور یہ نہایت ضروری آلہ ہے جس کے ذریعہ سے بعض امراض کی تشخیص ہوسکتی ہے ایک اورآلہ تصویر کا نکلا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی تمام ہڈیوں کی تصویر کھینچی جاتی ہےاوروَجعُ المَفَاصِل و نَقرس وغیرہ امراض کی تشخیص کے لئے اس آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچتے ہیں اورمرض کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ایسا ہی فوٹو کے ذریعہ سے بہت سے علمی فوائد ظہور میں آئے ہیں۔ چنانچہ بعض انگریزوں نے فوٹو کے ذریعہ سے دنیا کے کل جانداروں یہاں تک کہ طرح طرح کی ٹڈیوں کی تصویریں اور ہرایک قسم کے پرند اور چرند کی تصویریں اپنی کتابوں میں چھاپ دی ہیں۔جس سے علمی ترقی ہوئی ہے۔پس کیا گمان ہوسکتا ہے کہ وہ خدا جوعلم کی ترغیب دیتا ہے وہ ایسے آلہ کا استعمال کرنا حرام قرار دے جس کے ذریعہ

سے بڑے بڑے مشکل امراض کی تشخیص ہوتی ہے اور اہلِ فراست کے لئے ہدایت پانے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام جہالتیں ہیں جو پھیل گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے مولوی چہرہ شاہی سکّہ کے روپیہ اور دوّنیاں اور چوّنیاں اور اٹھنّیاں اپنی جیبوں اور گھروں میں سے کیوں باہر نہیں پھینکتے۔ کیا اُن سکّوں پر تصویریں نہیں ،افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کر کے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقع دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے مؤید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھہرتے اور اہلِ فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مُضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور پر شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنالیں۔ کیونکہ اِسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے مَیں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک اُن کے لئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دستکش رہیں۔ بعض صاحبوں کے مَیں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پُشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے۔ مَیں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور مَیں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کے لئے کام کرنا اور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جا بجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں اور نصاریٰ میں پیدا ہو گئیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جو شخص میرے نصائح کو عظمت اور عزّت کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرا سچا پَیرو ہے وہ اِس حُکم کے بعد ایسے کاموں سے دستکش رہے گا ورنہ وہ میری ہدایتوں کے برخلاف اپنے تئیں چلاتا ہے اور شریعت کی راہ میں گستاخی سے قدم رکھتا ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 365 تا 367)

بدعات اور بدرسومات

سماع

ذکر آیا کہ بعض بزرگ راگ سنتے ہیں۔آیا یہ جائز ہے؟ فرمایا:

اس طرح بزرگان دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں۔حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سنے تھے۔لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک صحابی مسجد کے اندر شعر پڑھتا تھا۔حضرت عمرؓ نے اس کو منع کیا۔اس نے جواب دیا۔میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا تو کون ہے جو مجھے روک سکے؟ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؓ بالکل خاموش ہوگئے۔

قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔اور خود اس میں ایک اثر ہے۔عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔وہی تقریر ژولیدہ زبانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔جس شے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔حضرت داؤد کی زبور گیتوں میں تھی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد خدا کی مناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔ (بدر 17 نومبر 1905ء صفحہ 7،6)

مزامیر

سوال:۔مزامیر کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

فرمایا:

بعض نے قرآن شریف کے ایک لفظ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (لقمان :7) کو مزامیر سے تعبیر کیا

ہے مگر میرا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو مقام اور محل دیکھنا چاہیے۔ایک شخص کو جو اپنے اندر بہت سے علوم رکھتا ہے اور تقویٰ کے علامات اس میں پائے جاتے ہیں اور متقی باخدا ہونے کی ہزار دلیل اس میں موجود ہے۔صرف ایک بات جو تمہیں سمجھ میں نہیں آتی اس کی وجہ سے اُسے برا نہ کہو۔اس طرح انسان محروم رہ جاتا ہے۔بایزید بسطامیؒ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ لوگ بہت ان کے گرد ہوئے اور ان کے وقت کو پراگندہ کرتے تھے۔رمضان کا مہینہ تھا۔انہوں نے سب کے سامنے روٹی کھانی شروع کر دی۔تب سب لوگ کافر کہہ کر بھاگ گئے۔عوام واقف نہ تھے کہ یہ مسافر ہے اور اس کے واسطے روزہ ضروری نہیں۔لوگ نفرت کر کے بھاگے۔ان کے واسطے عبادت کے لیے مقام خلوت حاصل ہو گیا۔

یہ اسرار ہیں اور ان کے واسطے ایک عمدہ مثال خود قرآن شریف میں موجود ہے جہاں حضرت خضرؑ نے ایک کشتی توڑ ڈالی اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔کوئی ظاہر شریعت ان کو ایسے کام کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔اس قصہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔خضری اسرار اس امت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں۔ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات متفرقہ کے جامع تھے اور ظلّی طور پر وہ کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں موجود ہیں۔جو خضر نے کیا آئندہ صاحبان کمالات بھی حسبِ ضرورت کرتے ہیں۔جہاں حضرت خضر نے ایک نفس زکیّہ کو قتل کر دیا اس کے بالمقابل مزامیر کیا شے ہے۔لہٰذا جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔جلد بازی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔دوسری علامات کو دیکھنا چاہیے جو اولیاء الرحمٰن میں پائی جاتی ہیں، ان لوگوں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔جو اعتراض کرے گا وہ مارا جائے گا۔تعجب ہے کہ زبان کھولنے والے خود گندے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دل ناپاک ہوتے ہیں اور پھر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ (بدر 17 نومبر 1905ء صفحہ 7)

نظر بٹّو

یہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ میں کسی ایسی بات کا ہونا بھی سنت اللہ میں چلا آتا ہے۔ جیسا کہ خوبصورت بچے کو جب ماں عمدہ لباس پہنا کر باہر نکالتی ہے تو اس کے چہرے پر ایک سیاہی کا داغ بھی لگا دیتی ہے تا کہ وہ نظر بد سے بچا رہے۔ ایسا ہی خدا بھی اپنے پاکیزہ بندوں کے ظاہری حالات میں ایک ایسی بات رکھ دیتا ہے جس سے بدلوگ اس سے دور رہیں اور صرف نیک لوگ اس کے گرد جمع رہیں۔ سعید آدمی چہرے کی اصلی خوبصورتی کو دیکھتا ہے اور شقی کا دھیان اس داغ کی طرف رہتا ہے۔

امرتسر کا واقعہ ہے۔ ایک دعوت میں چند مولوی شریک تھے اور صاحب مکان نے مجھے بھی بلایا ہوا تھا۔ چائے لائی گئی۔ میں نے پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ لی۔ تب سب نے اعتراض کیا کہ یہ سنت کے برخلاف کام کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ سنت ہے کہ پیالی دائیں ہاتھ سے پکڑی جائے مگر کیا یہ سنت نہیں لَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرآئیل :37) یعنی جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق اپنی زبان نہ کھول۔ کیا آپ لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ مجھ پر حسن ظن کرتے اور خاموش رہتے۔ یا یہ نہیں ہوسکتا تھا تو اعتراض کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ ہی لیتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پھر میں نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دائیں بازو کی ہڈی بچپن سے ٹوٹی ہوئی ہے اور پیالی پکڑ کر میں ہاتھ کو اوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ جب یہ بات انہیں بتلائی گئی، تب وہ سن کر شرمندہ ہو گئے۔

(بدر 17 نومبر 1905ء صفحہ 7)

صوفیاء کے طریقوں کو حسن ظنی سے دیکھنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ خاکسار کے قیام قادیان کے دنوں میں عشاء کی

نماز کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے۔ مسجد بھری ہوئی تھی۔ ایک پنجابی مولوی صاحب نے کھڑے ہو کر حضور سے عرض کیا کہ صوفیوں کے فرقہ نقش بندیہ وغیرہ میں جو کلمہ نفی اثبات کو پیشانی تک لے جا کر اور اطراف پر گذارتے ہوئے قلب پر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب مارنے کا طریق مروج ہے۔اس کے متعلق حضور کا کیا حکم ہے؟ حضور نے فرمایا کہ چونکہ شریعت سے اس کی کوئی سند نہیں اور نہ اسوۂ حسنہ سے اس کا کچھ پتہ چلتا ہے اس لئے ہم ایسے طریقوں کی ضرورت نہیں خیال کرتے۔ اس مولوی نے پھر کہا کہ اگر یہ امور خلاف شرع ہیں تو بڑے بڑے مسلّمہ اور مشاہیر جن میں حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء بھی ہیں جنہوں نے مجدد الف ثانی ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ یہ سب لوگ بدعت کے مرتکب ہوئے اور لوگوں کو اس کی ترغیب و تعلیم دینے والے ہوئے۔ حضور نے فرمایا اسلام پر ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے کہ فتوحات کے بڑھ جانے اور دنیاوی دولت اور سامان تعیش کی فراوانی سے لوگوں کے دلوں سے خدا کے نام کی گرمی سرد پڑتی جا رہی تھی۔ اس وقت اگر ان بزرگوں نے بعض ایسے اعمال اختیار کئے ہوں جو اُن کے خیال میں اس وقت اس روحانی وبائی مرض میں مفید تھے تو وہ ایک وقتی ضرورت تھی اور بوجہ ان کی نیک نیتی کے اس کو خدا کے حوالہ کر دینا مناسب ہے۔ حضور نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قافلہ راستہ بھول کر ایسے جنگل میں جا نکلے جہاں پانی کا نشان نہ ہو۔ اور ان میں سے بعض پیاس کی شدت سے زبان خشک ہو کر جان بلب ہوں۔ اور ان کے ہمراہی درختوں کے پتے پتھروں سے کوٹ کر ان کا پانی نکالیں اور تشنہ دہانوں کے حلق میں ڈالیں تا کسی طرح پانی ملنے تک ان کا حلق بالکل خشک ہو کر ہلاکت کا موجب نہ ہو جائے۔ یا دامنِ کوہ میں پتھروں کو توڑ کر اور بڑی مشکلوں سے کاٹ کاٹ کر کنواں کھودا جاتا ہے یا ریگستان میں بڑی مصیبت سے اگر سو سو ہاتھ کھودا جائے تو کنواں برآمد ہوتا ہے۔ لیکن جہاں دریا جاری ہو۔ کیا وہاں

بھی ان تکالیف کو اُٹھانے کی ضرورت ہے؟ فرمایا پس شکر کرنا چاہیے کہ اس وقت خدا نے پہاڑ کی چوٹی پر سے مصفّٰی اور شیریں پانی کا چشمہ جاری فرمایا ہے جس کے ہوتے ہوئے ان تکالیف میں پڑنا خدا کی ناشکری اور جہالت ہے۔

حضور کے اس ارشاد کے بعد جو ایک پرسرور کیفیت خاکسار نے محسوس کی وہ یہ تھی اُن امور سے جن کا اسوۂ حسنہ سے ثبوت نہ تھا۔ حضور نے اتفاق نہ فرمانے کے باوجود اُن متوفّٰی بزرگوں کے متعلق کوئی کلمہ رکیک نہ فرمایا بلکہ ایک وقتی ضرورت کے ماتحت اُن کی نیک نیتی پر محمول فرما کر اُن کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 69، 70)

بدعات سے اجتناب کے لئے عورتوں کو خصوصی نصائح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عورتوں کو نصائح کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا جس میں آپؑ نے تحریر فرمایا:

جس شخص کے پاس یہ اشتہار پہنچے اس پر فرض ہے کہ گھر جا کر اپنے کنبے کی عورتوں کو تمام مضمون اس اشتہار کا اچھی طرح سمجھا کر سنا دے اور ذہن نشین کر دے اور جو عورت خواندہ ہو اس پر بھی لازم ہے کہ ایسا ہی کرے۔

اشتہار بغرض تبلیغ و انذار

چونکہ قرآن شریف و احادیث صحیحہ نبویہ سے ظاہر و ثابت ہے کہ ہر یک شخص اپنے کنبہ کی عورتوں وغیرہ کی نسبت جن پر کسی قدر اختیار رکھتا ہے سوال کیا جائے گا کہ آیا بے راہ چلنے کی حالت میں اس نے ان کو سمجھایا اور راہ راست کی ہدایت کی یا نہیں، اس لئے میں نے قیامت کی باز پرس سے ڈر کر مناسب سمجھا کہ ان مستورات و دیگر متعلقین کو (جو ہمارے رشتہ دار و اقارب و واسطہ دار ہیں) ان کی بے راہیوں، بدعتوں پر بذریعہ اشتہار کے انہیں خبر دار کروں کیونکہ میں

دیکھتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں قسم قسم کی خراب رسمیں اور نالائق عادتیں جن سے ایمان جاتا رہتا ہے گلے کا ہار ہو رہی ہیں اور اُن بری رسموں اور خلاف شرع کاموں سے یہ لوگ ایسا پیار کرتے ہیں جو نیک اور دینداری کے کاموں سے کرنا چاہیے۔ ہر چند سمجھایا گیا، کچھ سنتے نہیں۔ ہر چند ڈرایا گیا۔ کچھ ڈرتے نہیں اب چونکہ موت کا کچھ اعتبار نہیں اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں اس لئے ہم نے ان لوگوں کے برا ماننے اور برا کہنے اور ستانے اور دکھ دینے سے بالکل لاپروا ہو کر محض ہمدردی کی راہ سے حق نصیحت پورا کرنے کے لئے بذریعہ اس اشتہار کے ان سب کو اور دوسری مسلمان بہنوں اور بھائیوں کو خبردار کرنا چاہا تا ہماری گردن پر کوئی بوجھ باقی نہ رہ جائے اور قیامت کو کوئی نہ کہہ سکے کہ ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا اور سیدھا راہ نہیں بتایا۔ سو آج ہم کھول کر بآواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ سیدھا راہ جس سے انسان بہشت میں داخل ہوتا ہے، یہی ہے کہ شرک اور رسم پرستی کے طریقوں کو چھوڑ کر دین اسلام کی راہ اختیار کی جائے اور جو کچھ اللہ جلشانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور اس کے رسولؐ نے ہدایت کی ہے اس راہ سے نہ بائیں طرف منہ پھیریں نہ دائیں اور ٹھیک ٹھیک اسی راہ پر قدم ماریں اور اس کے برخلاف کسی راہ کو اختیار نہ کریں۔ لیکن ہمارے گھروں میں جو بدرسمیں پڑ گئی ہیں اگر چہ وہ بہت ہیں۔ مگر چند موٹی موٹی رسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ تا نیک بخت عورتیں خدا تعالیٰ سے ڈر کر ان کو چھوڑ دیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(1) ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات منہ پر لانا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں پکڑ لیں۔ کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لئے

قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہیں یعنی ہم خدا کا مال اور ملک ہیں اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ ہے وہ شیطان سے ہے۔

(2) دوم۔ برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلّا کر رونا اور کچھ کچھ منہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے۔ یہ سب ناپاک رسمیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(3) سوم۔ سیاپا کرنے کے دنوں میں بے جا خرچ بھی بہت ہوتے ہیں۔ حرامخور عورتیں، شیطان کی بہنیں جو دور دور سے سیاپا کرنے کے لئے آتی ہیں اور مکر اور فریب سے منہ کو ڈھانک کر اور بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخیں مار کر روتی ہیں۔ ان کو اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور اگر مقدور ہو تو اپنی شیخی اور بڑائی جتانے کے لئے صدہا روپیہ کا پلاؤ اور زردہ پکا کر برادری وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس غرض سے کہ تا لوگ واہ واہ کریں کہ فلاں شخص نے مرنے پر اچھی کرتوت دکھلائی۔ اچھا نام پیدا کیا۔ سو یہ سب شیطانی طریق ہیں جن سے توبہ کرنا لازم ہے۔

(4) اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو۔ دوسرا خاوند کرنا ایسا برا جانتی ہے جیسا کوئی بڑا بھارا گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ یا رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاک دامن بیوی ہو گئی ہوں حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ عورتوں کے لئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کا کام ہے۔ ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں

برے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ ایسی عورتیں جو خدا اور رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی اور شیطان کی چیلیاں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے۔ جس عورت کو اللہ اور رسول پیارا ہے۔ اس کو چاہیے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرے اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صدہا درجہ بہتر ہے۔

(5) یہ بھی عورتوں میں خراب عادت ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں۔ اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی ہیں اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ برا بھلا ان کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ اور رسول کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ کوئی عورت نیک نہیں ہو سکتی جب تک پوری پوری اپنے خاوند کی فرمانبرداری نہ کرے اور دلی محبت سے اس کی تعظیم بجا نہ لائے اور پسِ پشت یعنی اس کے پیچھے اس کی خیر خواہ نہ ہو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مردوں کی تابعدار رہیں۔ ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں اور نیز فرمایا ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کچھ بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور حکم ربانی سن کر پھر بھی باز نہیں آتی تو وہ لعنتی ہے خدا اور رسول اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چراویں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچاویں اور یاد رکھنا چاہیے کہ بغیر خاوند اور ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں اُن سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ جو عورتیں نامحرم لوگوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ عورتوں پر یہ بھی لازم ہے کہ بدکار اور بدوضع عورتوں کو اپنے گھروں میں نہ آنے دیں اور ان کو اپنی خدمت میں نہ رکھیں کیونکہ یہ سخت گناہ کی بات ہے کہ بدکار عورت

نیک عورت کی ہم صحبت ہو۔

(6) عورتوں میں یہ بھی ایک بدعادت ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند کسی اپنی مصلحت کے لئے کوئی دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ عورت اور اس کے اقارب سخت ناراض ہوتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور شور مچاتے ہیں اور اس بندہ خدا کو ناحق ستاتے ہیں- ایسی عورتیں اور ایسے ان کے اقارب بھی نابکار اور خراب ہیں کیونکہ اللہ جلشانہ نے اپنی حکمت کاملہ سے جس کے صدہا مصالح ہیں مردوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے وقت چار تک بیویاں کر لیں۔ پھر جو شخص اللہ رسول کے حکم کے مطابق نکاح کرتا ہے تو اس کو کیوں بُرا کہا جائے۔ ایسی عورتیں اور ایسے ہی اس عادت والے اقارب جو خدا اور اس کے رسول کے حکموں کا مقابلہ کرتی ہیں۔ نہایت مردود شیطان کی بہنیں اور بھائی ہیں کیونکہ وہ خدا اور رسول کے فرمودہ سے منہ پھیر کر اپنے ربّ کریم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں اور اگر کسی نیک دل مسلمان کے گھر میں ایسی بدذات بیوی ہو تو اُسے مناسب ہے کہ اس کو سزا دینے کیلئے دوسرا نکاح ضرور کرے۔

(7) بعض جاہل مسلمان اپنے ناطہ رشتہ کے وقت یہ دیکھ لیتے ہیں کہ جس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرنا منظور ہے اس کی پہلی بیوی بھی ہے یا نہیں۔ پس اگر پہلی موجود ہو تو ایسے شخص سے ہرگز نکاح کرنا نہیں چاہتے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے لوگ بھی صرف نام کے مسلمان ہیں اور ایک طور سے وہ ان عورتوں کے مددگار ہیں جو اپنے خاوندوں کے دوسرے نکاح سے ناراض ہوتی ہیں سو ان کو بھی خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

(8) ہماری قوم میں یہ بھی ایک نہایت بدرسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سراسر تکبر، نخوت کا طریق ہے جو سراسر احکامِ شریعت کے برخلاف ہے۔ بنی آدم سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ رشتہ ناطہ میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے کہ وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے اور کسی ایسی آفت

میں مبتلا نہیں جو موجب فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں قوموں کا کچھ بھی لحاظ نہیں۔ صرف تقویٰ اور نیک بختی کا لحاظ ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ تر بزرگ وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

(9) ہماری قوم میں یہ بھی ایک بدرسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور کھانا دونوں باتیں عندالشرع حرام ہیں اور آتشبازی چلوانا اور کنجروں، ڈوموں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہے۔ ناحق روپیہ ضائع جاتا ہے۔ گناہ سر پر چڑھتا ہے۔ صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دیوے۔

(10) ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی کی بہت سستی ہے۔ بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق اور بہت سازیور اُن کے پاس ہے۔ وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ بعض عورتیں نماز روزہ کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی رکھتی ہیں۔ بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں جیسے چیچک کی پوجا۔ بعض فرضی دیویوں کی پوجا کرتی ہیں۔ بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط لگا دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے یا کوئی حقہ نوش نہ کھاوے بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں۔ ہم صرف خالص اللہ کے لیے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ ورنہ مرنے کے بعد ذلت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑو گے اور اس غضب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کا انتہاء نہیں۔

(الحکم 10 جولائی 1902ء صفحہ 6 تا 8)

محرم میں رسومات سے بچو

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ محرم کے دنوں میں امامین کی روح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ شرک کی

رسومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسومات کا کرنا جائز نہیں ہے۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 253)

فوت شدگان کے نام پر روٹی تقسیم کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مغلانی نور جان صاحبہ بھاوجہ مرزا غلام اللہ صاحب نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ مُردوں کے نام پر محتاجوں کو روٹی دو، مُلانوں کو نہ دو۔ ملّاں جب کوٹھوں پر روٹیاں سکھانے کو ڈالتے ہیں، کتے اور کوّے کھاتے ہیں اور وہ چوڑھوں کو روٹی دیتے ہیں۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 229)

نقشبندی صوفیاء کے ذکر و اذکار کے طریق کی ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ جب ہم انبالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک کوٹھی میں مقیم تھے تو ایک امر کے متعلق جو کہ دینی معاملہ نہ تھا بلکہ ایک دوائی کے متعلق تھا۔ حضور سے استفسار کی ضرورت پیش آئی۔ احباب نے خاکسار کو اس کام کے لئے انتخاب کیا۔ چنانچہ میں اجازت لے کر اندر حاضر ہوا۔ حضور اپنے کمرہ میں صرف تنہا تشریف فرما تھے۔ خاکسار نے اس امر کے جواب سے فارغ ہو کر موقعہ کو غنیمت خیال کرتے ہوئے اپنے متعلق ایک واقعہ عرض کرنے کی اجازت چاہی۔ حضور نے بڑی خندہ پیشانی سے اجازت دی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میں اس سے قبل نقش بندیہ خاندان میں بیعت ہوں اور ان کے طریقہ کے مطابق ذکر اذکار بھی کرتا ہوں۔ ایک رات میں ذکر نفی اثبات میں حسبِ طریقہ نقشبندیہ اس طرح مشغول تھا کہ لفظ لا کو وسط سینہ سے اُٹھا کر پیشانی تک لے جاتا تھا۔ وہاں سے لفظ اِلٰہ کو دائیں شانہ پر سے گزار کر دیگر اطراف سے گذارتے ہوئے

لفظ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب قلب پر لگاتا۔ کافی وقت اس عمل کو جاری رکھنے کے بعد قلب سے بجلی کی رَو کی طرح ایک لذت افزا کیفیت شروع ہو کر سر سے پاؤں تک اس طرح معلوم ہوئی کہ جسم کا ذرہ ذرہ اس کے زیر اثر تھا۔ آخر وہ کیفیت اس قدر بڑھی اور ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی کہ میں نے خیال کیا اگر یہ کیفیت اس سے زیادہ رہی تو اغلب ہے کہ میں بے ہوش ہو کر چارپائی سے نیچے گر جاؤں۔ چونکہ تنہا تھا اس لئے خیال ہوا کہ صبح اگر گھر کے لوگوں نے اس طرح گرا ہوا دیکھا تو شاید وہ کسی نشہ وغیرہ کا نتیجہ خیال کریں میں نے ذکر کو قصداً بند کر دیا۔ چونکہ رات کافی گذر چکی تھی اس لئے تھوڑی دیر میں ہی نیند آ گئی۔ صبح بیدار ہونے پر حالت حسبِ معمول تھی۔ اس کے بعد میں نے بارہا اس طرح عمل کیا مگر وہ کیفیت پیدا نہ ہوئی۔

حضور نے سن کر فرمایا کہ اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ کیفیت پھر پیدا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری خواہش تو یہی ہے۔ حضور نے فرمایا کس غرض سے آپ ایسا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اس میں ایک عالَم سرور اور ایک قسم کی لذت تھی۔ اس جیسی لذت میں نے کسی اور شے میں نہیں دیکھی۔ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ خدا کی عبادت لذت کے لئے نہیں کرنی چاہئے بلکہ حکم کی تعمیل اور اپنا فرض سمجھ کر کرنی چاہئے۔ خدا چاہے تو اس میں بھی اس سے بہتر لذت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر لذت کو مدنظر رکھ کر عبادت کی جائے تو لذت نفس کی ایک کیفیت ہے۔ اس کے حصول کے لئے عبادت نفس کے زیر اتباع ہے۔ خدا کی عبادت ہر حال میں کرنی چاہئے۔ خواہ لذت ہو یا نہ ہو۔ وہ اس کی مرضی پر ہے۔ پھر فرمایا یہ حالت جو آپ نے دیکھی یہ ایک سالک کے لئے راستہ کے عجائبات اور غول راہ کے طور پر ہوتے ہیں اور عارضی ہوتے ہیں۔ اس کے عارضی ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ آپ اس کو پھر چاہتے ہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے پر بھی وہ لذت حاصل نہ

ہوئی۔ہم آپ کو ایسی بات بتاتے ہیں جس میں مستقل لذت پیدا ہوگی جو پھر جُدا نہیں ہوگی ۔ وہ اتباع سنت اور اسوۂ حسنہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی غرض خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ان فانی لذتوں کے پیچھے نہ پڑو۔ پھر فرمایا۔نماز خشوع وخضوع سے پڑھنی چاہئے۔منہیات سے پرہیز ضروری ہے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 67، 68)

بدعات سے روکنے کے لئے ناجائز طریق اختیار نہ کرو

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میاں الہ دین فلاسفر اور پھر اس کے بعد مولوی یار محمد صاحب کو ایک زمانہ میں قبروں کے کپڑے اتار لینے کی دھت ہوگئی تھی یہاں تک کہ فلاسفر نے ان کو بیچ کر کچھ روپیہ بھی جمع کر لیا۔ان لوگوں کا خیال تھا کہ اس طرح ہم بدعت اور شرک کو مٹاتے ہیں۔ حضرت صاحب نے جب سُنا تو اس کام کو ناجائز فرمایا۔تب یہ لوگ باز آئے اور وہ روپیہ اشاعت اسلام میں دے دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف ناجائز کاموں سے روکا ہے بلکہ جائز کاموں کے لئے ناجائز وسائل کے اختیار کرنے سے بھی روکا ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 780)

بعض رسوم فوائد بھی رکھتی ہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ اس ملک میں مرنے جینے اور شادی بیاہ وغیرہ کی جو رسوم رائج ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کو اہل حدیث کی طرح کلی طور پر ردّ نہیں کر دیتے تھے بلکہ سوائے ان رسوم کے جو مشرکانہ یا مخالفِ اسلام ہوں باقی میں کوئی نہ کوئی توجیہ فوائد کی نکال لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اِس اِس فائدہ یا ضرورت کے لئے یہ رسم ایجاد ہوئی۔مثلاً

نیوتہ (جسے پنجابی میں نیوندرا کہتے ہیں) امداد باہمی کے لئے شروع ہوا لیکن اب وہ ایک تکلیف دہ رسم ہوگئی ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 744)

فاتحہ خوانی اور اسقاط

عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے بعد جو فاتحہ خوانی کا دستور ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے نہ قرآن شریف میں نہ سنت میں۔''

عرض کیا گیا کہ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دعائے مغفرت ہی ہے؟ فرمایا:

''نہ اسقاط درست نہ اس طریق سے دعا ہے کیونکہ بدعتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔''

(بدر 19 اپریل 1906ء صفحہ 3)

میّت کے لئے اسقاط

سوال ہوا کہ ملّاں لوگ مُردوں کے پاس کھڑے ہوکر اسقاط کراتے ہیں کیا اس کا کوئی طریق جائز ہے؟ فرمایا: ''اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ مُلّاؤں نے ماتم اور شادی میں بہت سی رسمیں پیدا کر لی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔''

(الحکم 24 اپریل 1903ء صفحہ 10)

ایک اور موقعہ پر فرمایا:

''(ان لوگوں نے) ایک طریق اسقاط کا رکھا ہے قرآن شریف کو چکر دیتے ہیں۔ یہ اصل میں قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ انسان خدا سے سچا تعلق رکھنے والا نہیں ہوسکتا جب تک سب نظر خدا پر نہ ہو۔''

(البدر 16 مارچ 1904ء صفحہ 6)

قُل خوانی

سوال:۔ میّت کے قل جو تیسرے دن پڑھے جاتے ہیں ان کا ثواب اسے پہنچتا ہے یانہیں؟

جواب:۔قل خوانی کی کوئی اصل .... شریعت میں نہیں ہے صدقہ ،دعا اور استغفار میت کو پہنچتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ مُلّا نوں کو اس سے ثواب پہنچ جا تا ہے سو اگر اسے ہی مردہ تصور کرلیا جاوے (اور واقعی ملاں لوگ روحانیت سے مردہ ہی ہوتے ہیں) تو ہم مان لیں گے۔

ہمیں تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسی باتوں پر امید کیسے باندھ لیتے ہیں دین تو ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس میں ان باتوں کا نام تک نہیں صحابہ کرامؓ بھی فوت ہوئے کیا کسی کے قل پڑھے گئے صدہا سال کے بعد اور بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک بدعت نکل آئی ہوئی ہے۔ (البدر16 مارچ 1904ءصفحہ 5،6)

میت کے لئے فاتحہ خوانی

سوال: میت کے لئے فاتحہ خوانی کے لئے جو بیٹھتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں؟

جواب: فرمایا یہ درست نہیں ہے۔ بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ اس طرح صف بچھا کر بیٹھتے اور فاتحہ خوانی کرتے تھے۔ (البدر16 مارچ1904ءصفحہ 6)

ختم اور فاتحہ خوانی

ایک بزرگ نے عرض کی کہ حضور مَیں نے اپنی ملازمت سے پہلے یہ منت مانی تھی کہ جب میں ملازم ہو جاؤں گا تو آدھ آنہ فی روپیہ کے حساب سے نکال کر اس کا کھانا پکوا کر حضرت پیران پیر کا ختم دلاؤں گا۔ اس کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ:۔

خیرات تو ہر طرح اور ہر رنگ میں جائز ہے اور جسے چاہے انسان دے مگر اس فاتحہ خوانی سے ہمیں نہیں معلوم کیا فائدہ؟ اور یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ میرے خیال میں یہ جو ہمارے ملک میں رسم

جاری ہے کہ اس پر کچھ قرآن شریف وغیرہ پڑھا کرتے ہیں، یہ طریق تو شرک ہے اور اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے فعل سے نہیں۔ غرباء و مساکین کو بے شک کھانا کھلاؤ۔

(الحکم 31 مارچ 1903ء صفحہ 4)

چہلم کی رسم ناجائز ہے

ایک شخص کا سوال حضرت صاحبؑ کی خدمت میں پیش ہوا کہ چہلم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:

''یہ رسم سنت سے باہر ہے۔''

(بدر 14 فروری 1907ء صفحہ 4)

مسجد کی امامت اور ختم پر اجرت لینا

ایک سوال پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کو ناپاک باتوں سے ملا کر پڑھنا بے ادبی ہے وہ تو صرف روٹیوں کی غرض سے مُلّاں لوگ پڑھتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ جو ختم وغیرہ دیتے ہیں تو مُلّاں لوگ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہ شوربا اور روٹی زیادہ ملے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرة: 42)

یہ کفر ہے۔ جو طریق آج کل پنجاب میں نماز کا ہے میرے نزدیک ہمیشہ سے اس پر بھی اعتراض ہے ملاں لوگ صرف مقررہ آدمیوں پر نظر کر کے جماعت کراتے ہیں ایسا امام شرعًا ناجائز ہے۔ صحابہؓ میں کہیں نظیر نہیں ہے کہ اس طرح اجرت پر امامت کرائی ہو پھر اگر کسی کو مسجد سے نکالا جاوے تو چیف کورٹ تک مقدمہ چلتا ہے۔ یہانتک کہ ایک دفعہ ایک ملاں نے نماز جنازہ کی چھ یا سات تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ کام روزمرہ کے محاورہ سے یادرہتا ہے کبھی سال میں ایک آدمی مرتا ہے تو کیسے یادرہے جب مجھے یہ بات بھول جاتی ہے کہ کوئی مرا بھی کرتا ہے تو اس وقت کوئی میت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک مُلّاً یہاں آ کر رہا۔ ہمارے میرزا صاحب نے اسے محلے تقسیم کر دیئے ایک دن وہ روتا ہوا آیا کہ مجھے جومحلّہ دیا ہے اس کے آدمیوں کے قد چھوٹے ہیں اس لیے ان کے مرنے پر جو کپڑا ملے گا اس سے چادر بھی نہ بنے گی۔

اس وقت ان لوگوں کی حالت بہت ردّی ہے صوفی لکھتے ہیں کہ مردہ کا مال کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ (البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 73)

طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے زیارتیں لے کر نکلنا

لاہور میں جو لوگ طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے نماز پڑھنے کے واسطے زیارتیں لے کر نکلتے ہیں۔ ان کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر فرمایا:۔

جو لوگ اب باہر جا کر نمازیں پڑھتے ہیں اور زیارتیں نکالتے ہیں وہ خداتعالیٰ کے ساتھ پوری صفائی نہیں کرتے۔ سچی تبدیلی کا ارادہ نہیں معلوم ہوتا، ورنہ پھر وہی شوخی اور بیبا کی کیوں نظر آ رہی ہے۔ اگر سچی تبدیلی ہو تو ممکن نہیں کہ طاعون نہ ہٹ جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف جب میں کہتا ہوں کہ سچی تبدیلی کرو اور استغفار کرو۔ خداتعالیٰ سے صلح کرو تو میری ان باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور ٹھٹھے اڑاتے ہیں اور اب خود بھی دعا ہی اس کا علاج بتاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ طاعون ان کے ہی سبب سے آیا ہے کیونکہ انھوں نے جھوٹے دعوے کئے تھے۔ مجھے ان کی اس بات پر بھی تعجب اور افسوس آتا ہے کہ میں تو جھوٹے دعوے کر کے سلامت بیٹھا ہوں، حالانکہ بقول ان کے طاعون میرے ہی سبب سے آیا ہے اور مجھے ہی حفاظت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ یہ بات تو ان عدالتوں میں بھی نہیں ہوتی کہ صریح ایک مجرم ہو وہ چھوڑ دیا جاوے اور بے گناہ کو پھانسی دے دی جاوے۔ پھر کیا خداتعالیٰ کی خدائی ہی میں یہ اندھیر اور ظلم ہے کہ جس کے لیے طاعون بھیجا جاوے وہ تو محفوظ رہے اور اس کو

سلامتی کا وعدہ دیا جاوے اور وہ ایک نشان ہو اور دوسرے لوگ مرتے رہیں؟ میں کہتا ہوں اسی ایک بات کو لیکر کوئی شخص انصاف کرے اور بتادے کہ کیا ہوسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرے وہ سلامت رہے اور اس کو یہ وعدہ دیا جائے کہ تیرے گھر میں جو ہوگا وہ بھی بچایا جاوے گا اور دوسروں پر چُھری چلتی رہے؟ (الحکم 10 جون 1904ء صفحہ 3)

یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا کیسا ہے؟

سوال:۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہرگز نہیں یہ توحید کے برخلاف ہے۔

سوال:۔ جبکہ غائب اور حاضر دونوں کو خطاب کر لیتے ہیں پھر اس میں کیا حرج ہے؟

جواب:۔ دیکھو بٹالہ میں لوگ زندہ موجود ہیں اگر ان کو یہاں سے آواز دو تو کیا وہ کوئی جواب دیتا ہے پھر بغداد میں سید عبدالقادر جیلانی کی قبر پر جا کر آواز دو تو کوئی جواب نہیں آئے گا خدا تعالیٰ تو جواب دیتا ہے جیسا کہ فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن:61) مگر قبروں والوں میں سے کون جواب دیتا ہے پھر کیوں ایسا فعل کرے جو توحید کے خلاف ہے۔

سوال:۔ جب کہ یہ لوگ زندہ ہیں پھر ان کو مردہ تو نہیں کہہ سکتے۔

جواب:۔ زندگی ایک الگ امر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہماری آواز بھی سن لیں یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کے نزدیک زندہ ہیں مگر ہم نہیں مان سکتے کہ ان کو سماع کی قوت بھی ہے حاضر ناظر ہونا ایک الگ صفت ہے جو خدا ہی کو حاصل ہے دیکھو ہم بھی زندہ ہیں مگر لاہور یا امرتسر کی آوازیں نہیں سن سکتے۔ خدا تعالیٰ کے شہید اور اولیاء اللہ بیشک خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں مگر ان کو حاضر ناظر نہیں کہہ سکتے۔ دعاؤں کے سننے والا اور قدرت رکھنے والا خدا ہی ہے اس کو یقین کرنا یہی اسلام ہے جو اس کو چھوڑتا ہے وہ اسلام کو چھوڑتا ہے پھر کس قدر قابلِ شرم یہ امر ہے کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی تو کہتے ہیں یا محمد ﷺ، یا ابوبکر

، یا عمر نہیں کہتے البتہ یا علی کہنے والے ان کے بھائی موجود ہیں یہ شرک ہے کہ ایک تخصیص بلاوجہ کی جاوے۔ جب خدا کے سوا کسی چیز کی محبت بڑھ جاتی ہے تو پھر انسان صُمٌّ وَّبُکْمٌ ہو جاتا ہے جو اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام توحید کے لئے آیا ہے جب توحید کے خلاف چلے تو پھر مسلمان کیسا؟ تعجب کی بات ہے کہ جن لوگوں کو یہ خدا کا حصّہ دار بناتے ہیں خود ان کو بھی یہ مقام توحید ہی کے ماننے سے ملا تھا۔ اگر وہ بھی ایسے ''یا'' کہنے والے ہوتے تو ان کو یہ مقام ہرگز نہ ملتا بلکہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کی اطاعت اختیار کی تب یہ رتبہ ان کو ملا یہ لوگ شیعوں اور عیسائیوں کی طرح ایک قسم کا شرک کرتے ہیں۔ (الحکم 10 مارچ 1904ء صفحہ 12)

مولودخوانی

ایک شخص نے مولودخوانی پر سوال کیا۔ فرمایا:

آنحضرت ﷺ کا تذکرہ بہت عمدہ ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ اولیاء اور انبیاء کی یاد سے رحمت نازل ہوتی ہے اور خود خدا نے بھی انبیاء کے تذکرہ کی ترغیب دی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ایسی بدعات مل جاویں جن سے توحید میں خلل واقع ہو تو وہ جائز نہیں۔ خدا کی شان خدا کے ساتھ اور نبی کی شان نبی کے ساتھ رکھو۔ آج کل کے مولودوں میں بدعت کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور وہ بدعات خدا کے منشاء کے خلاف ہیں۔ اگر بدعات نہ ہوں تو پھر تو وہ ایک وعظ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت، پیدائش اور وفات کا ذکر ہو تو موجب ثواب ہے۔ ہم مجاز نہیں ہیں کہ اپنی شریعت یا کتاب بنالیویں۔

بعض ملاں اس میں غلو کر کے کہتے ہیں کہ مولودخوانی حرام ہے۔ اگر حرام ہے تو پھر کس کی پیروی کرو گے؟ کیونکہ جس کا ذکر زیادہ ہو اس سے محبت بڑھتی ہے اور پیدا ہوتی ہے۔

مولود کے وقت کھڑا ہونا جائز نہیں۔ ان اندھوں کو اس بات کا علم ہی کب ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح آگئی ہے بلکہ ان مجلسوں میں تو طرح طرح کے بدطینت اور بدمعاش

لوگ ہوتے ہیں وہاں آپ کی روح کیسے آسکتی ہے اور یہ کہاں لکھا ہے کہ روح آتی ہے؟

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرآئیل :37)

دونوں طرف کی رعایت رکھنی چاہیے۔ جب تک وہابی جو کہ آنحضرت ﷺ کی عظمت نہیں سمجھتا وہ بھی خدا سے دور ہے۔ انہوں نے بھی دین کو خراب کر دیا ہے۔ جب کسی نبی، ولی کا ذکر آجاوے تو چلاّ اٹھتے ہیں کہ ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے؟ انہوں نے انبیاء کے خوارق سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہا، دوسرے فرقے نے شرک اختیار کیا حتیٰ کہ قبروں کو سجدہ کیا اور اس طرح اپنا ایمان ضائع کیا۔ ہم نہیں کہتے کہ انبیاء کی پرستش کرو بلکہ سوچو اور سمجھو۔ خدا تعالیٰ بارش بھیجتا ہے ہم تو اس پر قادر نہیں ہوتے مگر بارش کے بعد کیسی سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کا وجود بھی بارش ہے۔

پھر دیکھو کہ کوڑی اور موتی دونوں دریا ہی سے نکلتے ہیں پتھر اور ہیرا بھی ایک ہی پہاڑ سے نکلتا ہے مگر سب کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے اسی طرح خدا نے مختلف وجود بنائے ہیں۔ انبیاء کا وجود اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور خدا کی محبت سے بھرا ہوا۔ اس کو اپنے جیسا سمجھ لینا اس سے بڑھ کر اور کیا کفر ہوگا بلکہ خدا نے تو وعدہ کیا ہے کہ جو اُن سے محبت کرتا ہے وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ بہشت میں ایک ایسا مقام عطا ہوگا جس میں صرف میں ہی ہوں گا۔ ایک صحابی رو پڑا کہ حضور مجھے جو آپ سے محبت ہے مَیں کہاں ہوں گا؟ آپؐ نے فرمایا تو بھی میرے ساتھ ہوگا۔ پس سچی محبت سے کام نکلتا ہے۔ ایک مشرک ہرگز سچی محبت نہیں رکھتا۔ میں نے جہاں تک دیکھا ہے۔ وہابیوں میں تیزی اور چالاکی ہوتی ہے۔ خاکساری اور انکساری تو ان کے نصیب نہیں ہوتی یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے آریہ ہیں۔ وہ بھی الہام کے منکر، یہ بھی منکر۔ جب تک انسان براہ راست یقین حاصل نہ کرے قصص کے رنگ میں ہرگز خدا تعالیٰ تک پہنچ نہیں سکتا جو شخص خدا تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتا ہے ضرور ہے کہ اس

پر کچھ تو خدا کا رنگ آجاوے۔

دوسرے گروہ میں سوائے قبر پرستی اور پیر پرستی کے کچھ روح باقی نہیں ہے۔قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔خدا نے امت وسط کہا تھا، وسط سے مراد ہے میانہ رواور وہ دونوں گروہ نے چھوڑ دیا۔ پھر خدا فرماتا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَا تَّبِعُوْنِىْ (ال عمران :32)

کیا آنحضرت ﷺ نے کبھی روٹیوں پر قرآن پڑھا تھا؟ اگر آپ نے ایک روٹی پر پڑھا ہوتا تو ہم ہزار پر پڑھتے ہاں آنحضرت ﷺ نے خوش الحانی سے قرآن سنا تھا اور آپ اس پر روئے بھی تھے۔ جب یہ آیت آئی وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء:42) آپ روئے اور فرمایا بس کر میں آگے نہیں سن سکتا۔آپ کو اپنے گواہ گذرنے پر خیال گذرا ہوگا۔ ہمیں خود خواہش رہتی ہے کہ کوئی خوش الحان حافظ ہو تو قرآن سنیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کام کا نمونہ دکھلا دیا ہے وہ ہمیں کرنا چاہیے۔ سچے مومن کے واسطے کافی ہے کہ دیکھ لیوے کہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے کیا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو کرنے کا حکم دیا ہے کہ نہیں؟ حضرت ابراہیمؑ آپ کے جدامجد تھے اور قابل تعظیم تھے کیا وجہ کہ آپ نے ان کا مولود نہ کروایا؟ (البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 73، 74)

گدی نشینوں کی بدعات

فرمایا:

یہ بات سمجھنے والی ہے کہ ہر ایک مسلمان کیوں مسلمان کہلاتا ہے۔مسلمان وہی ہے جو کہتا ہے کہ اسلام برحق ہے، حضرت محمد ﷺ نبی ہیں،قرآن کتابِ آسمانی ہے۔اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ان سے باہر نہ جاؤں گا۔ نہ عقیدہ میں نہ عبادت میں، نہ عمل درآمد میں۔میری ہر ایک بات اور عمل اس کے اندر اندر ہی ہوگا۔ اب اس کے مقابل پر آپ انصاف سے دیکھیں کہ آج کل گدی والے اس ہدایت کے موافق کیا کچھ کرتے ہیں۔اگر وہ خدا

کی کتاب پر عمل نہیں کرتے تو قیامت کو اس کا جواب کیا ہوگا کہ تم نے میری کتاب پر عمل نہ کیا۔اس وقت طوافِ قبر، کنجریوں کے جلسے اور مختلف طریقے ذکر جن میں سے ایک ارّہ کا ذکر بھی ہے ہوتے ہیں۔لیکن ہمارا سوال ہے کہ کیا خدا بھُول گیا تھا کہ اس نے یہ تمام باتیں کتاب میں نہ لکھ دیں۔نہ رسول کو بتلائیں۔جو رسول ﷺ کی عظمت جانتا ہے اسے ماننا پڑیگا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کے باہر نہ جانا چاہیے۔

کتاب اللہ کے برخلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب بدعت ہے اور سب بدعت فی النّار ہے۔اسلام اس بات کا نام ہے کہ بجُز اس قانون کے جو مقرر ہے اِدھر اُدھر بالکل نہ جاوے۔کسی کا کیا حق ہے کہ بار بار ایک شریعت بناوے۔

بعض پیر زادے چوڑیاں پہنتے ہیں ۔ مہندی لگاتے ہیں ۔لال کپڑے ہمیشہ رکھتے ہیں۔سَدا سہاگن ان کا نام ہوتا ہے ۔اب ان سے کوئی پوچھے کہ آنحضرت ﷺ تو مرد تھے۔اس کو مرد سے عورت بننے کی کیا ضرورت پڑی؟

ہمارا اُصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سُنّت کے سوا نہیں۔کس شئے نے ان کو جرأت دی ہے کہ اپنی طرف سے وہ ایسی باتیں گھڑ لیں۔بجائے قرآن کے کافیاں پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل قرآن سے کھٹا ہوا ہوا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو میری کتاب پر چلنے والا ہو وہ ظلمت سے نور کی طرف آوے گا اور کتاب پر اگر نہیں چلتا تو شیطان اس کے ساتھ ہوگا۔ (البدر 13 مارچ 1903ء صفحہ 59)

سرود کی رسم

مختلف گدی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا۔جو سرود وغیرہ بدعات میں گرفتار ہیں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ:

انسان میں ایک ملکہ احتظاظ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اٹھاتا ہے اور اس کے نفس کو دھوکہ

لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سرور پا رہا ہوں، مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے۔ خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی۔ جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی۔ سب برابر ہو جاتے ہیں۔

(بدر 19 مارچ 1908ء صفحہ 5، 6)

فقراء کے نت نئے طور طریقے

فرمایا:۔

میں تعجب کرتا ہوں کہ آج کل بہت لوگ فقیر بنتے ہیں مگر سوائے نفس پرستی کے اور کوئی غرض اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اصل دین سے بالکل الگ ہیں جس دُنیا کے پیچھے عوام لگے ہوئے ہیں اسی دُنیا کے پیچھے وہ بھی خراب ہو رہے ہیں۔ توجہ اور دم کشی اور منتر جنتر اور دیگر ایسے امور کو اپنی عبادت میں شامل کرتے ہیں جن کا عبادت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ صرف دُنیا پرستی کی باتیں ہیں اور ایک ہندو کافر اور ایک مشرک عیسائی بھی ان ریاضتوں اور ان کی مشق میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا بلکہ اُن سے بڑھ سکتا ہے اصلی فقیر تو وہ ہے جو دنیا کی اغراض فاسدہ سے بالکل الگ ہو جائے اور اپنے واسطے ایک تلخ زندگی قبول کرے تب اس کو حالتِ عرفان حاصل ہوتی ہے اور وہ ایک قوتِ ایمانی کو پاتا ہے۔ آج کل کے پیرزادے اور سجادہ نشین نماز جو اعلیٰ عبادت ہے اس کی یا تو پرواہ نہیں کرتے یا ایسی طرح جلدی جلدی ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی بیگار کاٹنی ہوتی ہے اور اپنے اوقات کو خود تراشیدہ عبادتوں میں لگاتے ہیں جو خدا اور رسول نے نہیں فرمائیں۔ ایک ذکر ارّہ بنایا ہوا ہے جس سے انسان کے پھیپھڑے کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ بعض آدمی ایسی مشقتوں سے دیوانے ہو جاتے ہیں اور بعض مر ہی جاتے ہیں۔ جو دیوانے ہو جاتے ہیں ان کو جاہل لوگ ولی سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضا مندی کی جو راہیں خود ہی مقرر فرما دی ہیں وہ کچھ کم نہیں۔ خدا تعالیٰ ان

باتوں سے راضی ہوتا ہے کہ انسان عفت اور پرہیزگاری اختیار کرے۔ صدق وصفا کے ساتھ اپنے خدا کی طرف جھکے۔ دنیوی کدورتوں سے الگ ہو کر تبتل الی اللہ اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر اختیار کرے۔ خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے۔ نماز انسان کو منزہ بنا دیتی ہے۔ نماز کے علاوہ اُٹھتے بیٹھتے اپنا دھیان خدا تعالیٰ کی طرف رکھے یہی اصل مدعا ہے جس کو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کی قدرتوں میں فکر کرتے ہیں۔ ذکر اور فکر ہر دو عبادت میں شامل ہیں۔ فکر کے ساتھ شکر گذاری کا مادہ بڑھتا ہے۔ انسان سوچے اور غور کرے کہ زمین اور آسمان، ہوا اور بادل، سورج اور چاند، ستارے اور سیارے۔ سب انسان کے فائدے کے واسطے خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ فکر معرفت کو بڑھاتا ہے۔

غرض ہر وقت خدا کی یاد میں اس کے نیک بندے مصروف رہتے ہیں۔ اسی پر کسی نے کہا ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر۔ آج کل کے لوگوں میں صبر نہیں۔ جو اس طرف جھکتے ہیں وہ ابھی ایسے مستعجل ہوتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر ایک دم میں سب کچھ بنا دیا جائے اور قرآن شریف کی طرف دھیان نہیں کرتے کہ اس میں لکھا ہے کہ کوشش اور محنت کرنے والوں کو ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تمام تعلق مجاہدہ پر موقوف ہے۔ جب انسان پوری توجہ کیساتھ دُعا میں مصروف ہوتا ہے تو اس میں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ آستانہ الٰہی پر آگے سے آگے بڑھتا ہے تب وہ فرشتوں کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔

ہمارے فقراء نے بہت سی بدعتیں اپنے اندر داخل کر لی ہیں۔ بعض نے ہندوؤں کے منتر بھی یاد کئے ہوئے ہیں اور ان کو بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارے بھائی صاحب کو ورزش کا شوق تھا۔ اُن کے پاس ایک پہلوان آیا تھا۔ جاتے ہوئے اُس نے ہمارے بھائی صاحب کو الگ لیجا کر کہا کہ میں ایک عجیب تحفہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو بہت ہی قیمتی ہے۔ یہ کہہ کر اُس

نے ایک منتر پڑھ کر اُن کو سُنایا اور کہا کہ یہ منتر ایسا پُر تاثیر ہے کہ اگر ایک دفعہ صبح کے وقت اس کو پڑھ لیا جاوے تو پھر سارا دن نہ نماز کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ وضو کی ضرورت۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے کلام کی ہتک کرتے ہیں۔ وہ پاک کلام جس میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:3) کا وعدہ دیا گیا ہے خود اسی کو چھوڑ کر دوسری طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔ انسان کے ایمان میں ترقی تب ہی ہوسکتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فرمودہ پر چلے اور خدا پر اپنے توکل کو قائم کرے۔ ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو دیکھا کہ وہ کھجوریں جمع کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کس لیے ایسا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ کل کے لیے جمع کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا توکل کے خدا پر ایمان نہیں رکھتا؟ لیکن یہ بات بلالؓ کو فرمائی ہر کسی کو نہیں فرمائی اور ہر ایک کو وعظ اور نصیحت اس کی برداشت کے مطابق کیا جاتا ہے۔ (بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 3)

بہترین ریاضت

ایک شخص نے عرض کی کہ میں پہلے فقراء کے پاس پھرتا رہا اور کئی طرح کی مشکل ریاضتیں انہوں نے مجھ سے کرائیں۔ اب میں نے آپ کی بیعت کی ہے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا:

نئے سرے سے قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے معانی پر خوب غور کرو۔ نماز کو دل لگا کر پڑھو اور احکام شریعت پر عمل کرو۔ انسان کا کام یہی ہے۔ آگے پھر خدا کے کام شروع ہو جاتے ہیں۔ جو شخص عاجزی سے خدا تعالیٰ کی رضا کو طلب کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 3)

آج کل کے پیر

فرمایا:

آج کل کے پیر اکثر فاحشہ عورتوں کو مرید بناتے ہیں۔ بعض ہندوؤں کے پیر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی بدکاریوں پر اور اپنے کفر پر برابر قائم رہتے ہیں۔ صرف پیر کو چندہ دے کر وہ مرید

بن سکتے ہیں۔ اعمال خواہ کیسے ہی ہوں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کو بھی مرید بنا سکتے تھے وہ اپنے بُتوں کی پرستش بھی کرتا رہتا اور اس قدر لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہ پڑتی مگر یہ باتیں بالکل گناہ ہیں۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 3)

جَھنڈ یا بودی رکھنا

سوال پیش ہوا کہ کسی بزرگ کے نام پر جو چھوٹے بچوں کے سر پر جھنڈ یعنی بودی رکھی جاتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا

''ناجائز ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے''

(بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

میّت کے نام پر قبرستان میں کھانا تقسیم کرنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ میت کے ساتھ جو لوگ روٹیاں پکا کر یا اور کوئی شے لے کر باہر قبرستان میں لے جاتے ہیں اور میت کو دفن کرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا:

سب باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس جگہ مساکین جمع ہو جایا کرتے ہیں اور مردے کو صدقہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر وہ دفن ہوا ادھر مساکین کو صدقہ دے دیا جاوے تا کہ اس کے حق میں مفید ہو اور وہ بخشا جاوے تو یہ ایک عمدہ بات ہے لیکن اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا ثواب نہ مردے کے لئے اور نہ دینے والوں کے واسطے اس میں کچھ فائدے کی بات ہے۔

(بدر 16 فروری 1906ء صفحہ 2)

محرم پر تابوت بنانا اور اس میں شامل ہونا

سوال پیش ہوا کہ محرّم میں جو لوگ تابوت بناتے ہیں اور محفل کرتے ہیں اس میں شامل ہونا کیسا ہے؟ فرمایا:

''گناہ ہے۔''

(بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

دسویں محرم کو شربت اور چاول کی تقسیم

قاضی ظہور الدین صاحب اکمل نے سوال کیا کہ محرم دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ لِلّٰہ بہ نیت ایصال ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا:

ایسے کاموں کے لیے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیوں کہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتدا میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لیے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائد باطلہ دور نہیں ہوتے۔ (بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

ذکر ارّہ کرنا کیسا ہے؟

ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ جو صوفیوں نے بنایا ہوا ہے کہ توجہ کے واسطے اس طرح بیٹھنا چاہیے اور پھر اس طرح دل پر چوٹ لگانی چاہیے اور ذکر ارّہ اور دیگر اس قسم کی کتابیں۔ کیا یہ جائز ہیں؟ فرمایا:

یہ جائز نہیں ہیں بلکہ سب بدعات ہیں حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن شریف کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب سلوک کے واسطے کافی ہے جو باتیں اب ان لوگوں نے نکالی ہیں یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ میں ہرگز نہ تھیں۔

یہ صرف ان لوگوں کا اختراع ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** (التوبة : 119) صادق کی صحبت میں رہو تو خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے امور میں مشکلات آسان ہو جاتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ بڑے خدا رسیدہ اور بڑے قبولیت والے انسان تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کا راہ دیکھنا ہو وہ قرآن شریف کو پڑھے۔ اب اگر ہم آنحضرت ﷺ کے فرمودہ طریق پر کچھ بڑھائیں اور نئی باتیں ایجاد کریں یا اس کے برخلاف چلیں تو یہ کفر ہوگا۔ اس زمانہ میں جیسا کہ علماء کے درمیان بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔ ایسا ہی فقراء کے درمیان بھی بہت سے فرقے بن گئے ہیں اور سب اپنی اپنی باتیں نئی طرز کی نکالتے ہیں۔ تمام زمانہ کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ہر جگہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں وہ مجدد بھیجا ہے جس کا نام مسیح موعود رکھا گیا ہے اور جس کا انتظار مدت سے ہو رہا تھا اور تمام نبیوں نے اس کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں اور اس سے پہلے زمانہ کے بزرگ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اس کے وقت کو پائیں۔

(بدر 15 نومبر 1906ء صفحہ 5)

تسبیح کا استعمال کیسا ہے؟

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ لوگ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن تسبیحیں نہیں رکھتے۔ فرمایا:

صحابہؓ کے درمیان کہاں تسبیحیں ہوتی تھیں۔ یہ تو ان لوگوں نے بعد میں باتیں بنائی ہیں۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور کوچہ میں سے گذر رہا تھا۔ راستہ میں ایک بڑھیا نے دیکھا کہ خدا کا نام تسبیح پر گن رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کوئی دوست کا نام گن کر لیتا ہے۔ اس نے اسی جگہ تسبیح پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں ان کو کون گن سکتا ہے۔

(بدر 22 مارچ 1906ء صفحہ 2)

ایک شخص نے پوچھا کہ تسبیح کرنے کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور وہ اس گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا تو وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پوری کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں انھوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ اہل حق تو ہر وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے گنتی کا سوال اور خیال ہی بیہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گن کرلیا کرتا ہے؟ اگر سچی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور پوری توجہ الی اللہ ہو تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ پھر گنتی کا خیال پیدا ہی کیوں ہوگا۔ وہ تو اسی ذکر کو اپنی روح کی غذا سمجھے گا اور جس قدر کثرت سے کرے گا۔ زیادہ لطف اور ذوق محسوس کرے گا اور اس میں اور ترقی کرے گا۔ لیکن اگر محض گنتی مقصود ہوگی تو وہ اسے ایک بیگار سمجھ کر پورا کرنا چاہے گا۔

(الحکم 10 جون 1904ء صفحہ 3)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے لئے ایک تسبیح تحفہ لایا۔ وہ تسبیح آپ نے مجھے دے دی اور فرمایا: لو اس پر درود شریف پڑھا کرو۔ وہ تسبیح بہت خوبصورت تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ تسبیح کے استعمال کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر پسند نہیں فرماتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 166)

سورہ فاتحہ کے تعویذ کی برکت

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

حضرت اقدس کبھی تعویذ آج کل کے درویشوں فقیروں مولویوں کی طرح سے نہیں لکھتے تھے

پانچ چار دفعہ آپ کو تعویذ لکھنے کا کام پڑا ہے اور وہ یوں پڑا ہے کہ خلیفہ نورالدین صاحب ساکن جموں کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔انہوں نے اولاد کے بارہ میں دعا کرائی۔آپ نے فرمایا ہاں ہم دعا کریں گے خلیفہ صاحب نے عرض کی کہ ایک تعویذ مرحمت ہو جائے۔فرمایا لکھ دیں گے پھر ایک دفعہ عرض کی۔فرمایا ہاں یاد دلا دینا لکھ دیں گے۔اب خلیفہ صاحب نے ادب سے تعویذ کے لئے خود عرض کرنا مناسب نہ جانا اور جناب حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ چھوٹے سے تھے ان سے کہا کہ تم تعویذ حضرت اقدس سے لا دو۔ ان کو حضرت اقدس علیہ السلام کے پیچھے لگا دیا۔یہ جب جاتے تو کہتے ابا خلیفہ جی کے واسطے تعویذ لکھ دو۔دو چار دفعہ تو ٹالا لیکن یہ پیچھے لگ گئے۔ایک دن انہوں نے کہا ابا تعویذ لکھ دو۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں تو تعویذ لکھنا نہیں آتا محمود کو جس بات کی ضد پڑ جاتی ہے مانتا نہیں تعویذ لکھ کر دے دیا۔آپ نے معہ بسم اللہ تمام الحمدللہ لکھ کر تعویذ محمود احمد صاحب کو دے دیا یہ لے کر خلیفہ جی کو دے آئے۔بس تعویذ کا باندھنا تھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہ طفیل دعائے مسیح ان کی بیوی حاملہ ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص کا حیدر آباد کی طرف سے خط آیا اور وہ غیر احمدی تھا لکھا کہ ایک تعویذ اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر مجھے بھیج دو۔حضرت اقدس نے مجھے فرمایا صاحبزادہ صاحب ہمیں تو تعویذ لکھنا نہیں آتا۔لاؤ الحمد شریف لکھ دیں۔اسی میں ساری برکتیں ہیں۔آپ نے الحمد لکھ کر مجھ کو دے دی اور فرمایا خط میں بھیج دو۔

ایک شخص کا خط مارواڑ سے آیا اور لکھا کہ ہمارے گھر میں آگ لگ جاتی ہے اور خود بخود لگ جاتی ہے اور طرح طرح کی ہیبت ناک آوازیں آتی ہیں اور ہمارے بال بچے اکثر اور ہم بھی بیمار رہتے ہیں۔کوئی تعویذ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مرحمت فرمایئے تا کہ اس آسیب سے کوئی جن ہے یا خبیث ہے نجات ملے۔فرمایا تم ہی کچھ لکھ دو۔ہم آسیب واسیب کچھ نہیں جانتے۔میں نے

حضرت اقدس علیہ السلام کے کہنے کے مطابق یہ لکھ دیا کہ مکان کے چاروں کونوں میں رات کو ہر روز اذان کہہ دیا کرو۔ پھر میں نے یہ خط حضرت اقدس علیہ السلام کو دکھایا۔فرمایا بہتر ہے یہ خط بھیج دو۔ دو تین ہفتہ کے بعد اس کا خط آیا کہ اب آگ بھی نہیں لگتی اور خواب پریشان بھی نہیں آتے اور خدا تعالیٰ نے ہم سب کو تندرست کر دیا۔ پھر میں نے تعویذ کے لئے عرض کیا تو فرمایا: ہاں لکھ دیں گے پھر ایک روز الحمد لکھ دی اور فرمایا: بھیج دو۔

قادیان کی بعض عورتیں اور گاؤں کی عورتیں آجاتیں کہ مرزا جی ہمیں اپنے ہاتھ کا تعویذ دو۔ آپ فرمادیتے صاحبزادہ صاحب کے پاس جاؤ۔ وہ تعویذ لکھ دیں گے تم جانتی ہو کہ صاحبزادہ صاحب کون ہیں۔ وہ لمبے قد والے پیر صاحب، وہ کہہ دیتی کہ ہاں ہم جانتے ہیں قادیان اور نواح قادیان میں سب مرد و عورت مجھ سے واقف ہیں۔کوئی پیر صاحب کوئی بڑا پیر کہتے تھے۔ پھر وہ عورتیں میرے پاس آتیں اور کہتیں کہ مرزا صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔تعویذ لکھ دو۔ میں بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے دیکھا دیکھی الحمد شریف ہی لکھ دیا کرتا تھا۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 184-186)

تعویذ گنڈوں کے فوائد تصوراتی ہیں

ایک صاحب نے گنڈے،تعویذات کی تاثیرات کی نسبت استفسار کیا۔اس پر فرمایا:

ان کا اثر ہونا تو ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔اس قسم کے علاج تصورات کے مدّ میں آجاتے ہیں کیونکہ تصورات کو انسان پر اثر اندازی میں بڑا اثر ہے۔اس سے ایک کو ہنسا دیتے ہیں،ایک کو رُلا دیتے ہیں اور کئی چیزیں جو کہ واقعی طور پر موجود نہ ہوں،دوسروں کو دِکھلا دیتے ہیں اور بعض امراض کا علاج ہوتا ہے۔اکثر اوقات تعویذوں سے فائدہ بھی نہیں ہوتا۔تو آخر تعویذ دینے والے کو کہنا پڑتا ہے کہ اب میری پیش نہیں چلتی۔

(البدر 21 اگست 1903ء صفحہ 242)

دلائل الخیرات کا ورد

ایک روز ایک شخص نے سوال کیا کہ دلائل الخیرات کا ورد اور پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا: دلائل الخیرات میں جتنا وقت خرچ ہو۔ اگر نماز اور قرآن شریف کی تلاوت میں خرچ ہو تو کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ کتابیں قرآن شریف اور نماز سے روک دیتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام اور حکم ہے اور انسانوں کا بناوٹی وظیفہ ہے۔ فرمایا قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں کا بھی لوگ وظیفہ کرتے ہیں اور یہ بدعت ہے اور ناسمجھی سے ایسا کرتے ہیں۔ قرآن شریف وظیفہ کے لئے نہیں ہے۔ یہ عمل کرنے کے لئے اور اخلاق کو درست کرنے کے لئے ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو تسبیح ہاتھ میں دے کر حجروں میں بٹھا دیتے تو دین ہم تک کب تک پہنچتا۔ وہاں تو تلوار تھی اور جہاد تھا اور آپ بار بار فرماتے تھے کہ **اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ** یعنی جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ ہمارا زمانہ بھی منہاج نبوت کا زمانہ اور ہمارا طریق بھی منہاج نبوت کا طریق ہے۔ اب لوگوں کو چاہئے کہ حجروں میں آگ لگا دیں۔ تسبیح ہاتھ سے پھینک دیں۔ رنگے کپڑوں کو جلا کر راکھ کر دیں اور جہاد کے لئے اور دین کی حمایت کے لئے مال سے، جان سے، ہاتھ سے، جس طرح سے ہو سکے کریں۔ جب جہاد سیفی جہاد تھا اور اب جہاد لسانی و قلمی ہے۔ جہاد جب بھی تھا اور اب بھی ہے لیکن صورت جہاد بدل گئی ہے۔ مومن کبھی قشر پر راضی نہیں ہوتا، وہ مغز چاہتا ہے۔ لفظ پرستی کفر ہے، نرے لفظوں کے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس پر عمل کرنے سے اس کے مطابق چلنے سے کام چلتا ہے۔ (تذکرۃ المہدی صفحہ 183-184)

بابا بلھے شاہ کی کافیاں

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

(پادری عماد الدین کی کتاب توزین الاقوال کا ذکر حضور کی مجلس میں ہو رہا تھا۔) میں نے عرض کیا کہ حضرت! اسی کتاب میں عماد الدین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ولی نہیں ہوا۔

ہاں ایک شخص کو سنا ہے کہ بُلّھے شاہ قصور میں ہوا ہے۔اس کی کافیاں سُننے اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو کوئی چیز نہیں سمجھتا ہے اور بُرے لفظوں سے یاد کرتا ہے اور شراب اور اباحت کو پسند کرتا ہے اور اسلام کی جابجا کافیوں میں توہین کرتا ہے۔حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:

ایسے ہی لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔ یہ لوگ درحقیقت ننگِ اسلام اور عار ایمان ہیں۔ایسے لوگوں کا وجود بدنام کنندہ صلحاء ہے۔مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ نہ ایسے لوگ ہوتے اور نہ اسلام پر دھبہ لگتا۔اگرچہ اسلام تو ایسا منور ہے کہ اس پر کسی قسم کا داغ دھبہ نہیں لگ سکتا لیکن ایسے لوگوں سے بجائے نفع کے نقصان پہنچا اور جن کے دلوں میں زیغ اور کجی ہے وہ ایسی ایسی باتیں پیش کر دیتے ہیں اور عمدہ پاک لوگوں کو چھوڑ کر ایسے بیہودہ لوگ چھانٹ لیتے ہیں ورنہ اسلام نے تو اپنی پاک تاثیرات سے ہزار در ہزار اور کروڑ در کروڑ انسانوں کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ وہ درجہ مسیح کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 45-46)

بسم اللہ کی رسم

ایک شخص نے بذریعہ تحریر عرض کی کہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب بچے کو بسم اللہ کرائی جاوے تو بچے کو تعلیم دینے والے مولوی کو ایک عدد تختی چاندی یا سونے کی اور قلم و دوات چاندی یا سونے کی دیجاتی ہے۔اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر چاہتا ہوں کہ یہ اشیاء اپنے بچے کی بسم اللہ پر آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

تختی اور قلم و دوات سونے یا چاندی کی دینا یہ سب بدعتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے اور باوجود غربت کے اور کم جائیداد ہونے کے اس قدر اسراف اختیار کرنا سخت گناہ ہے۔

(بدر 5 ستمبر 1907ء صفحہ 3)

کلام پڑھ کر پھونکنا

ایک دوست نے سوال کیا کہ مجھے قرآن شریف کی کوئی آیت بتلائی جاوے کہ میں پڑھ کر اپنے بیمار کو دم کروں تا کہ اس کو شفا ہو۔ حضرت نے فرمایا:۔

بے شک قرآن شریف میں شفا ہے۔ روحانی اور جسمانی بیماریوں کا وہ علاج ہے مگر اس طرح کے کلام پڑھنے میں لوگوں کو ابتلاء ہے۔ قرآن شریف کو تم اس امتحان میں نہ ڈالو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے بیمار کے واسطے دعا کرو۔ تمہارے واسطے یہی کافی ہے۔

(بدر 25/اکتوبر 1906ء صفحہ 4)

کشف قبور کا دعویٰ بے ہودہ بات ہے

فرمایا:

یہ لوگ جو کشف قبور لئے پھرتے ہیں یہ سب جھوٹ، لغو اور بے ہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ اس طرف ایک شخص پھرتا ہے اور اس کو بڑا دعویٰ کشف قبور کا ہے۔ اگر اس کا علم سچا ہے تو چاہیے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں، مگر یہ سب بے ہودہ باتیں ہیں اور ان کے پیچھے پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ سعید آدمی کو چاہیے کہ ایسے خیالات میں اپنے اوقات کو خراب نہ کرے اور اس طریق کو اختیار کرے جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کے صحابہؓ نے اختیار کیا۔

(بدر 19 مارچ 1908ء صفحہ 5)

خودساختہ وظائف واذکار

بڑے بڑے صوفیوں، سجادہ نشینوں نے اپنا کمال اس میں سمجھ رکھا ہے کہ بڑے لمبے چوڑے وظائف اور اذکار و اشغال خود ہی تجویز کر لیے ہیں۔ اور اُن میں پڑ کر اصل کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ پھر بڑے سے بڑا کام کیا تو یہ کرلیا کہ چِلّہ کرتے ہیں۔ کچھ جَو ساتھ لے

جاتے ہیں۔ایک آدمی مقرر کر لیتے ہیں جو ہر روز دودھ یا کوئی اور چیز پہنچا آتا ہے۔ایک تنگ وتاریک گندی سی کوٹھڑی یا غار ہوتی ہے اور اس میں پڑے رہتے ہیں۔خدا جانے وہ اس میں کس طرح رہتے ہیں۔پھر بُری بُری حالتوں میں باہر نکلتے ہیں۔یہ اسلام رہ گیا ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان چلّہ کشیوں سے اسلام اور مُسلمانوں یا عام لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اور اس میں اخلاق میں کیا ترقی ہوتی ہے۔　(الحکم 9 جولائی 1900ء صفحہ 4)

فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ جن لوگوں نے ان ارکان کو چھوڑ کر اور بدعتیں تراشی ہیں یہ اُن کی اپنی شامت اعمال ہے ورنہ قرآن شریف تو کہہ چکا تھا اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المائدۃ :4) اکمال دین ہو چکا تھا اور اتمامِ نعمت بھی ،خدا کے حضور پسندیدہ دین اسلام ٹھہر چکا تھا۔اب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعمال خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمال صالحہ کی بجائے قسم قسم کے ذکر اذکار نکال لینا یہ لذت روح کے لیے نہیں ہے بلکہ لذت نفس کی خاطر ہے۔لوگوں نے لذت نفس اور لذت روح میں فرق نہیں کیا اور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے حالانکہ وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔اگر لذت نفس اور لذت روح ایک ہی چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ ایک بدکار عورت کے گانے سے بدمعاشوں کو زیادہ لذت آتی ہے۔کیا وہ اس لذت نفس کی وجہ سے عارف باللہ اور کامل انسان مانے جائیں گے۔ہرگز نہیں جن لوگوں نے خلاف شرع اور خلاف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راہیں نکالی ہیں ان کو یہی دھوکا لگا ہے کہ وہ نفس اور رُوح کی لذت میں کوئی فرق نہیں کر سکے ورنہ وہ ان بیہودگیوں میں روح کی لذت اور اطمینان نہ پاتے۔ان میں نفس مطمئنہ نہیں ہے جو بُلّھے شاہ کی کافیوں میں لذت کے جویاں ہیں روح کی لذت قرآن شریف سے آتی ہے۔

(الحکم 31 جولائی 1902ء صفحہ 8)

نیز فرمایا:

(ان لوگوں نے) اپنی شامتِ اعمال کو نہیں سوچا اُن اعمال خیر کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے، ترک کر دیا اور ان کی بجائے خود تراشیدہ درود و وظائف داخل کر لیے اور چند کافیوں کا حفظ کر لینا کافی سمجھا گیا۔ بلّھے شاہ کی کافیوں پر وجد میں آ جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا جہاں وعظ ہو رہا ہو وہاں بہت ہی کم لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن جہاں اس قسم کے مجمعے ہوں وہاں ایک گروہ کثیر جمع ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کی طرف سے یہ کم رغبتی اور نفسانی اور شہوانی اُمور کی طرف توجہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ لذت روح اور لذت نفس میں ان لوگوں نے کوئی فرق نہیں سمجھا۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض ان رقص و سرود کی مجلسوں میں دانستہ پگڑیاں اُتار لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں صاحب کی مجلس میں بیٹھتے ہی وجد ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بدعتیں اور اختراعی مسائل پیدا ہو گئے ہیں اصل بات یہ کہ جنہوں نے نماز سے لذّت نہیں اُٹھائی اور اس ذوق سے محروم ہیں۔ وہ روح کی تسلّی اور اطمینان کی حالت ہی کو نہیں سمجھ سکتے اور نہیں جانتے کہ وہ سرور کیا ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اس قسم کی بدعتیں مسلمان کہلا کر نکالتے ہیں۔ اگر روح کی خوشی اور لذت کا سامان اسی میں تھا تو چاہیے تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ جو عارف ترین اور اکمل ترین انسان دنیا میں تھے، وہ بھی اس قسم کی کوئی تعلیم دیتے یا اپنے اعمال سے ہی کچھ کر دکھاتے۔ میں ان مخالفوں سے جو بڑے بڑے مشائخ اور گدی نشین اور صاحب سلسلہ ہیں پوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درود، وظائف اور چلہ کشیاں، اُلٹے سیدھے لٹکنا بھول گئے تھے؟ اگر معرفت اور حقیقت شناسی کا یہی ذریعہ اصل تھے۔ مجھے بہت ہی تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن شریف میں یہ پڑھتے ہیں **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ** (المائدة :4) اور دوسری طرف اپنی ایجادوں اور بدعتوں سے اس تکمیل کو توڑ کر ناقص

ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ایک طرف تو یہ ظالم طبع لوگ مجھ پر افترا کرتے ہیں کہ گویا میں ایسی مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جو صاحب شریعت نبی ﷺ کے سوا الگ نبوت ہے، مگر دُوسری طرف یہ اپنے اعمال کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ جھوٹی نبوت کا دعویٰ تو خود کر رہے ہیں۔ جب کہ خلافِ رسول اور خلافِ قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔اب اگر کسی کے دل میں انصاف اور خدا کا خوف ہے تو کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ یا کم کرتے ہیں جب کہ اسی قرآن شریف کے بموجب ہم تعلیم دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ......ہی کو اپنا امام اور حکم مانتے ہیں کیا ارّہ کا ذکر میں نے بتایا ہے اور پاس انفاس اور نفی واثبات کے ذکر اور کیا کیا میں سکھاتا ہوں پھر جھوٹی اور مستقل نبوت کا دعویٰ تو یہ لوگ خود کرتے ہیں اور الزام مجھے دیتے ہیں۔

(الحکم 10 اگست 1902ء صفحہ 5)

تصورِ شیخ

سوال: جو تصورِ شیخ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم شیخ کو خدا نہیں سمجھتے۔

جواب: مانا کہ وہ ایسا کہتے ہیں مگر بت پرستی تو شروع ہی تصور سے ہوتی ہے۔بُت پرست بھی بڑھتے بڑھتے ہی اس درجہ تک پہنچا ہے۔ پہلے تصور ہی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ لیا کہ تصور قائم رکھنے کے لئے بہتر ہے تصویر ہی بنالیں اور پھر اس کو ترقی دیتے دیتے پتھر اور دھاتوں کے بُت بنانے شروع کر دیئے اور اُن کو تصویر کا قائم مقام بنالیا۔آخر یہاں تک ترقی کی کہ اُن کی روحانیت کو اور وسیع کر کے ان کو خدا ہی مان لیا۔اب نرے پتھر ہی رکھ لیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ منتر کے ساتھ اُن کو درست کر لیتے ہیں اور پرمیشر کا حلُول ان پتھروں میں ہو جاتا ہے۔اس منتر کا نام انہوں نے اواہن رکھا ہوا ہے۔مَیں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ مَیں نے ایک شخص کو دیا کہ اسے پڑھو، تو اس نے کہا کہ اس پر اواہن لکھا ہوا ہے۔ مجھے اس سے

کراہت آئی۔مَیں نے اُسے کہا کہ تُو مجھے دکھا۔ جب مَیں نے پھر ہاتھ میں لے کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا۔ اَرَدْتُ اَنْ اُسْتَخْلَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ جو ہوتا ہے، ردائے الٰہی کے نیچے ہوتا ہے۔اسی لیے آدمؑ کے لیے فرمایا کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر :30)اسی طرح پر غلطیاں پیدا ہوتی گئیں۔اُصول کو نہ سمجھا۔کچھ کا کچھ بگاڑ کر بنالیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ شرک اور بُت پرستی نے اس کی جگہ لے لی۔ ہماری تصویر کی اصل غرض وہی تھی جو ہم نے بیان کر دی کہ لنڈن کے لوگوں کو اطلاع ہو اور اس طرح پر ایک اشتہار ہو جاوے۔

(الحکم 24راکتوبر 1901ء صفحہ 2)

قلب جاری ہو جانے کا مسئلہ

فرمایا:

تصورِ شیخ کا مسئلہ ہندوؤں کی ایجاد اور ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے۔چنانچہ قلب جاری ہونے کا مسئلہ بھی ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے۔قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔اگر خدا تعالیٰ کی اصل غرض انسان کی پیدائش سے یہ ہوتی ،تو پھر اتنی بڑی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔صرف اجرائے قلب کا مسئلہ بتا کر اس کے طریقے بتا دیئے جاتے۔ مجھے ایک شخص نے معتبر روایت کی بنا پر بتایا کہ ہندو کا قلب رام رام پر جاری تھا۔ایک مسلمان اس کے پاس گیا اس کا قلب بھی رام رام پر جاری ہو گیا۔ یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔رام خدا کا نام نہیں ہے۔ دیانند نے بھی اس پر گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا نام نہیں ہے۔قلب جاری ہونے کا دراصل ایک کھیل ہے جو سادہ لوح جُہلا کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے کیا جاتا ہے۔اگر لوٹا لوٹا کہا جاوے تو اس پر بھی قلب جاری ہو سکتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو تو پھر وہی بولتا ہے۔ یہ تعلیم قرآن نے نہیں دی ہے، بلکہ اس سے بہتر تعلیم دی ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء :90) خدا یہ چاہتا ہے کہ سارا وجود ہی قلب ہو جائے ورنہ اگر وجود سے خدا کا ذکر جاری نہیں ہوتا تو ایسا قلب قلب نہیں بلکہ کلب ہے۔

خدا یہی چاہتا ہے کہ خدا میں فنا ہو جاؤ اور اس کے حدود و شرائع کی عظمت کرو۔ قرآن فناءِ نظری کی تعلیم دیتا ہے۔ میں نے آزما کر دیکھا ہے کہ قلب جاری ہونے کی صرف ایک مشق ہے جس کا انحصار صلاح وتقویٰ پر نہیں ہے۔ ایک شخص منٹگمری یا ملتان کے ضلع کا مجھے چیف کورٹ میں ملا کرتا تھا، اسے اجرائے قلب کی خوب مشق تھی۔ پس میرے نزدیک یہ کوئی قابل وقعت بات نہیں اور خدا تعالیٰ نے اس کو کوئی عزت اور وقعت نہیں دی۔ خدا تعالیٰ کا منشا اور قرآن شریف کی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا (الشمس :10) کپڑا جب تک سارا نہ دھویا جائے وہ پاک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح پر انسان کے سارے جوارح اس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جائیں۔ کسی ایک کے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں، مگر انسان کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں اور اپنے تجربے کی بناء پر گواہی دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی اور سنت نبوی کے موافق تبدیلی نہیں کرتا اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا تو خواہ اس کے قلب سے ہی آواز آتی ہو، وہ زہر جو انسان کی روحانیت کو ہلاک کر دیتی ہے دور نہیں ہوسکتی۔ روحانیت کے نشوونما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباع رسول ہے۔ جو لوگ قلب جاری ہونے کے شعبدے لئے پھرتے ہیں انہوں نے سنت نبوی کی سخت توہین کی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان دنیا میں گزرا ہے؟ پھر غار حرا میں بیٹھ کر وہ قلب جاری کرنے کی مشق کیا کرتے تھے یا فنا کا طریق آپ نے اختیار کیا ہوا تھا؟ پھر آپ کی ساری زندگی میں کہیں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ آپ نے صحابہ کو یہ تعلیم دی ہو کہ تم قلب جاری کرنے کی مشق کرو اور کوئی ان قلب جاری کرنے والوں میں سے پتا نہیں دیتا اور کبھی نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بھی قلب بھی جاری تھا۔ یہ تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ کبھی کچھ بھی نہیں

ہوا۔قرآن شریف اگر کچھ بتا تا ہےتو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو۔اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ کے مصداق بنو اور فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران :32) پرعمل کرواور ایسی فنااتم تم پرآ جائے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (المزمل:9) کے رنگ سےتم رنگین ہوجاؤاور خدا تعالیٰ کوسب چیزوں پرمقدم کرلو۔ یہ امور ہیں جن کے حصول کی ضرورت ہے۔نادان انسان اپنے عقل اور خیال کے پیمانہ سے خدا کو ناپنا چاہتا ہےاوراپنی اختراع سے چاہتا ہے کہ اس سے تعلق پیدا کرے اور یہی ناممکن ہے۔

پس میری نصیحت یہی ہے کہ ان خیالات سے بالکل الگ رہواور وہ طریق اختیار کرو جو خدا تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہےاوراپنے طرزعمل سے ثابت کردکھایا کہ اسی پر چل کر انسان دنیا اور آخرت میں فلاح اور فوز حاصل کرسکتا ہے اور صحابہ کرام کوجس کی تعلیم دی۔پھر وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدوں نے سنت جاریہ کی طرح اپنے اعمال سے ثابت کیا اور آج بھی خدا نے اسی کو پسند کیا ہے۔اگر خدا تعالیٰ کا اصل منشاء یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ آج بھی جب اس نے ایک سلسلہ گمشدہ صداقتوں اور حقائق کے زندہ کرنے کے لئے قائم کیا یہی تعلیم دیتا ہےاورمیری تعلیم کا منتہا یہی ہوتا۔مگرتم دیکھتے ہو کہ خدا نے ایسی تعلیم نہیں دی ہے، بلکہ وہ تو قلب سلیم چاہتا ہے وہ محسنوں اور متقیوں کو پیار کرتا ہے،ان کا ولی ہوتا ہے۔کیا سارے قرآن میں ایک جگہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ ان کو پیار کرتا ہےجن کے قلب جاری ہوں؟ یقیناً سمجھو کہ یہ محض خیالی باتیں اور کھیلیں ہیں جن کا اصلاح نفس اور روحانی امور سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ ایسے کھیل خدا سے بُعد کا موجب ہو جاتے ہیں اور انسان کے عملی حصہ میں مضر ثابت ہوتے ہیں،اس لئے تقویٰ اختیار کرو۔سنت نبوی کی عزت کرواور اس پر قائم ہوکر دکھاؤ جوقرآن شریف کی تعلیم کا اصل فخر یہی ہے۔

سوال: پھر صوفیوں کوکیا غلطی لگی؟

جواب:ان کوحوالہ بخدا کرو۔معلوم نہیں انہوں نے کیا سمجھا اور کہاں سے سمجھا تِلْكَ اُمَّةٌ

قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ (البقرۃ:135) بعض وقت لوگوں کو دھوکا لگتا ہے کہ وہ ابتدائی حالت کو انتہائی سمجھ لیتے ہیں۔ کیا معلوم کہ انہوں نے ابتدا میں یہ کہا ہو پھر آخر میں چھوڑ دیا ہو یا کسی اور ہی نے ان کی باتوں میں التباس کر دیا ہو اور اپنے خیالات ملا دیئے ہوں۔ اسی طرح پر تو تورات اور انجیل میں تحریف ہوگئی ہے۔ گزشتہ مشائخ کا اس میں نام بھی نہیں لینا چاہیے۔ ان کا تو ذکر خیر چاہیے۔ انسان کو لازم ہے کہ جس غلطی پر خدا اسے مطلع کردے خود اس میں نہ پڑے۔ خدا نے یہی فرمایا ہے کہ شرک نہ کرو اور تمام عقل اور طاقت کے ساتھ خدا کے ہو جاؤ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ مَنۡ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

(الحکم 31/اکتوبر 1901ء صفحہ 1، 2)

حبس دم

سوال: حبس دم کیا ہے؟

جواب:۔ ''یہ بھی ہندو جوگیوں کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔''

(الحکم 31/اکتوبر 1901ء صفحہ 2)

نصف شعبان (شب براءت) کی رسوم

نصف شعبان کی نسبت فرمایا:

''یہ رسوم حلوا وغیرہ سب بدعات ہیں۔'' (بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 7)

برآمدگی مراد کے لئے ذبیحہ دینا

سوال پیش ہوا کہ برائے برآمدگی مراد یا سیرابی ملک یا بطور چڑھ جو لوگ ذبیحہ دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

''جائز نہیں ہے۔''

(بدر 14 مارچ 1907ء صفحہ 5)

نئی ایجادات

فوٹوگرافی، ٹیکہ، ریل کی سواری

اسباب سے استفادہ جائز ہے

فرمایا:

علاج حرام تو نہیں اب دیکھو انگریزوں نے ریل بنائی ہے ہم اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تار ایجاد کی ہے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تیلیاں آگ جلانے کی ولایت سے آتی ہیں۔ اسی طرح اگر ان کی دوا ہو اور ہم استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں جو خدا بتلا دیوے وہ حارج نشان نہیں ہے۔ اگر ٹیکہ کروا کر یہ کہیں کہ نشان ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم کو علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی مخفی امر ہے جو بعد ازاں معلوم ہوگا ورنہ ہم ان کی چیزیں اور ادویہ استعمال کرتے ہی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ جب تک طاعونی کیڑے کا کوئی طبیعت میں تعلق نہ ہو تب تک طاعون نہیں ہوتی اور دوسری طرف آپ وہ کیڑے داخل کرتے ہیں اور چیچک کے ساتھ اس کا قیاس مع الفارق ہے۔ چیچک کا مادہ تو شیرِ مادر کے ساتھ آتا ہے مگر اس میں ظن کیا گیا ہے کہ بہت سی طبائع میں مادہ موجود ہی نہیں ہوتا۔ صرف اس ظن پر ٹیکہ لگایا جاتا ہے کسی طرح وہ مادہ نہ آجائے۔ (البدر 31/اکتوبر 1902ء صفحہ 6)

خادمِ شریعت فن جائز ہے

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ کیا عکسی تصویر لینا شرعاً جائز ہے؟

فرمایا:

’’یہ ایک نئی ایجاد ہے، پہلی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔بعض اشیاء میں ایک من جانب اللہ خاصیت ہے جس سے تصویر اُتر آتی ہے۔اگر اس فن کو خادمِ شریعت بنایا جاوے تو جائز ہے۔‘‘

(بدر 24، 31دسمبر 1908ء صفحہ 5)

فوٹوگرافی

منشی نظیر حسین صاحب نے سوال کیا کہ میں فوٹو کے ذریعہ تصویریں اتارا کرتا تھا اور دل میں ڈرتا تھا کہ کہیں یہ خلاف شرع نہ ہو لیکن جناب کی تصویر دیکھ کر یہ وہم جاتا رہا۔فرمایا

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ہم نے اپنی تصویر محض اس لحاظ سے اتروائی تھی کہ یورپ کو تبلیغ کرتے وقت ساتھ تصویر بھیج دیں، کیونکہ ان لوگوں کا عام مذاق اسی قسم کا ہو گیا ہے کہ وہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں ساتھ ہی اس کی تصویر دیتے ہیں جس سے وہ قیافہ کی مدد سے بہت سے صحیح نتائج نکال لیتے ہیں۔مولوی لوگ جو میری تصویر پر اعتراض کرتے ہیں۔وہ خود اپنے پاس روپیہ پیسہ کیوں رکھتے ہیں کیا ان پر تصویریں نہیں ہوتی ہیں۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے جو اعمال کا مدار نیّات پر رکھتا ہے۔بدر کی لڑائی میں ایک شخص میدان جنگ میں نکلا جو اترا کر چلتا تھا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو یہ چال بہت بُری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (بنی اسرآئیل:38)

مگر اس وقت یہ چال خدا تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے کیونکہ یہ اس کی راہ میں اپنی جان تک نثار کرتا ہے اور اس کی نیت اعلیٰ درجہ کی ہے۔غرض اگر نیت کا لحاظ نہ رکھا جاوے تو بہت مشکل پڑتی ہے۔اسی طرح پر ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جن کا تہ بند نیچے ڈھلکتا ہے وہ دوزخ میں جاویں گے۔حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے کیونکہ اُن کا تہ بند بھی ویسا تھا۔

آپؑ نے فرمایا کہ تو اُن میں سے نہیں ہے۔غرض نیت کو بہت بڑا دخل ہے اور حفظ مراتب ضروری شے ہے۔

منشی نظیر حسین صاحب: میں خود تصویر کشی کرتا ہوں۔اس کے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا:

اگر کفر اور بت پرستی کو مدد نہیں دیتے۔تو جائز ہے، آج کل نقوش و قیافہ کا علم بہت بڑھا ہوا ہے۔

(الحکم 24 مئی 1904ء صفحہ 3)

تصویر مفسد نماز نہیں

ایک شخص نے دریافت کیا کہ تصویر کی وجہ سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی ۔جواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا:۔

کفار کے تتبّع پر تو تصویر ہی جائز نہیں ۔ ہاں نفس تصویر میں حرمت نہیں بلکہ اُس کی حُرمت اضافی ہے، اگر نفس تصویر مفسد نماز ہو تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا پھر روپیہ پیسہ نماز کے وقت پاس رکھنا مفسد نہیں ہوسکتا۔اس کا جواب اگر یہ دو کہ روپیہ پیسہ کا رکھنا اضطراری ہے۔ میں کہوں گا کیا اگر اضطرار سے پاخانہ آجاوے تو وہ مفسد نماز نہ ہوگا۔اور پھر وضو کرنا نہ پڑے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ تصویر کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس سے کوئی دینی خدمت مقصود ہے یا نہیں ۔اگر یوں ہی بے فائدہ تصویر رکھی ہوئی ہے اور اس سے کوئی دینی فائدہ مقصود نہیں تو یہ لغو ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون : 4) لغو سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے لیکن ہاں اگر کوئی دینی خدمت اس ذریعے سے بھی ہوسکتی ہو تو منع نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ علوم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

مثلاً ہم نے ایک موقعہ پر عیسائیوں کے مثلث خدا کی تصویر دی ہے جس میں روح القدس بشکل کبوتر دکھایا گیا ہے اور باپ اور بیٹے کی بھی جدا جدا تصویر دی ہے۔اس سے ہماری یہ غرض

تھی کہ تا تثلیث کی تردید کر کے دکھائیں کہ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہے جو حیّ و قیوم ازلی وابدی غیر متغیر ہے اور تجسّم سے پاک ہے۔اس طرح پر اگر خدمت اسلام کے لیے کوئی تصویر ہو، تو شرع کلام نہیں کرتی کیونکہ جو امور خادم شریعت ہیں ان پر اعتراض نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس کل نبیوں کی تصویریں تھیں۔قیصر روم کے پاس جب صحابہ گئے تھے، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اسکے پاس دیکھی تھی۔تو یاد رکھنا چاہیے کہ نفس تصویر کی حرمت نہیں بلکہ اس کی حرمت اضافی ہے جو لوگ لغو طور پر تصویریں رکھتے اور بناتے ہیں وہ حرام ہیں۔شریعت ایک پہلو سے حرام کرتی ہے اور ایک جائز طریق پر اسے حلال ٹھہراتی ہے۔روزہ ہی کو دیکھو رمضان میں حلال ہے لیکن اگر عید کے دن روزہ رکھے تو حرام ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی

حرمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک بالنفس حرام ہوتی ہے، ایک بالنسبت۔جیسے خنزیر بالکل حرام ہے خواہ وہ جنگل کا ہو یا کہیں کا، سفید ہو یا سیاہ، چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک قسم کا حرام ہے۔یہ حرام بالنفس ہے۔لیکن حرام بالنسبت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص محنت کر کے کسبِ حلال سے روپیہ پیدا کرے تو حلال ہے لیکن اگر وہی روپیہ نقب زنی قمار بازی سے حاصل کرے تو حرام ہوگا۔بخاری کی پہلی ہی حدیث ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

ایک خونی ہے اگر اس کی تصویر اس غرض سے لے لیں کہ اس کے ذریعہ اس کو شناخت کر کے گرفتار کیا جاوے تو یہ نہ صرف جائز ہوگی، بلکہ اس سے کام لینا فرض ہو جائے گا۔اسی طرح اگر ایک شخص اسلام کی توہین کرنے والے کی تصویر بھیجتا ہے تو اس کو اگر کہا جاوے کہ حرام کام کیا ہے تو یہ کہنا موذی کا کام ہے۔

یاد رکھو اسلام بُت نہیں بلکہ زندہ مذہب ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل ناسمجھ مولویوں نے لوگوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ دیا ہے۔

آنکھوں میں ہر شے کی تصویر بنتی ہے۔ بعض پتھر ایسے ہیں کہ جانور اُڑتے ہیں تو خود بخود اُن کی تصویر اتر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام مصور ہے۔ **یُصَوِّرُ کُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ** (ال عمران:7) پھر بلا سوچے سمجھے کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہی ہے جو میں نے بیان کی ہے کہ تصویر کی حرمت غیر حقیقی ہے کسی محل پر ہوتی ہے اور کسی پر نہیں۔ غیر حقیقی حرمت میں ہمیشہ نیت کو دیکھنا چاہیے۔ اگر نیت شرعی ہے تو حرام نہیں ورنہ حرام ہے۔

(الحکم 28 فروری 1902ء صفحہ 6)

حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی تصویر ڈاک کے کارڈ پر چھپوانے پر ناپسندیدگی

مفتی محمد صادق صاحبؓ نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک شخص کی تحریری درخواست بذریعہ کارڈ کے ان الفاظ میں پیش کی کہ یہ شخص حضور کی تصویر کو خط وکتابت کے کارڈوں پر چھاپنا چاہتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا:

میں تو اسے ناپسند کرتا ہوں۔ یہ الفاظ جا کر میں نے اپنے کانوں سے سنے لیکن حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ یہ بدعت بڑھتی جاتی ہے۔ میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔

(البدر یکم و 8 نومبر 1904ء صفحہ 9)

ایک اور موقع پر ذکر آیا کہ ایک شخص نے حضور کی تصویر ڈاک کے کارڈ پر چھپوائی ہے تا کہ لوگ ان کارڈوں کو خرید کر خطوط میں استعمال کریں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

میرے نزدیک یہ درست نہیں۔ بدعت پھیلانے کا یہ پہلا قدم ہے۔ ہم نے جو تصویر فوٹو

لینے کی اجازت دی تھی وہ اس واسطے تھی کہ یورپ امریکہ کے لوگ جو ہم سے بہت دور ہیں اور فوٹو سے قیافہ شناسی کا علم رکھتے ہیں اوراس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اُن کے لیے ایک روحانی فائدہ کا موجب ہو۔ کیونکہ جیسا تصویر کی حرمت ہے۔اس قسم کی حرمت عموم نہیں رکھتی بلکہ بعض اوقات مجتہد اگر دیکھے کہ کوئی فائدہ ہے اور نقصان نہیں تو وہ حسب ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔خاص اس یورپ کی ضرورت کے واسطے اجازت دی گئی۔ چنانچہ بعض خطوط یورپ امریکہ سے آئے جن میں لکھا تھا کہ تصویر کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل وہی مسیح ہے۔ ایسا ہی امراض کی تشخیص کے واسطے بعض وقت تصویر سے بہت مدد مل سکتی ہے۔شریعت میں ہر ایک امر جو مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ (الرعد:18) کے نیچے آئے اس کو دیر پا رکھا جاتا ہے لیکن یہ جو کارڈوں پر تصویریں بنتی ہیں ان کو خریدنا نہیں چاہیے۔بت پرستی کی جڑ تصویر ہے۔جب انسان کسی کا معتقد ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ تعظیم تصویر کی بھی کرتا ہے۔ایسی باتوں سے بچنا چاہیے اور ان سے دور رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت پر سر نکالتے ہی آفت پڑ جائے۔ میں نے اس ممانعت کو کتاب میں درج کر دیا ہے جو زیر طبع ہے۔جو لوگ جماعت کے اندر ایسا کام کرتے ہیں اُن پر ہم سخت ناراض ہیں۔ان پر خدا ناراض ہے۔ہاں اگر کسی طریق سے کسی انسان کی روح کو فائدہ ہو تو وہ طریق مستثنیٰ ہے۔

ایک کارڈ تصویر والا دکھایا گیا۔دیکھ کر فرمایا:

''یہ بالکل ناجائز ہے۔''

ایک شخص نے اس قسم کے کارڈوں کا ایک بنڈل لاکر دکھایا کہ میں نے یہ تاجرانہ طور پر فروخت کے واسطے خرید کئے تھے۔اب کیا کروں؟ فرمایا:

ان کو جلا دو اور تلف کر دو۔اس میں اہانت دین اور اہانت شرع ہے۔نہ ان کو گھر میں رکھو۔

اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ اس سے اخیر میں بت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اس تصویر کی جگہ پر اگر تبلیغ کا کوئی فقرہ ہوتا تو خوب ہوتا۔

(الحکم 10/اکتوبر 1905ء صفحہ 3)

فوٹو بنوانے کی غرض

پھر اعتراض کیا گیا کہ تصویر پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تصورِ شیخ کی غرض سے بنوائی گئی ہے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یہ تو دوسرے کی نیت پر حملہ ہے۔ مَیں نے بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ تصویر سے ہماری غرض کیا تھی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ہم کو بلادِ یورپ خصوصاً لنڈن میں تبلیغ کرنی منظور تھی لیکن چونکہ یہ لوگ کسی دعوت یا تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے جب تک داعی کے حالات سے واقف نہ ہوں اور اس کے لیے اُن کے ہاں علم تصویر میں بڑی بھاری ترقی کی گئی ہے۔ وہ کسی شخص کی تصویر اور اس کے خدوخال کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی، قوتِ قدسی کہاں تک ہے؟ اور ایسا ہی بہت سے امور کے متعلق انہیں اپنی رائے قائم کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اصل غرض اور نیت ہماری اس سے یہ تھی جس کو ان لوگوں نے جو خواہ نخواہ ہر بات میں مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو بُرے بُرے پیرایوں میں پیش کیا اور دنیا کو بہکایا۔ میں کہتا ہوں کہ ہماری نیت تو تصویر سے صرف اتنی ہی تھی۔ اگر یہ نفسِ تصویر کو ہی بُرا سمجھتے ہیں، تو پھر کوئی سکہ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ بہتر ہے کہ آنکھیں بھی نکلوا دیں کیونکہ اُن میں بھی اشیاء کا ایک انعکاس ہی ہوتا ہے۔

یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ افعال کی تہ میں نیت کا بھی دخل ہوتا ہے **اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ** پڑھتے ہیں۔ مگر سمجھتے نہیں۔ بھلا اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے لئے نماز پڑھے تو اس کو یہ کوئی مستحسن امر قرار دیں گے؟ سب جانتے ہیں کہ ایسی نماز کا فائدہ کچھ نہیں، بلکہ وبالِ جان ہے تو کیا نماز بُری تھی؟ نہیں، اس کے بداستعمال نے اس کے نتیجہ کو بُرا پیدا کیا۔ اسی طرح پر تصویر سے

ہماری غرض تو اسلام کی دعوت میں مدد لینا تھا۔ جو اہل یورپ کے مذاق پر ہوسکتی تھی۔اس کو تصور شیخ بنانا اور کچھ سے کچھ کہنا افتراء ہے۔ جو مسلمان ہیں اُن کو اس پر غصہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔اگر مشائخ کا قول خدا اور رسول کے فرمودہ کے موافق نہیں تو کالائے بد بریش خاوند۔تصور شیخ کی بابت پوچھو تو اس کا کوئی پتہ نہیں۔اصل یہ ہے کہ صالحین اور فانین فی اللہ کی محبت ایک عمدہ شے ہے لیکن حفظ مراتب ضروری ہے۔گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

پس خدا کو خدا کی جگہ، رسول کو رسول کی جگہ سمجھو اور خدا کے کلام کو دستور العمل ٹھہرالو۔اس سے زیادہ چونکہ قرآن شریف میں اور کچھ نہیں کہ **كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ** (التوبة :119) پس صادقوں اور فانی فی اللہ کی صحبت تو ضروری ہے اور یہ کہیں نہ کہا گیا کہ تم اُسے ہی سب کچھ سمجھو۔اور یا قرآن شریف میں یہ حکم ہے **اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** (اٰل عمران :32)۔اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے خدا سمجھ لو، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔اتباع کا حکم تو دیا ہے مگر تصور شیخ کا حکم قرآن میں پایا نہیں جاتا۔

(الحکم 24 تا 28 راکتوبر 1901ء صفحہ 1، 2)

فوٹوگرافی کا جواز اور اس کی ضرورت

فرمایا:

فی زمانہ تصویر کی ان لوگوں کے بالمقابل کس قدر حاجت ہے۔ ہر ایک رزم بزم میں آج کل تصویر سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ پگٹ کی بھی تصویر شائع ہوئی ہے فوٹو کے بغیر آج کل جنگ ناقص ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کے ہتھیار مخالف تیار کریں تم بھی ویسے ہی تیار کرو اس سے فوٹو کا جواز ثابت ہے بندوقوں اور توپوں سے جنگ کرنے کا جواز بھی اسی طرح کیا گیا ہے ورنہ آگ سے مارنا تو حرام ہے جہاں ضرورت حقہ محرک اور مستدعی ہوتی ہے یا اس کے متعلق

الہام ہوتا ہے اس مقام پر تصویر کی حرمت کی سند پیش کرنا حماقت ہے جبرائیل نے خود حضرت عائشہؓ کی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔

مولوی محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی ایسی ہی ضرورت پیش آئی ہوگی حضرت اقدسؑ نے فرمایا: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا:

ایک حرمت حقیقی ہوتی ہے ایک غیر حقیقی ہوتی ہے جو غیر حقیقی ہوتی ہے وہ اسبابِ داعیہ سے اٹھ جاتی ہے۔

(البدر 28 نومبر تا 5 دسمبر 1902ء صفحہ 35)

ضرورت کے لئے تصویر کا جواز

ایک احمدی صاحب نے سوال کیا کہ گاؤں کے لوگ اس لیے تنگ کرتے ہیں کہ آپ نے تصویر کھچوائی ہے اس کا ہم کیا جواب دیویں؟ فرمایا:

انسان جب دنیاوی ضرورتوں کے لیے ہر وقت پیسہ روپیہ وغیرہ جیب میں رکھتا ہے جن پر تصویر وغیرہ بنی ہوئی ہوتی ہے تو پھر دینی ضرورت کے لیے تصویر کا استعمال کیوں روا نہیں ہوسکتا ان لوگوں کی مثال لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (الصف :3) کی ہے کہ خود تو ایک فعل کرتے ہیں اور دوسروں کو اسے معیوب بتلاتے ہیں اگر ان لوگوں کے نزدیک تصویر حرام ہے تو ان کو چاہیے کہ کل مال وزر باہر نکال کر پھینک دیں اور پھر ہم پر اعتراض کریں اور یہ ملاں لوگ جو بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ ایک پیسہ کو تو وہ ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔

(البدر 25 ستمبر 1903ء صفحہ 381)

حضور کی نظموں کی ریکارڈنگ

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا یہ جائز ہے کہ حضور کی نظمیں فونوگراف میں بند کر کے لوگوں کو سنائی جائیں؟

فرمایا:

اعمال نیت پر موقوف ہیں۔تبلیغ کی خاطر اس طرح سے نظم فونوگراف میں سنانا جائز ہے کیونکہ اشعار سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں کو نرمی اور رقّت حاصل ہوتی ہے۔

(بدر 24 مئی 1908ء صفحہ 8)

کفار کی مصنوعات کا استعمال جائز ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ جب ریل دجّال کا گدھا ہے تو ہم لوگ اس پر کیوں سوار ہوں؟ فرمایا:۔

کُفّار کی صنعت سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھوڑی کو گدھے کے ساتھ ملانا دجل ہے پس ملانے والا دجّال ہے لیکن آپ برابر خچر پر سواری کرتے تھے اور ایک کافر بادشاہ نے ایک خچر آپ کو بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور آپ اس پر برابر سواری کرتے رہے۔

(بدر 28 مارچ 1907ء صفحہ 4)

ریل کا سفر ہمارے فائدہ کے لئے ہے

ریل کے ذکر پر فرمایا:

اس زمانہ میں خدا نے ہماری جماعت کو فائدہ پہنچایا ہے کہ سفر کو بہت آرام ہے ورنہ کہاں سے کہاں ٹھوکریں کھاتا ہوا انسان ایک دوسرے مقام پر پہنچتا تھا۔ مدراس جہاں سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب ہیں اگر کوئی جاتا تو گرمیوں میں روانہ ہوتا اور سردیوں میں پہنچتا تھا۔اس زمانہ کی نسبت خدا نے خبر دی ہے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر :8) کہ جب ایک اقلیم کے لوگ دوسرے اقلیم والوں کے ساتھ ملیں گے۔

(البدر 6 فروری 1903ء صفحہ 21)

امور معاشرت، رہن سہن اور باہمی تعاون

وحدت قومی سے وحدت اقوامی تک

فرمایا:

جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں **وحدت** ہے ایسا ہی وہ نوع انسان میں بھی جو ہمیشہ کی بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وحدت کو ہی چاہتا ہے اور درمیانی تفرقہ قوموں کا جو بباعث کثرت نسل انسان نوع انسان میں پیدا ہوا وہ بھی دراصل کامل وحدت پیدا کرنے کے لئے ایک تمہید تھی کیونکہ خدا نے یہی چاہا کہ پہلے نوع انسان میں وحدت کے مختلف حصے قائم کر کے پھر ایک کامل وحدت کے دائرہ کے اندر سب کو لے آوے سو خدا نے قوموں کے جدا جدا گروہ مقرر کئے اور ہر ایک قوم میں ایک وحدت پیدا کی اور اس میں یہ حکمت تھی کہ تا قوموں کے تعارف میں سہولت اور آسانی پیدا ہو اور ان کے باہمی تعلقات پیدا ہونے میں کچھ دقّت نہ ہو اور پھر جب قوموں کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تعارف پیدا ہو گیا تو پھر خدا نے چاہا کہ سب قوموں کو ایک قوم بنا وے جیسے مثلاً ایک شخص باغ لگاتا ہے اور باغ کے مختلف بوٹوں کو مختلف تختوں پر تقسیم کرتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد تمام باغ کے اردگرد دیوار کھینچ کر سب درختوں کو ایک ہی دائرہ کے اندر کر لیتا ہے اِسی کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ آیت ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء :93) یعنی اے دنیا کے مختلف حصوں کے نبیو! یہ مسلمان جو مختلف قوموں میں سے اس دنیا میں اکٹھے ہوئے ہیں یہ تم سب کی ایک اُمّت ہے جو سب پر ایمان لاتے ہیں اور میں تمہارا خدا ہوں سو تم سب مل کر میری ہی عبادت کرو۔ (دیکھو الجزو نمبر ۱۷ سورۃ الانبیاء) اس تدریجی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہر ایک محلّہ کے لوگ اپنی اپنی محلّہ کی مسجدوں میں پانچ وقت جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ تمام شہر کے لوگ ساتویں دن شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں یعنی ایسی وسیع

مسجد میں جس میں سب کی گنجائش ہو سکے اور پھر حکم دیا کہ سال کے بعد عیدگاہ میں تمام شہر کے لوگ اور نیز گردونواح دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ عمر بھر میں ایک دفعہ تمام دنیا ایک جگہ جمع ہو یعنی مکّہ معظّمہ میں ۔سو جیسے خدا نے آہستہ آہستہ امّت کے اجتماع کو حج کے موقع پر کمال تک پہنچایا۔اوّل چھوٹے چھوٹے موقعے اجتماع کے مقرر کئے اور بعد میں تمام دنیا کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا سو یہی سنت **اللہ** الہامی کتابوں میں ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ نوع انسان کی وحدت کا دائرہ کمال تک پہنچا دے۔اوّل تھوڑے تھوڑے ملکوں کے حصوں میں وحدت پیدا کرے اور پھر آخر میں حج کے اجتماع کی طرح سب کو ایک جگہ جمع کر دیوے جیسا کہ اس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (الکهف:100) یعنی آخری زمانہ میں خدا اپنی آواز سے تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دے گا جیسا کہ وہ ابتداء میں ایک مذہب پر جمع تھے تا کہ اوّل اور آخر میں مناسبت پیدا ہو جائے۔

غرض پہلے نوع انسان صرف ایک قوم کی طرح تھی اور پھر وہ تمام زمین پر پھیل گئے تو خدا نے اُن کے سہولت تعارف کے لئے ان کو قوموں پر منقسم کر دیا اور ہر ایک قوم کے لئے اُس کے مناسب حال ایک مذہب مقرر کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے **يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا** (الحجرات :14) اور پھر فرماتا ہے **لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ** (المائدة:49) (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے مرد اور عورت سے تمہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے مقرر کئے یہ اس لئے کیا کہ تا تم میں باہم تعارف پیدا ہو۔اور ہر ایک قوم کے لئے ہم نے ایک مشرب اور مذہب مقرر کیا تا ہم مختلف فطرتوں کے جوہر بذریعہ اپنی مختلف ہدایتوں کے ظاہر کر دیں پس تم اے

مسلمانو! تمام بھلائیوں کو دوڑ کر لو کیونکہ تم تمام قوموں کا مجموعہ ہو اور تمام فطرتیں تمہارے اندر ہیں۔غرض مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر خدا نے نوع انسان کو کئی قوموں پر منقسم کر دیا۔ پہلے زمانہ کے لوگ تو آبائی رشتہ کے سلسلہ میں منسلک تھے اور ان میں وحدت قرابت حاصل تھی اور پھر جب بہت سی قومیں بن گئیں تو ہر ایک قوم میں وحدت قائم کرنے کے لئے کتابیں بھیجی گئیں اور اُس زمانہ میں ہر ایک حصہ ملک میں صرف قومی وحدت حاصل ہو سکتی تھی اس سے زیادہ نہیں یعنی تمام دنیا کی وحدت غیر ممکن تھی اور پھر تیسرا زمانہ ایسا آیا جس میں اقوامی وحدت کے سامان پیدا ہو گئے یعنی تمام دنیا کی وحدت کے سامان ظہور میں آ گئے اور ہر ایک زمانہ جو نوع انسان پر آیا وہ اس بات کا مقتضی تھا جو اِسی زمانہ کے مطابق کتاب دی جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی وحدت کا جب خدا نے ارادہ کیا تب ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول بھیجا اور یہ قومی وحدت اقوامی وحدت سے مقدم تھی اور حکمت ربّانی اس امر کی مقتضی تھی کہ اوّل ہر ایک ملک میں قومی وحدت قائم کرے اور جب قومی وحدت کا دور ختم ہو چکا تب اقوامی وحدت کا زمانہ شروع ہو گیا اور وہی زمانہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا تھا اور یاد رہے کہ کسی رسول اور کتاب کی اسی قدر عظمت سمجھی جاتی ہے جس قدر اُن کو اصلاح کا کام پیش آتا ہے اور جس قدر اس اصلاح کے وقت مشکلات کا سامنا پڑتا ہے سو یہ بات ظاہر ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جو کتاب نازل ہوئی ہوگی وہ کسی طرح کامل مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ ابتدائے زمانہ میں اِن مشکلات کا وہم وگمان بھی نہیں آ سکتا جو بعد میں پیدا ہوئیں ایسا ہی قومی وحدت کے زمانہ میں اسی وقت میں اس وقت کے نبیوں اور رسولوں کو وہ مشکلات ہرگز پیش نہیں آ سکتی تھیں جو اقوامی وحدت کے زمانہ میں اس نبی کو پیش آئیں جس کو یہ حکم ہوا کہ جو **تمام قوموں کو ایک وحدت پر قائم کرو۔**

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 144 تا 147)

مخالفین کے ساتھ معاشرت کیسے کریں؟

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور مخالفوں سے جو ہمیں اور حضور کو سخت گالی گلوچ نکالتے ہیں اور سخت سست کہتے ہیں ان سے السلام علیکم لینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:

مومن بڑا غیرت مند ہوتا ہے کیا غیرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ تو گالیاں دیں اور تم ان سے السلام علیکم کرو؟ ہاں البتہ خرید وفروخت جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں کیونکہ قیمت دینی اور مال لینا کسی کا اس میں احسان نہیں۔ (الحکم 10 /اپریل 1903ء صفحہ 14)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

میرا اپنا طریق تو یہ ہے کہ سب کو السلام علیکم کہتا ہوں ہاں کوئی شقی جیسا کہ لیکھرام تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سلام نہیں کیا۔ اگر ملے تو ممکن ہے کہ طبیعت رکے۔ عام لوگ باوجود دشمن ہونے کے دھوکہ خوردہ ہیں اور سلام کی دعا کے مستحق۔

(الفضل 21 /اگست 1946ء صفحہ 4)

غیر تہذیب یافتہ لوگوں کیساتھ کیسے برتاؤ کیا جائے

افریقہ سے ایک دوست نے بذریعہ تحریر حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ اس جگہ کے اصلی باشندے مرد وزن بالکل ننگے رہتے ہیں اور معمولی خور ونوش کی اشیاء کا لین دین ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو کیا ایسے لوگوں سے ملنا جلنا گناہ تو نہیں؟

حضرت نے فرمایا:

تم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ننگے رہو وہ خود ہی ایسا کرتے ہیں۔ اس میں تم کو کیا گناہ؟ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں بعض فقیر اور دیوانے ننگے پھرا کرتے ہیں۔ ہاں ایسے لوگوں کو کپڑے پہننے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ایسے ہی لوگوں کی نسبت یہ بھی سوال کیا گیا کہ چونکہ ملک افریقہ میں غریب لوگ بھی ہیں جو

نوکری پر بآسانی سستے مل سکتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے کھانا پکوایا جائے تو یہ کیا جائز ہے؟ یہ لوگ حرام حلال کی پہچان نہیں رکھتے۔ فرمایا:

اس ملک کے حالات کے لحاظ سے جائز ہے کہ اُن کو نوکر رکھ لیا جائے اور اپنے کھانے وغیرہ کے متعلق ان سے احتیاط کرائی جائے۔

یہ بھی سوال ہوا کہ کیا ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ فرمایا:

اس ملک میں اور ان علاقوں میں بحالت اضطرار ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن صورتِ نکاح میں اُن کو کپڑے پہنانے اور اسلامی شعار پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

شادی پر عورتوں کا مل کر گیت گانا

سوال کیا گیا کہ لڑکی یا لڑکے والوں کے ہاں جو جوان عورتیں مل کر گاتی ہیں وہ کیسا ہے؟ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

اصل یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح پر ہے۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو لڑکیوں نے مل کر آپؐ کی تعریف میں گیت گائے تھے۔

(اصحاب احمد جلد 2 صفحہ 552 نیا ایڈیشن)

بعض مواقع پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کرنا

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ تحریر کرتے ہیں:

(دسمبر 1901ء) آج میں نے حضرت اقدسؑ کو لکھ کر بھیجا کہ ''حضورؑ کے ہاں جو بشیر، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین ہوئی ہے اس میں جو تکلفات ہوئے ہیں وہ گو خاص صورت رکھتے ہیں کیونکہ مخدوم زادگان پیشگوئیوں کے ذریعہ سے پیدا ہوئے۔ ان کے ایسے مواقع

پر جو اظہار خوشی کی جائے وہ کم ہے مگر ہم لوگوں کے لئے کیونکہ حضورؑ بروز محمدؐ ہیں اس لئے ہمارے لئے سنت ہو جائیں گے۔ اس پر سیر میں کچھ فرمایا جائے۔''

اس پر حضرت اقدسؑ نے تقریر سیر میں فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ایک مسلّم مسئلہ اور صحیح ترین حدیث ہے۔ اگر کوئی ریا سے اظہار علی الخلق اور تفوّق علی الخلق کی غرض سے کھانا وغیرہ کھلاتا ہے تو ایسا کھانا وغیرہ حرام ہے یا معاوضہ کی غرض سے جیسے بھاجی وغیرہ مگر اگر کوئی تشکر اور اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے خرچ کرتا ہے بلا ریا و معاوضہ تو اس میں ہرج نہیں بلکہ بیاہوں میں اور ولادت میں بڑا اعلان ہونا چاہئے اور بیاہوں میں اعلان بالدف ضروری ہے بلکہ انگریزی باجا بھی اس غرض سے جائز ہے۔ اگر کوئی امر خلافِ شریعت نہ ہو تو عورتیں گا بھی لیں تو ہرج نہیں لیکن سب سے بڑی بات نیت ہے۔ فرمایا کہ بعض لوگ عورتوں کو خلیع الرّسن (حصہ سے زیادہ آزادی۔ ناقل) کر دیتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں اور بعض ان سے ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے بہائم اور لونڈیوں سے۔ یہ بھی درست نہیں۔ جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہے وہاں تک ان کو آزادی دینی چاہئے اور جہاں پر شریعت کے خلاف ہو وہاں ان کو روکنا چاہئے۔

(اصحابِ احمد جلد 2 صفحہ 551 نیا ایڈیشن سیرت حضرت نواب محمد علی خان صاحب)

ایک ہندو مہمان کے ساتھ خوش خلقی

(ایک ہندو دوست جو مہمان بن کر آئے تھے) نے عرض کیا کہ مجھے تو لوگ ڈراتے تھے کہ مرزا صاحب تو کسی کے ساتھ بات نہیں کرتے اور ہندوؤں کے ساتھ بہت بدخلقی سے پیش آتے ہیں۔ میں نے یہ سب بات اس کے برخلاف پائی ہے اور آپ کو اعلیٰ درجہ کا خلیق اور مہمان نواز دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا:

لوگ جھوٹی خبریں اُڑا دیتے ہیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے وسیع اخلاق سکھلائے ہیں۔ بلکہ ہمیں

افسوس ہے کہ ہم پوری طرح سے آپ کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کی قومی رسم کے مطابق ہمارا کھانا کھالینا جائز نہیں۔ایسے ہندومہمانوں کے کھانے کا انتظام ہم کسی ہندو کے ہاں کرلیا کرتے ہیں لیکن اس کھانے کی ہم خودنگرانی نہیں کر سکتے۔ہمارے اصول میں داخل نہیں کہ اختلافِ مذہبی کے سبب کسی کے ساتھ بدخلقی کریں اور بدخلقی مناسب بھی نہیں کیونکہ نہایت کار ہمارے نزدیک غیر مذہب والا ایک بیمار کی مانند ہے جس کو صحت روحانی حاصل نہیں۔پس بیمار تو اور بھی قابلِ رحم ہے جس کے ساتھ بہت خلق اور حلم اور نرمی کیساتھ پیش آنا چاہیئے۔اگر بیمار کے ساتھ بدخلقی کی جاوے تو اس کی بیماری اور بھی بڑھ جائے گی۔اگر کسی میں کجی اور غلطی ہے تو محبت کے ساتھ سمجھانا چاہیے۔

ہمارے بڑے اصول دو ہیں۔خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا۔

(بدر 19/ جولائی 1906ء صفحہ 3)

ہندوؤں سے ہمدردی

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ بہ سبب پرانے تعلقات کے ایک ہندو ہمارے شہر کا ہمارے معاملات شادی اور غمی میں شامل ہوتا ہے اور کوئی مر جائے تو جنازہ میں بھی ساتھ جاتا ہے۔کیا ہمارے واسطے بھی جائز ہے کہ ہم ان کے ساتھ ایسی شمولیت دکھائیں؟ فرمایا:

”ہندوؤں کی رسوم اور امور مخالف شریعت اسلام سے علیحدگی اور بیزاری رکھنے کے بعد دنیوی امور میں ہمدردی رکھنا اور ان کی امداد کرنا جائز ہے۔“

(بدر 6 جون 1907ء صفحہ 8)

اہل کتاب کا کھانا

امریکہ اور یورپ کی حیرت انگیز ایجادات کا ذکر ہو رہا تھا۔اسی میں یہ ذکر بھی آ گیا کہ

دودھ اور شوربا وغیرہ جو کہ ٹینوں میں بند ہو کر ولایت سے آتا ہے بہت ہی نفیس اور ستھرا ہوتا ہے اور ایک خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ ان کو بالکل ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔ دودھ تک بھی بذریعہ مشین دوہا جاتا ہے۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا:

چونکہ نصاریٰ اس وقت ایک ایسی قوم ہو گئی ہے جس نے دین کی حدود اور اس کے حلال وحرام کی کوئی پروا نہیں رکھی اور کثرت سے سؤر کا گوشت اُن میں استعمال ہوتا ہے اور جو ذبح کرتے ہیں اس پر بھی خدا کا نام ہرگز نہیں لیتے بلکہ جھٹکے کی طرح جانوروں کے سر جیسا کہ سنا گیا ہے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لیے شبہ پڑ سکتا ہے کہ بسکٹ اور دودھ وغیرہ جو اُن کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہوں اُن میں سؤر کی چربی اور سؤر کے دودھ کی آمیزش ہو۔ اس لیے ہمارے نزدیک ولائتی بسکٹ اور اس قسم کے دودھ اور شوربے وغیرہ استعمال کرنے بالکل خلاف تقویٰ اور ناجائز ہیں۔ جس حالت میں کہ سؤر کے پالنے اور کھانے کا عام رواج ان لوگوں میں ولایت میں ہے تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری اشیائے خوردنی جو کہ یہ لوگ تیار کر کے ارسال کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حصہ اس کا نہ ہوتا ہو۔

اس پر ابوسعید صاحب المعروف عرب صاحب تاجر برنج رنگون نے ایک واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں یوں عرض کیا کہ رنگون میں بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانے کا ایک کارخانہ انگریزوں کا تھا۔ وہ ایک مسلمان تاجر نے قریب ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرید لیا۔ جب اس نے حساب و کتاب کی کتابوں کو پڑتال کر کے دیکھا، تو معلوم ہوا کہ سؤر کی چربی بھی اس کارخانہ میں خریدی جاتی رہی ہے۔ دریافت پر کارخانہ والوں نے بتایا کہ ہم اُسے بسکٹ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ چیزیں لذیذ نہیں ہوتیں اور ولایت میں بھی یہ چربی ان چیزوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس واقعہ کے سننے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا خیال کس قدر تقویٰ اور باریک بینی پر تھا لیکن چونکہ ہم میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اکثر سفر کا

اتفاق ہوا ہے اور بعض بھائی افریقہ وغیرہ دور دراز امصار و بلاد میں ابتک موجود ہیں جن کو اس قسم کے دودھ اور بسکٹ وغیرہ کی ضرورت پیش آ سکتی ہے، اس لیے اُن کو بھی مدنظر رکھ کر دوبارہ اس مسئلہ کی نسبت دریافت کیا گیا نیز اہل ہنود کے کھانے کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بھی اشیاء کو بہت غلیظ رکھتے ہیں اور ان کی کڑاہیوں کو اکثر کتے چاٹ جاتے ہیں۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا:

ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شبہ نہ ہو اور ازروئے قرآن مجید وہ حرام نہ ہو۔ ورنہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ بعض اشیاء کو حرام جان کر گھر میں تو نہ کھایا، مگر باہر نصاریٰ کے ہاتھ سے کھا لیا اور نصاریٰ پر ہی کیا منحصر ہے اگر ایک مسلمان بھی مشکوک الحال ہو تو اس کا کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ مثلاً ایک مسلمان دیوانہ ہے اور اسے حرام و حلال کی خبر نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے طعام یا تیار کردہ چیزوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہم گھر میں ولائتی بسکٹ نہیں استعمال کرنے دیتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں۔

عیسائیوں کی نسبت ہندوؤں کی حالت اضطراری ہے کیونکہ یہ کثرت سے ہم لوگوں میں مل جل گئے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہوں اور سب شے وہاں ہی سے مل جاوے تو پھر البتہ ان سے خوردنی اشیاء نہ خریدنی چاہئیں۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک اہل کتاب سے غالباً مراد یہودی ہی ہیں کیونکہ وہ کثرت سے اس وقت عرب میں آباد تھے اور قرآن شریف میں بار بار خطاب بھی انہیں کو ہے۔ اور صرف توریت ہی کتاب اس وقت تھی جو کہ حلّت اور حرمت کے مسئلے بیان کر سکتی تھی اور یہود کا اس پر اس امر میں جیسے عملدرآمد اس وقت تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔ انجیل کوئی کتاب نہیں ہے۔

اس پر ابوسعید صاحب نے عرض کی کہ اہل الکتاب میں کتاب پر الف لام بھی اس کی تخصیص کرتا ہے جس سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو گیا۔ (البدر 16 جولائی 1904ء صفحہ 3)

وجودی فرقے کا ذبیحہ کھانا

ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے شہر میں وجودی فرقہ کے لوگ کثرت سے ہیں اور ذبیحہ وغیرہ انہی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ کیا اس کا کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ فرمایا:

بہت تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔ موٹے طور پر جو انسان مشرک یا فاسق ہو اس سے پرہیز کرو۔ عام طور پر اس طرح تجسس کرنے سے بہت سی مشکلات درپیش آتی ہیں جو ذبیحہ، اللہ کا نام لے کر کیا جاوے اور اس میں اسلام کے آداب مدنظر ہوں وہ خواہ کسی کا ہو، جائز ہے۔

(البدر 16 جولائی 1904ء صفحہ 4)

خواب کا پورا کرنا

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں اپنی بیوی کا خواب لکھا کہ کسی شخص نے خواب میں میری بیوی کو کہا کہ تمہارے بیٹے پر بڑا بوجھ ہے اس پر سے صدقہ اتارو اور ایسا کرو کہ چنے بھگو کر مٹی کے برتن میں رکھ کر اور لڑکے کے بدن کا کرتہ اتار کر اس میں باندھ کر رات سوتے وقت سرہانے چارپائی کے نیچے رکھ دو اور ساتھ چراغ جلا دو صبح کسی غیر کے ہاتھ اٹھوا کر چوراہے میں رکھ دو۔ یہ خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جائز ہے کہ ہم خواب اسی طرح سے پورا کریں۔ جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:

’’جائز ہے کہ اس طرح سے کریں اور خواب کو پورا کرلیں۔‘‘

(بدر 4/اپریل 1907ء صفحہ 6)

طبیب ہمدردی کرے اور احتیاط بھی

سوال ہوا کہ طاعون کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں طبیب کے واسطے کیا حکم ہے؟ فرمایا:

طبیب اور ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ علاج معالجہ کرے اور ہمدردی دکھائے لیکن اپنا بچاؤ رکھے۔

بیمار کے بہت قریب جانا اور مکان کے اندر جانا اس کے واسطے ضروری نہیں ہے وہ حال معلوم کر کے مشورہ دے۔ ایسا ہی خدمت کرنے والوں کے واسطے بھی ضروری ہے کہ اپنا بچاؤ بھی رکھیں اور بیمار کی ہمدردی بھی کریں۔

(بدر 4 اپریل 1907ء صفحہ 6)

طاعون سے مرنے والے کو غسل کیسے دیں؟

سوال ہوا کہ طاعون زدہ کے غسل کے واسطے کیا حکم ہے؟ فرمایا:

مومن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے۔ شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں۔

سوال ہوا کہ اس کو کفن پہنایا جائے یا نہیں؟ فرمایا:

شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں۔ وہ انہیں کپڑوں میں دفن کیا جاوے۔ ہاں اس پر ایک سفید چادر ڈال دی جائے تو ہرج نہیں۔

(بدر 4/ اپریل 1907ء صفحہ 6)

طاعون زدہ علاقوں کے احمدیوں کے واسطے حکم

یکم اپریل 1907ء کی صبح کو حضرت اقدسؑ مع خدام باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ راستہ میں عاجز راقم (حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر۔ ناقل) کو مخاطب کر کے فرمایا:

اخبار میں چھاپ دو اور سب کو اطلاع کر دو کہ یہ دن خدا تعالیٰ کے غضب کے دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی بار مجھے بذریعہ وحی فرمایا ہے کہ **غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا** آج کل طاعون بہت بڑھتا جاتا ہے اور چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ میں اپنی جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ سے بہت دُعا کرتا ہوں کہ وہ اس کو بچائے رکھے مگر قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو بدوں کے ساتھ نیک بھی لپیٹے جاتے ہیں اور پھر ان کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ دیکھو حضرت نوحؑ کا طوفان سب پر پڑا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک

مرد عورت اور بچے کو اس سے پورے طور پر خبر نہ تھی کہ نوحؑ کا دعویٰ اور اس کے دلائل کیا ہیں۔ جہاد میں جو فتوحات ہوئیں وہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے نشان تھیں۔لیکن ہر ایک میں کفار کے ساتھ مسلمان بھی مارے گئے۔کافر جہنم کو گیا اور مسلمان شہید کہلایا۔ایسا ہی طاعون ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان ہے اور ممکن ہے کہ اس میں ہماری جماعت کے بعض آدمی بھی شہید ہوں۔ہم خدا تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف ہیں کہ وہ ان میں اور غیروں میں تمیز قائم رکھے لیکن جماعت کے آدمیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ ہماری تعلیم پر عمل نہ کیا جاوے۔سب سے اول حقوق اللہ کو ادا کرو۔ اپنے نفس کو تمام جذبات سے پاک رکھو۔اس کے بعد حقوق عباد کو ادا کرو اور اعمالِ صالحہ کو پورا کرو۔خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور تضرع کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے رہو اور کوئی دن ایسا نہ ہو جس دن تم نے خدا تعالیٰ کے حضور رو کر دعا نہ کی ہو۔اس کے بعد اسباب ظاہری کی رعایت رکھو۔جس مکان میں چوہے مرنے شروع ہوں اس کو خالی کر دو۔اور جس محلّہ میں طاعون ہو اس محلّہ سے نکل جاؤ اور کسی کھلے میدان میں جا کر ڈیرا لگاؤ۔جو تم میں سے بتقدیرِ الٰہی طاعون میں مبتلا ہو جاوے اس کے ساتھ اور اس کے لواحقین کے ساتھ پوری ہمدردی کرو اور ہر طرح سے اس کی مدد کرو اور اس کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھو لیکن یاد رہے کہ ہمدردی کے یہ معنے نہیں کہ اس کے زہریلے سانس یا کپڑوں سے متاثر ہو جاؤ بلکہ اس اثر سے بچو۔اُسے کھلے مکان میں رکھو اور جو خدانخواستہ اس بیماری سے مر جائے وہ شہید ہے۔اس کے واسطے ضرورت غسل کی نہیں اور نہ نیا کفن پہنانے کی ضرورت ہے۔اس کے وہی کپڑے رہنے دو اور ہو سکے تو ایک سفید چادر اس پر ڈال دو اور چونکہ مرنے کے بعد میت کے جسم میں زہریلا اثر زیادہ ترقی پکڑتا ہے اس واسطے سب لوگ اس کے ارد گرد جمع نہ ہوں۔حسبِ ضرورت دو تین آدمی اس کی چارپائی کو اُٹھائیں اور باقی سب دور کھڑے ہو کر

مثلاً ایک سو گز کے فاصلہ پر جنازہ پڑھیں۔ جنازہ ایک دُعا ہے اور اس کے واسطے ضروری نہیں کہ انسان میت کے سر پر کھڑا ہو۔ جہاں قبرستان دور ہو مثلاً لاہور میں سامان ہو سکے تو کسی گاڑی یا چھکڑے پر میت کو لاد کر لے جاویں اور میت پر کسی قسم کی جزع فزع نہ کی جاوے۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔

اس بات کا خوف نہ کرو کہ ایسا کرنے سے لوگ تمہیں بُرا کہیں گے وہ پہلے کب تمہیں اچھا کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں شریعت کے مطابق ہیں اور تم دیکھ لو گے کہ آخر کار وہ لوگ جو تم پر ہنسی کریں گے خود بھی ان باتوں میں تمہاری پیروی کریں گے۔

مکرراً یہ بہت تاکید ہے کہ جو مکان تنگ اور تاریک ہو اور ہوا اور روشنی خوب طور پر نہ آ سکے اس کو بلاتوقف چھوڑ دو کیونکہ خود ایسا مکان ہی خطرناک ہوتا ہے گو کوئی چوہا بھی اس میں نہ مرا ہو اور حتی المقدور مکانوں کی چھتوں پر رہو۔ نیچے کے مکان سے پرہیز کرو اور اپنے کپڑوں کو صفائی سے رکھو۔ نالیاں صاف کراتے رہو۔ سب سے مقدم یہ کہ اپنے دلوں کو بھی صاف کرو اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صلح کرلو۔

(بدر 4/اپریل 1907ء صفحہ 5،6)

نشان کے پورا ہونے پر دعوت دینا جائز ہے

خان صاحب عبدالحمید نے کپورتھلہ سے حضرت کی خدمت میں ڈوئی کے شاندار نشان کے پورا ہونے کی خوشی پر دوستوں کو دعوت دینے کی اجازت حاصل کرنے کے واسطے خط لکھا۔

حضرت نے اجازت دی اور فرمایا:

”تحدیث بالنعمة کے طور پر ایسی دعوت کا دینا جائز ہے۔“

(بدر 28 مارچ 1907ء صفحہ 4)

مجالس مشاعرہ

ایک جگہ بعض شاعرانہ مذاق کے دوست ایک باقاعدہ انجمنِ مشاعرہ قائم کرنا چاہتے تھے اس کے متعلق حضرت سے دریافت کیا گیا۔

فرمایا: یہ تضیع اوقات ہے کہ ایسی انجمنیں قائم کی جاویں اور لوگ شعر بنانے میں مستغرق رہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ذوق کے وقت کوئی نظم لکھے اور اتفاقی طور پر کسی مجلس میں سنائے یا کسی اخبار میں چھپوائے۔ ہم نے اپنی کتابوں میں کئی نظمیں لکھی ہیں مگر اتنی عمر ہوئی آج تک کبھی کسی مشاعرہ میں شامل نہیں ہوئے۔ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شاعری میں اپنا نام پیدا کرنا چاہے۔ ہاں اگر حال کے طور نہ صرف قال کے طور پر اور جوشِ روحانی سے اور نہ خواہش نفسانی سے کبھی کوئی نظم جو مخلوق کے لیے مفید ہو سکتی ہو لکھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر یہی پیشہ کر لینا ایک منحوس کام ہے۔

(بدر 27 جون 1907ء صفحہ 7)

نسل افزائی کے لئے سانڈ رکھنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ خالصۃً لوجہ اللہ نسل افزائی کی نیت سے اگر کوئی سانڈ چھوڑے تو کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا:

اَصْلُ الْاَ شْیَاءِ اِبَاحَۃٌ اشیاء کا اصل تو اباحت ہی ہے۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے حرام فرمایا وہ حرام ہیں باقی حلال۔ بہت سی باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔

عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

فرمایا:

میں نے جواب دیتے وقت اسے زیر نظر رکھ لیا ہے وہ تو دیوتوں کے نام پر دیتے تھے۔ یہاں

خاص خدا تعالیٰ کے نام پر ہے۔ نسل افزائی ایک ضروری بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں انعام وغیرہ کو اپنی نعمتوں سے فرمایا ہے۔ سو اس نعمت کا قدر کرنا چاہئے اور قدر میں نسل کا بڑھانا بھی ہے۔ پس اگر ایسا نہ ہو تو پھر چار پائے کمزور ہوں گے اور دنیا کے کام بخوبی نہ چل سکیں گے اس لیے میرے نزدیک تو حرج کی بات نہیں۔ ہر ایک عمل نیت پر موقوف ہے۔ ایک ہی کام جب کسی غیر اللہ کے نام پر ہو تو حرام اور اگر اللہ کے لیے ہو تو حلال ہو جاتا ہے۔

(بدر یکم اگست 1907ء صفحہ 12)

بدامنی کی جگہ پر احمدیوں کا کردار

ایک جگہ سے چند احمدیوں کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ اس جگہ بدامنی ہے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔ کوئی پرسان نہیں۔ چند ملاں ہم کو قتل کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم بھی اُن کو قتل کرنے کی کوشش کریں؟

حضرت نے فرمایا:

ایسا مت کرو۔ ہر طرح سے اپنی حفاظت کرو لیکن خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ تکالیف اُٹھاؤ اور صبر کرو۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے کوئی انتظام احسن کر دے۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

(بدر 26 ستمبر 1907ء صفحہ 6)

تشبّہ بالکفار جائز نہیں

ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہندوؤں والی دھوتی باندھنی جائز ہے یا نہیں؟ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

تشبہ بالکفار تو کسی ہی رنگ میں بھی جائز نہیں۔ اب ہندو ماتھے پر ایک ٹیکہ سا لگاتے ہیں کوئی وہ بھی لگالے۔ یا سر پر بال تو ہر ایک کے ہوتے ہیں مگر چند بال بودی کی شکل میں ہندو رکھتے ہیں

اگر کوئی ویسے ہی رکھ لیوے تو یہ ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی ہر ایک چال میں وضع قطع میں غیرت مندانہ چال رکھنی چاہیے ہمارے آنحضرت ﷺ تہ بند بھی باندھا کرتے تھے اور سراویل بھی خریدنا آپ کا ثابت ہے جسے ہم پاجامہ یا تنبی کہتے ہیں ان میں سے جو چاہے پہنے۔ علاوہ ازیں ٹوپی، کُرتہ، چادر اور پگڑی بھی آپ کی عادت مبارک تھی جو چاہے پہنے کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ اگر کسی کو کوئی نئی ضرورت درپیش آئے تو اسے چاہئے کہ ان میں سے ایسی چیز کو اختیار کرے جو کفار سے تشبیہ نہ رکھتی ہو اور اسلامی لباس سے نزدیک تر ہو۔ جب ایک شخص اقرار کرتا ہے کہ مَیں ایمان لایا تو پھر اس کے بعد وہ ڈرتا کس چیز سے ہے اور وہ کون سی چیز ہے جس کی خواہش اب اس کے دل میں باقی رہ گئی ہے کیا کفار کی رسوم و عادات کی؟ اب اُسے ڈر چاہیے تو خدا کا اور اتباع چاہیے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ کسی ادنیٰ سے گناہ کو خفیف نہ جاننا چاہیے بلکہ صغیرہ ہی سے کبیرہ بن جاتے ہیں اور صغیرہ ہی کا اصرار کبیرہ ہے۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی فطرت ہی نہیں دی کہ ان کے لباس یا پوشش سے فائدہ اُٹھائیں۔ سیالکوٹ سے ایک دوبار انگریزی جوتا آیا۔ ہمیں اس کا پہننا ہی مشکل ہوتا تھا کبھی ادھر کا ادھر اور کبھی بائیں کا دائیں۔ آخر تنگ آ کر سیاہی کا نشان لگایا گیا کہ شناخت رہے مگر اس طرح بھی کام نہ چلا۔ آخر مَیں نے کہا کہ یہ میری فطرت ہی کے خلاف ہے کہ ایسا جوتا پہنوں۔

(الحکم 17/ اپریل 1903ء صفحہ 8)

کھانے کے لئے چھری کانٹے کا استعمال جائز ہے

چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا:

شریعت اسلام نے چھری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا اور یہ فعل اس لئے کیا

کہ تا امت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے۔ مگر بالکل اس کا پابند ہونا اور تکلف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو حقیر جاننا منع ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ وہ ان کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھا لیتے ہیں اور صف پر بھی کھا لیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھا لیتے ہیں تو ایسی باتوں میں صرف گذارہ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

تشبیہ کے معنے اس حدیث میں یہی ہیں کہ اس لکیر کو لازم پکڑ لینا۔ ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے کہ کاش ان کے مذہب میں یہ ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر اختیار کئے ہیں مگر اب رسم پرستی کی خاطر وہ مجبور ہیں، ترک نہیں کر سکتے۔

(البدر 6 فروری 1903ء صفحہ 21)

اپریل فول ایک گندی رسم ہے

فرمایا:

قرآن نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے۔ اور نیز فرمایا ہے کہ جھوٹے شیطان کے مصاحب ہوتے ہیں اور جھوٹے بے ایمان ہوتے ہیں اور جھوٹوں پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ مت بولو بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ تم جھوٹوں کی صحبت بھی چھوڑ دو اور ان کو اپنا یار دوست مت بناؤ۔ اور خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے کہ جب تو کوئی کلام کرے تو تیری کلام محض صدق ہو، ٹھٹھے کے طور پر بھی اس میں جھوٹ نہ ہو۔

اب بتلاؤ یہ تعلیمیں انجیل میں کہاں ہیں۔ اگر ایسی تعلیمیں ہوتیں تو **عیسائیوں میں اپریل فول کی گندی رسمیں** اب تک کیوں جاری رہتیں۔ دیکھو اپریل فول کیسی بُری رسم ہے کہ ناحق جھوٹ بولنا اس میں تہذیب کی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ عیسائی تہذیب اور انجیلی تعلیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیسائی لوگ جھوٹ سے بہت ہی پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ عملی حالت اس پر شاہد ہے مثلاً قرآن تو تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک ہی ہے مگر سنا گیا ہے کہ انجیلیں ساٹھ سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ شاباش اے پادریان! جھوٹ کی مشق بھی اسے کہتے ہیں۔ شاید آپ نے اپنے ایک مقدس بزرگ کا قول سنا ہے کہ جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ ثواب کی بات ہے۔

(مکتوبات احمد جلد اوّل صفحہ 199)

دینی غیرت کا اظہار / عیسائیوں کے کنوئیں کا پانی نہ لیا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا تھا موسم گرما تھا۔ پانی کی ضرورت پڑتی تھی لیکن پانی اپنے ساتھ لے جایا جاتا تھا۔ عیسائیوں کے چاہ (کنوئیں) کا پانی نہیں لیا جاتا تھا کیونکہ عیسائی قوم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والی ہے۔ لہٰذا ان کے چاہ کا پانی پینا حضور پسند نہ فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 198)

دینی غیرت کا اظہار / مٹھائی نہیں کھائی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مباحثہ آتھم میں فریقین کی تقاریر جو قلمبند ہوتی تھیں۔ دونوں فریق کے کاتبان تحریر آپس میں اُن کا مقابلہ کر لیتے تھے۔ کبھی اُن کے کاتب آ جاتے، کبھی میں جاتا۔ ایک دفعہ میں مضمون کا مقابلہ کرانے کے لئے آتھم کے مکان پر گیا۔ جا کر بیٹھا ہی تھا کہ

آتھم نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر آباد کا۔اس نے کہا وہاں کے منشی عبدالواحد صاحب منصف ایک میرے دوست تھے۔ میں نے کہا کہ وہ میرے چچا تھے۔ پھر کسی جگہ کا آتھم نے ذکر کیا کہ میں وہاں کا ڈپٹی تھا اور منشی عبدالواحد صاحب بھی وہاں منصف یا تحصیلدار تھے اور میرا اُن کا بڑا تعلق تھا۔اور وہ بھی اپنے آپ کو ملہم سمجھتے تھے۔تم تو میرے بھتیجے ہوئے اور وہ اپنی مستورات کو لے آیا اور اُن سے ذکر کیا کہ یہ میرے بھتیجے ہیں ان کی خاطر کرنی چاہیے۔ چنانچہ اُسی وقت مٹھائی وغیرہ لائی گئی۔ میں نے کہا کہ میں یہ نہیں کھا سکتا کیونکہ ہمارے حضرت صاحب نے بعض عیسائیوں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم ہمارے آقا اور مولا کی ہتک کرتے ہو تو ہم تمہاری دعوت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں بھی چائے نہیں پی سکتا۔ وہ کہتا رہا کہ احمدی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ بھتیجا ہونے کی وجہ سے دعوت کرتے ہیں۔اس کے بعد میں مضمون کا مقابلہ کرائے بغیر وہاں سے چلا آیا اور حضور کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔حضور نے فرمایا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔اب تمہیں وہاں جا کر مقابلہ کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔انہیں خواہش ہو تو خود آجایا کریں۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 49،48)

دینی غیرت کا اظہار ر بدگو مخالفین سے معانقہ ناجائز قرار دیا

حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں یہ غیرت ایمانی کے خلاف ہے کہ وہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔قرآن شریف ایسی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں۔اُن کے ساتھ کھانا کھانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔اگر کوئی

شخص کسی کی ماں بہن کو گالیاں دے، تو کیا وہ روا رکھے گا کہ اس کے ساتھ مل کر بیٹھے اور معانقہ کرے۔ پھر جب یہ بات نہیں اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں اور گالیاں دینے والوں سے کیوں اس کو جائز رکھا ہے۔

(الحکم 17/ اگست 1902ء صفحہ 10)

ناول لکھنا اور پڑھنا

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک سوال پیش ہوا کہ ناولوں کا لکھنا اور پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا:

ناولوں کے متعلق وہی حکم ہے جو آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کے متعلق فرمایا ہے کہ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ اُس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور قبیح قبیح ہے۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ مثنوی مولوی رومی میں جو قصے لکھے ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں اور اصل واقعات نہیں ہیں۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثیلوں سے بہت کام لیتے تھے۔ یہ بھی.... ایک قسم کے ناول ہیں جو ناول نیت صالح سے لکھے جاتے ہیں، زبان عمدہ ہوتی ہے نتیجہ نصیحت آمیز ہوتا ہے اور بہر حال مفید ہیں اُن کے حسب ضرورت وموقعہ لکھنے پڑھنے میں گناہ نہیں۔

(بدر 5 ستمبر 1907ء صفحہ 3)

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

سوال پوچھنے پر آپؑ نے فرمایا:

''قربانی کا گوشت غیر مُسلم کو بھی دینا جائز ہے۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 83)

عیسائیوں کا کھانا جائز ہے

اہل کتاب کا کھانا کھانے پر بابو محمد افضل صاحب کے سوال پر حضرت اقدسؑ نے جواب دیا

کہ ’’ تمدّن کے طور پر ہندوؤں کی چیز بھی کھا لیتے ہیں۔اسی طرح عیسائیوں کا کھانا بھی درست ہے مگر بایں ہمہ یہ خیال ضروری ہے کہ برتن پاک ہوں، کوئی ناپاک چیز نہ ہو۔‘‘

(الحکم 17 جون 1901ء صفحہ 4)

ہندوؤں کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا، ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ فرمایا:

شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے تو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:10) پر زور دیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھا لیتے تھے اور بغیر اس کے گذارہ بھی تو نہیں ہوتا۔

(الحکم 10 جون 1904 صفحہ 3)

ہندو رئیسہ کی دعوت اور نذر قبول کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں:

(ایک) مقدمہ میں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دورہ پر تھے، بمقام کارخانہ دھاریوال پیشی تھی اور رمضان کا مہینہ تھا۔تاریخ سے پہلے خیال تھا کہ کارخانہ دھاریوال کے قریب کسی جگہ ڈیرہ لگایا جائے تا کہ پیشی کے وقت تکلیف نہ ہو۔(قادیان سے آٹھ میل سفر تھا) پہلے موضع لیل میں کوشش کی گئی لیکن افسوس کہ مسلمانانِ لیل نے انکار کر دیا۔بعدش موضع کھونڈا تجویز ہوگئی اور رانی ایشر کور صاحبہ جو موضع کھونڈا کی رئیسہ تھی اس نے حضرت اقدس کی تشریف آوری پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور اپنے مصاحبوں کو حضور علیہ السلام کے استقبال کے لئے آگے بھیجا اور اپنا عالی شان مکان صاف کرا کر رہائش کے لئے دے دیا اور اپنے مصاحبوں کے ذریعہ نذرانہ پیش کیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے حضور کے آنے کی اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ سردار جیمل سنگھ صاحب سرگباش آ گئے ہیں۔(سردار جیمل سنگھ صاحب رانی موصوفہ کے خسر تھے)

اس رات کو رانی صاحبہ موصوفہ نے حضور علیہ السلام کو مع خدام پُر تکلف دعوت دی حضور علیہ السلام نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 266، 267)

اس واقعہ کے متعلق اخبار الحکم لکھتا ہے:

رانی ایشر کور نے اپنے اہلکاروں کے ہاتھ ایک تھال مصری کا اور ایک باداموں کا بطور نذر پیش کیا اور کہلا بھیجا، بڑی مہربانی فرمائی۔ میرے واسطے آپؑ کا تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے سردار جیمل سنگھ آنجہانی کا آنا۔ حضرت اقدسؑ نے نہایت سادگی اور اُس لہجہ میں جو ان لوگوں میں خداداد ہوتا ہے، فرمایا:

''اچھا آپ نے چونکہ دعوت کی ہے ہم یہ نذر بھی لے لیتے ہیں۔''

(الحکم 31 جنوری 1899ء صفحہ 7)

ایک ہندو ساہوکار کی طرف سے دی ہوئی دعوت میں شرکت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جالندھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریباً ایک ماہ قیام پذیر رہے۔ بیعتِ اولیٰ سے تھوڑے عرصہ بعد کا یہ ذکر ہے۔ ایک شخص جو ہندو تھا اور بڑا ساہوکار تھا۔ وہ جالندھر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں حضور کی مع تمام رفقاء کے دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فوراً دعوت قبول فرمالی۔ اُس نے کھانے کا انتظام بستی بابا خیل میں کیا اور بہت پر تکلف کھانے پکوائے۔ جالندھر سے پیدل چل کر حضور مع رفقاء گئے۔ اس ساہوکار نے اپنے ہاتھ سے سب کے آگے دستر خوان بچھایا اور لوٹا اور سلا پچی لے کر خود ہاتھ دھلانے لگا۔ ہم میں سے کسی نے کہا کہ آپ تکلیف نہ کریں تو اُس نے کہا کہ میں نے اپنی نجات کا ذریعہ محض یہ سمجھا ہے کہ میری یہ ناچیز خدمت خدا قبول کرلے۔ غرض بڑے اخلاص اور محبت سے وہ کھانا کھلاتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد اُس نے حضرت صاحب سے عرض کی کہ کیا خدا

میرے اس عمل کو قبول کرے گا، مجھے نجات دے گا؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ نواز ہے۔ تم خدا کو واحد لاشریک یقین کرو اور بتوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرو اور اپنی ہدایت کے لئے خدا سے اپنی زبان میں ہی دعا مانگتے رہا کرو۔ اس نے کہا کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔ حضور بھی میرے لئے دعا مانگتے رہیں۔ پھر ہم واپس جالندھر آ گئے اور وہ ساہوکار دوسرے تیسرے دن آتا اور بڑے ادب کے ساتھ حضور کے سامنے بیٹھ جاتا۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 50، 51)

ہندوؤں کے ساتھ لین دین اور معاشرت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہندوؤں کے ہاں کا کھانا کھا پی لیتے تھے اور اہلِ ہنود کا تحفہ از قسم شیرینی وغیرہ بھی قبول فرما لیتے تھے اور کھاتے بھی تھے۔ اسی طرح بازار سے ہندو حلوائی کی دُکان سے بھی اشیاء خوردنی منگواتے تھے۔ ایسی اشیاء اکثر نقد کی بجائے ٹونبو کے ذریعہ سے آتی تھیں۔ یعنی ایسے رقعہ کے ذریعہ جس پر چیز کا نام اور وزن اور تاریخ اور دستخط ہوتے تھے۔ مہینہ بعد دکاندار وہ ٹونبو بھیج دیتا اور حساب کا پرچہ ساتھ بھیجتا۔ اس کو چیک کر کے آپ حساب ادا کر دیا کرتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ ہندوؤں کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز جائز سمجھتے تھے اور اس کے کھانے میں پرہیز نہیں تھا۔ آج کل جو عموماً پرہیز کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ مذہبی نہیں بلکہ اقتصادی ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 794)

مقدمات میں مصنوعی گواہ بنانا

ایک مختار عدالت نے سوال کیا کہ بعض مقدمات میں اگرچہ وہ سچا اور صداقت پر ہی مبنی ہو

مصنوعی گواہوں کا بنانا کیسا ہے؟ فرمایا:

اوّل تو اس مقدمہ کے پیروکار بنو جو بالکل سچا ہو۔ یہ تفتیش کرلیا کرو کہ مقدمہ سچا ہے یا جھوٹا پھر سچ آپ ہی فروغ حاصل کرے گا۔ دوم گواہوں سے آپ کا کچھ واسطہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ موکل کا کام ہے کہ وہ گواہ پیش کرے۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے کہ خود تعلیم دی جاوے کہ چند گواہ تلاش کرلاؤ اور ان کو یہ بات سکھا دو۔ تم خود کچھ بھی نہ کہو۔ موکل خود شہادت پیش کرے خواہ وہ کیسی ہی ہو۔

(الحکم 24/اپریل 1903ء صفحہ 10)

اشعار اور نظم پڑھنا

اشعار اور نظم پر سوال ہوا تو فرمایا:

نظم تو ہماری اس مجلس میں بھی سنائی جاتی ہے آنحضرت ﷺ نے بھی ایک دفعہ ایک شخص ... خوش الحان کی تعریف سن کر اس سے چند ایک اشعار سنے پھر فرمایا کہ رَحِمَکَ اللّٰہُ یہ لفظ آپ جسے کہتے تھے وہ جلد ہی شہید ہو جاتا چنانچہ وہ بھی میدان میں جاتے ہی شہید ہو گیا۔ ایک صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد مسجد میں شعر پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے روکا کہ مسجد میں مت پڑھو، وہ غصہ میں آگیا اور کہا کہ تو کون ہے کہ مجھے روکتا ہے میں نے اسی جگہ اور اسی مسجد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے تھے اور آپ نے مجھے منع نہ کیا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 74)

شعر کہنا

ایک شخص کا اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب شعر کہتے ہیں۔ فرمایا:

آنحضرت ﷺ نے بھی خود شعر پڑھے ہیں۔ پڑھنا اور کہنا ایک ہی بات ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے کُل صحابی شاعر تھے۔ حضرت عائشہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے قصائد

مشہور ہیں۔حسان بن ثابتؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات پر قصیدہ لکھا ہے۔

سید عبدالقادر صاحب نے بھی قصائد لکھے ہیں۔کسی صحابیؓ کا ثبوت نہ دے سکو گے کہ اس نے تھوڑا یا بہت شعر نہ کہا ہو مگر آنحضرت ﷺ نے کسی کو منع نہ فرمایا۔قرآن کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں۔

ایک شخص نے عرض کی کہ سورہ شعراء میں اخیر پر شاعروں کی مذمت کی ہے۔ فرمایا:

وہ مقام پڑھو۔وہاں خدا نے فسق وفجور کرنیوالے شاعروں کی مذمت کی ہے اور مومن شاعر کا وہاں خود استثناء کر دیا ہے۔پھر ساری زبور نظم ہے،یرمیاہ،سلیمان اور موسیٰ کی نظمیں تورات میں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نظم گناہ نہیں ہے ہاں فسق وفجور کی نظم نہ ہو۔ہمیں خود الہام ہوتے ہیں بعض ان میں سے مُقَفّٰی اور بعض شعروں میں ہوتے ہیں۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 74)

آتش بازی

فرمایا:

اس میں ایک جزو گندھک کا بھی ہوتا ہے اور گندھک وبائی ہوا صاف کرتی ہے۔چنانچہ آج کل طاعون کے ایام میں مثلاً انار بہت جلد ہوا کو صاف کرتا ہے اور اگر کوئی شخص صحیح نیت اصلاح ہوا کے واسطے ایسی آتش بازی جس سے کوئی خطرہ نقصان کا نہ ہو چلاوے تو ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں مگر یہ بہ شرط اصلاح نیت کے ساتھ ہو کیونکہ تمام نتائج نیت پر مترتب ہوتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابیؓ نے گھر بنوایا اور آپؐ کو مجبور کیا کہ آپؐ اس میں قدم ڈالیں۔آپؐ نے اس مکان کو دیکھا۔اس کے ایک طرف کھڑکی تھی۔آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کس لیے بنائی ہے؟اس نے عرض کیا کہ ٹھنڈی ہوا کے آنے کے واسطے۔آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو اذان سننے کے واسطے اس کی نیّت رکھتا تو ہوا تو آ ہی جاتی اور تیری نیّت کا ثواب بھی تجھے مل جاتا۔

(الحکم 24/اپریل 1903ء صفحہ 10)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں گھر کے بچے کبھی شب برات وغیرہ کے موقع پر یونہی کھیل تفریح کے طور پر آتش بازی کے انار وغیرہ منگا کر چلالیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات اگر حضرت صاحب موقعہ پر موجود ہوں تو یہ آتش بازی چلتی ہوئی آپ خود بھی دیکھ لیتے تھے۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں آتش بازی کے انار وغیرہ چلانا طاعونی مادہ کو مارنے اور ہوا کی صفائی کے لئے مفید ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہم بچپن میں بعض اوقات آتش بازی کی اس قسم کی غیر ضرررساں چیزیں جیسے انار ہوتا ہے منگا کر گھر میں چلا لیتے تھے اور حضرت صاحب دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے بلکہ بعض دفعہ ان چیزوں کے منگانے کے لئے ہم حضرت صاحب سے پیسے مانگتے تھے تو آپ دے دیتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 341)

آتش بازی اور باجا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ مرزا حاکم بیگ کی شادی پر اس کے سسرال نے آتش بازی، تماشے اور باجے کا تقاضا کیا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ میرے سسرال والے یہ چاہتے ہیں۔ حضور کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ سب ناجائز ہیں مگر مومن بعض وقت ناجائز سے بھی فائدہ اُٹھالیتا ہے۔ مثلاً شہر میں وبائی مرض پھیلی ہوئی ہے۔ ایک شخص اس خیال سے آتش بازی چھوڑتا ہے کہ اس سے ہوا صاف ہو جائے گی اور لوگوں کو فائدہ پہنچے گا تو وہ اس سے بھی گویا ثواب حاصل کرتا ہے اور اسی طرح باجے کے متعلق اگر اس شخص کی یہ نیت ہو کہ چونکہ ہم نے دور تک جانا ہے اور باجے کے ذریعے سے لوگوں کو علم ہو جائے گا کہ فلاں شخص کی

لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے۔اگراس نے اس نیت سے باجا بجوایا تو یہ ایک اعلان کی صورت ہو جائے گی۔اس میں بھی ناجائز کا سوال اُٹھ گیا۔

(سیرۃ المہدی جلد2 صفحہ 321)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں سوال کیا کہ شادیوں کے موقع پر اکثر لوگ باجا، آتش بازی، وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔اس کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے؟ فرمایا: ''آتش بازی تو جائز نہیں۔ یہ ایک نقصان رساں فعل ہے اور باجا کا بغرض تشہیر نکاح جواز ہے۔''

(سیرت المہدی جلد2 صفحہ 268)

سکھوں اور ہندوؤں کا اذان دلوانا

اخبار البدر نے لکھا: آج کل طاعون کی کثرت کے وقت اکثر سکھوں اور ہندوؤں کے گاؤں میں یہ علاج کیا جاتا ہے کہ اذان نماز بڑے زور اور کثرت سے ہر ایک گھر میں دلائی جاتی ہے اس کی نسبت ایک شخص نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ فعل کیسا ہے؟ فرمایا:

اذان سراسر اللہ تعالیٰ کا پاک نام ہے ہمیں تو حضرت علیؓ کا جواب یاد آتا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ مَیں اس اَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡہٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی (العلق:10،11) کا مصداق ہونا نہیں چاہتا۔ ہمارے نزدیک بانگ میں بڑی شوکت ہے اور اس کے دلوانے میں حرج نہیں (حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے۔)

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 116)

سونے، چاندی اور ریشم کا استعمال

عرض کی گئی کہ چاندی وغیرہ کے بٹن استعمال کئے جاویں؟ فرمایا:

تین چار ماشہ تک تو حرج نہیں لیکن زیادہ کا استعمال منع ہے۔اصل میں سونا چاندی عورتوں کی زینت کے لیے جائز رکھا ہے۔ہاں علاج کے طور پر ان کا استعمال منع نہیں جیسے کسی شخص کو کوئی عارضہ ہو اور چاندی سونے کے برتن میں کھانا طبیب بتلاوے تو بطور علاج کے صحت تک وہ استعمال کرسکتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔اُسے جوئیں بہت پڑی ہوئی تھیں۔آپؐ نے حکم دیا کہ تو ریشم کا کرتہ پہنا کر اس سے جوئیں نہیں پڑتیں۔(ایسے ہی خارش والے کے لیے ریشم کا لباس مفید ہے)۔

(البدر 24/اگست 1904ء صفحہ 8)

رشوت کے روپیہ سے بنائی گئی جائیداد

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص تائب ہو تو اس کے پاس جو اول جائیداد رشوت وغیرہ سے بنائی ہو اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا:

شریعت کا حکم ہے کہ توبہ کرے تو جس جس کا وہ حق ہے وہ اسے پہنچایا جاوے۔رشوت اور ہدیہ میں ہمیشہ تمیز چاہیے۔رشوت وہ مال ہے کہ جب کسی کی حق تلفی کے واسطے دیا یا لیا جاوے ورنہ اگر کسی نے ہمارا ایک کام محنت سے کر دیا ہے اور حق تلفی بھی کسی کی نہیں ہوئی تو اس کو جو دیا جاوے گا۔وہ اس کی محنت کا معاوضہ ہے۔

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 76)

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے اہل خانہ اور بچے ایک ایسے مقام میں ہیں جہاں طاعون کا زور ہے۔میں گھبرایا ہوا ہوں اور وہاں جانا چاہتا ہوں۔فرمایا:۔

''مت جاؤ۔لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرۃ:196) پچھلی رات کو اٹھ کر اُن

کے لیے دعا کرو۔ یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم خود جاؤ۔ ایسے مقام پر جانا گناہ ہے۔''
(الحکم 24/اپریل 1902ء صفحہ 8)

بھاجی قبول نہ کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ 7/دسمبر 1899ء کا واقعہ ہے۔ فرمایا کہ ہم نے گھر میں کہا ہوا ہے کہ جب کوئی بھاجی کے طور پر کوئی چیز بھیجے تو نہ لیا کرو۔ پھر فرمایا کہ ایک روز ایک عورت سکھ مذہب کی ہمارے گھر میں بعض چیزیں لے کر آئی۔ حسب دستور ہمارے گھر سے واپس کر دی گئیں۔ اس عورت نے کہا کہ واپس نہ کرو مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھ پر آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے اس عورت کو شناخت کیا۔ اصل بات یہ تھی کہ اس عورت کے لڑکے کو ام الصبیان کی بیماری تھی اور لڑکا قریب المرگ تھا وہ ہمارے پاس لڑکے کو لے آئی۔ اس کا علاج کیا گیا، لڑکا اچھا ہو گیا۔ اس کے شکرانہ میں وہ کچھ چیزیں لائی تھی پھر ہم نے گھر میں کہا کہ لے لو۔ یہ شکر گزاری کے طور پر ہے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 231، 232)

بچے کی ولادت پر مٹھائی بانٹنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مراد خاتون صاحبہ اہلیہ محترمہ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ''صلاح الدین'' کے عقیقہ کے وقت ڈاکٹر صاحب نے دو بکرے منگوائے۔ میں نے کہا کہ کچھ مٹھائی بھی منگوالو۔ میں نے منت مانی ہے کہ لڑکا ہوگا تو مٹھائی تقسیم کروں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عقیقہ کرنا تو سنت ہے۔ لڈو بانٹنے بدعت نہ ہوں؟ حضورؑ سے پوچھ لیا جاوے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ''خوشی کے موقعہ پر شیرینی بانٹنی جائز ہے۔'' پہلے دو بکرے

کیے گئے تھے پھر ایک اور کیا گیا تھا۔ دوسرے دن کچھ گوشت بازار سے بھی منگایا گیا تھا تا کہ تقسیم پوری ہو جاوے۔ اس وقت مٹھائی چار سیر روپیہ کی تھی جو کہ اٹھارہ روپیہ کی منگوا کر تمام گھروں میں اور دفاتر و مہمانخانہ وغیرہ سب جگہ تقسیم کی گئی تھی۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 223)

بیعت کے موقعہ پر شیرینی تقسیم کرنے کی اجازت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ اپنی بیعت سے قبل میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریر لدھیانہ میں سنی۔ جب وہ تقریر ختم ہوئی تو نماز مغرب ادا کی گئی۔ امامت حضرت صاحب نے خود فرمائی۔ اور پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور فلق تلاوت فرمائی۔ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔ اس کے بعد حضور نے بیعت لی۔ اس روز ہم دو آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ پہلے جب وہ صاحب بیعت کر کے کمرے سے باہر آ گئے تو حضور کے طلب فرمانے پر عاجز داخل ہوا۔ حضور نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بیعت لی۔ بیعت سے قبل خاکسار نے عرض کیا کہ جب میں نے اس سے قبل نقشبندی میں بیعت کی تھی تو کچھ شیرینی تقسیم کی تھی اگر اجازت ہو تو اب بھی منگوالی جائے۔ فرمایا لازمی تو نہیں اگر آپ کا دل چاہے تو ہم منع نہیں کرتے اور فرمایا ایسی باتیں جو آج کل لوگ بطور رسم اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کے مآخذ بھی سنت نبوی سے تلاش اور غور کرنے سے مل سکتے ہیں مثلاً یہی شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا معاملہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر پر کچھ آدمیوں کا مجمع ہو اور وہ تمام کی دعوت کی توفیق نہ رکھتا ہو تو اگر حاضرین کو ایک ایک کھجور بھی تقسیم کر دے تو خدا تعالیٰ اس کو دعوت کا ثواب عطا فرمائے گا۔ یہاں سے مجالس میں تبرک وغیرہ کی بنیاد پڑی ہے۔ اگر کوئی اس نیت سے ایسا

کرے تو وہ علاوہ ثواب دعوت کے عامل سنت ہونے کا اجر بھی پائے گا۔لیکن اب اس کے برعکس تبرک تقسیم کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ وہ صرف نام نمود کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی مجلس میں دال داکھ وغیرہ تقسیم کی ہے ہم جلیبی یا قلاقند تقسیم کریں گے اور دوسری طرف تبرک لینے والوں کا یہ حال ہے کہ اُن کو اس وعظ و پند سے فائدہ اُٹھانے کا مطلب ہی نہیں ہوتا جس کے لئے مجلس کا انعقاد ہوا ہو بلکہ ان کی ٹولیوں میں دن سے ہی مشورہ ہوتے ہیں کہ فلاں مجلس میں زردہ پلاؤ یا کوئی عمدہ مٹھائی تقسیم ہوگی ۔اس لئے وہاں چلیں گے اور مجلس میں جا کر باہر بیٹھے اونگھتے یا سوتے رہیں گے۔ جب تقسیم کا وقت آتا ہے تو سب سے پیش اور سب سے بیش لینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اگر موقعہ ملے تو ایک سے زیادہ دفعہ بدل کر یا دوسری طرف کی صفوں میں بیٹھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 84،85)

بچے کی پیدائش پر شکرانہ کے لڈو

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مرزا خدا بخش صاحب کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ انہوں نے لڈو میرے ہاں بھیجے۔ میں نے واپس کر دیئے کہ عقیقہ کا کھانا تو میں لے لوں گا مگر یہ میں نہیں لیتا۔تھوڑے عرصہ بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہ رکابی خود لئے تشریف لائے اور فرمایا کہ بات ٹھیک ہے جو تم نے کہی۔ یہ بچہ کی پیدائش کے لڈو نہیں بلکہ اس شکریہ کے ہیں کہ ماں کی جان بچ گئی۔ میں نے نہایت تکریم سے وہ رکابی لے لی۔ اُس وقت میرے مکان زنانہ کے صحن میں ایک دروازہ تھا اس پر کھڑے کھڑے یہ باتیں ہوئیں۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 52)

گانے بجانے کی مجلس سے علیحدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی

نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ بیعت اولیٰ سے پہلے کا ذکر ہے کہ میں قادیان میں تھا۔ فیض اللہ چک میں کوئی تقریب شادی یا ختنہ تھی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مع چند خدام کے مدعو کیا گیا۔ ان کے اصرار پر حضرت صاحب نے دعوت قبول فرمائی۔ ہم دس بارہ آدمی حضور کے ہمراہ فیض اللہ چک گئے۔ گاؤں کے قریب ہی پہنچے تھے کہ گانے بجانے کی آواز سُنائی دی جو اس تقریب پر ہو رہا تھا۔ یہ آواز سُنتے ہی حضور لوٹ پڑے۔ فیض اللہ چک والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے آکر بہت التجاء کی مگر حضور نے منظور نہ فرمایا۔ اور واپس ہی چلے آئے۔ راستہ میں ایک گاؤں تھا مجھے اس کا نام اس وقت یاد نہیں۔ وہاں ایک معزز سکھ سردارنی تھی۔ اُس نے بمنت حضور کی دعوت کی۔ حضور نے فرمایا قادیان قریب ہی ہے۔ مگر اس کے اصرار پر حضور نے اس کی دعوت قبول فرمالی۔ اور اس کے ہاں جا کر سب نے کھانا کھایا۔ اور تھوڑی دیر آرام کر کے حضور قادیان واپس تشریف لے آئے۔ ہمراہیان کے نام جہاں تک یاد ہے یہ ہیں۔ مرزا محمد اسماعیل صاحب شیر فروش، حافظ حامد علی، علی بخش حجام جس نے عطاری کی دکان کی ہوئی تھی اور بھی چند آدمی تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 49)

ٹنڈ کروانے کی ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں امام الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرم دین کے مقدمہ میں گورداسپور تشریف لے گئے تو ایک دن جبکہ آپ نے گورداسپور کی کچہری کے پاس جو جامن ہے اس کے نیچے ڈیرا لگایا ہوا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب جنہوں نے اس وقت اپنے سر کی ٹنڈ کرائی ہوئی تھی۔ اس جامن کے نیچے ٹہل رہے تھے۔ حضرت صاحب نے جب خواجہ صاحب کا سر منڈا ہوا دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا اور آئندہ کے لئے روکنے کے خیال سے فرمایا کہ یہ علامت

منافق یا یہود کی ہے مجھے یاد نہیں رہا کہ ان دونوں لفظوں میں سے حضور نے علامت منافق یا علامت یہود کونسا لفظ فرمایا مگر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ضرور تھے کہ منافق یا یہود۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ سر منڈانا خوارج کی علامت ہے اور اُسے ناپسند فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 630،629)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سر کے بال منڈوانے کو بہت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ خارجیوں کی علامت ہے۔ نیز حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے سر کے بال عقیقہ کے بعد نہیں مونڈے گئے چنانچہ آپ کے سر کے بال نہایت باریک اور ریشم کی طرح ملائم تھے اور نصف گردن تک لمبے تھے لیکن آپ کی ریش مبارک کے بال سر کے بالوں کی نسبت موٹے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ جو میر صاحب نے بیان کیا ہے کہ حضرت صاحب کے بال نصف گردن تک لمبے تھے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ان لوگوں کے بال نظر آتے ہیں جنہوں نے پٹے رکھے ہوتے ہیں اس طرح آپ کے بال نظر آتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گو آپ کے بال لمبے ہوتے تھے لیکن بوجہ اس کے کہ وہ نہایت نرم اور باریک تھے اور گھنے بھی نہ تھے وہ پٹوں کی طرح نظر نہ آتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 383)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **سِیۡمَاهُمُ التَّحۡلِیۡقُ اَوِ التَّسۡبِیۡدُ** اِن (منافقین کی) شناخت یہ ہے کہ ان کے سر کے بال منڈے ہوئے ہوں گے داڑھی بھی اسی میں شامل ہے۔

یہ حدیث دراصل حضرت اقدس امام علیہ السلام نے دارالامان میں بخاری شریف سے نکال

کر دکھلائی تھی اور اس وقت بالوں کا ذکر تھا اور کئی بار فرمایا تھا کہ سر اور داڑھی کے بال منڈانا منافق کی علامت ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم کو کبھی بال منڈانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ہمارے سر پر جو بال ہیں وہی ہیں جو عقیقہ کے دن اترے۔ آپ کے بال نہایت نرم اور نازک مونڈھوں تک رہتے تھے جیسے حدیثوں میں مسیح موعود کی علامت ٹھہرائی ہے۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 32)

حضرت مسیح موعودؑ کے مصافحہ کا طریق

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی بھی کسی سے معانقہ کرتے نہیں دیکھا۔ مصافحہ کیا کرتے تھے اور حضرت صاحب کے مصافحہ کرنے کا طریقہ ایسا تھا جو عام طور پر رائج ہے۔ اہلحدیث والا مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 718)

لباس میں سادگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ عام طور پر سفید ململ کی پگڑی استعمال فرماتے تھے جو عمومًا دس گز لمبی ہوتی تھی۔ پگڑی کے نیچے کلاہ کی جگہ نرم قسم کی رومی ٹوپی استعمال کرتے تھے اور گھر میں بعض اوقات پگڑی اتار کر سر پر صرف ٹوپی ہی رہنے دیتے تھے۔ بدن پر گرمیوں میں عمومًا ململ کا کرتہ استعمال فرماتے تھے۔ اس کے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنتے تھے۔ پاجامہ بھی آپ کا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ عمومًا جراب بھی پہنے رہتے تھے بلکہ سردیوں میں دو دو جوڑے اوپر تلے پہن لیتے تھے۔ پاؤں میں آپ ہمیشہ دیسی جوتا پہنتے تھے۔ نیز بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب سے حضرت مسیح موعودؑ کو دورے پڑنے شروع ہوئے۔

اس وقت سے آپ نے سردی گرمی میں گرم کپڑے کا استعمال شروع فرما دیا تھا۔ان کپڑوں میں آپ کو گرمی بھی لگتی تھی اور بعض اوقات تکلیف بھی ہوتی تھی مگر جب ایک دفعہ شروع کر دیئے تو پھر آخر تک یہی استعمال فرماتے رہے۔اور جب سے شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی ثم لاہوری احمدی ہوئے وہ آپ کے لئے کپڑوں کے جوڑے بنوا کر باقاعدہ لاتے تھے اور حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جیسا کپڑا کوئی لے آئے پہن لیتے تھے۔ایک دفعہ کوئی شخص آپ کے لئے گرگابی لے آیا۔آپ نے پہن لی مگر اس کے الٹے سیدھے پاؤں کا آپ کو پتہ نہیں لگتا تھا۔کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے اور پھر تکلیف ہوتی تھی بعض دفعہ آپ کا اُلٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر فرماتے ان کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں ہے۔والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی سہولت کے واسطے الٹے سیدھے پاؤں کی شناخت کے لئے نشان لگا دیئے تھے مگر باوجود اس کے آپ اُلٹا سیدھا پہن لیتے تھے۔اس لئے آپ نے اسے اتار دیا۔والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے بعض اوقات انگریزی طرز کی قمیص کے کفوں کے متعلق بھی اسی قسم کے ناپسندیدگی کے الفاظ فرمائے تھے۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف آپ کے لئے انگریزی طرز کی گرم قمیص بنوا کر لایا کرتے تھے۔آپ انہیں استعمال تو فرماتے تھے مگر انگریزی طرز کی کفوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔کیونکہ اول تو کفوں کے بٹن لگانے سے آپ گھبراتے تھے۔دوسرے بٹنوں کے کھولنے اور بند کرنے کا التزام آپ کے لئے مشکل تھا۔بعض اوقات فرماتے تھے کہ یہ کیا کان سے لٹکے رہتے ہیں۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ لباس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا عام اصول یہ تھا کہ جس قسم کا کپڑا مل جاتا تھا پہن لیتے تھے۔مگر عموماً انگریزی طریق لباس کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ اول تو اسے اپنے لئے سادگی کے خلاف سمجھتے تھے۔دوسرے آپ ایسے لباس سے جو اعضاء کو جکڑا ہوا رکھے بہت گھبراتے تھے۔گھر میں آپ کے لئے صرف ململ کے کُرتے

اور پگڑیاں تیار ہوتی تھیں۔ باقی سب کپڑے عموماً ھدیۃً آپ کو آجاتے تھے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری اس خدمت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ بعض اوقات کمر پر پٹکا بھی استعمال فرماتے تھے اور جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کوٹ ضرور پہن کر آتے تھے۔ اور ہاتھ میں عصا رکھنا بھی آپ کی سنت ہے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت صاحب کے واسطے ہر سال نصف تھان کے کُرتے تیار کیا کرتی تھی لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی تھی میں نے پورے تھان کے کُرتے تیار کئے۔ حضرت صاحب نے مجھے کہا بھی کہ اتنے کُرتے کیا کرنے ہیں مگر میں نے تیار کر لئے۔ ان میں سے اب تک بہت سے کُرتے بے پہنے میرے پاس رکھے ہیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 61،60)

لباس۔سبز پگڑی پہننا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے چوہدری غلام محمد صاحب بی اے نے بیان کیا کہ جب میں 1905ء میں قادیان آیا تو حضرت صاحب نے سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر کچھ گراں گذرا کہ مسیح موعودؑ کو رنگدار پگڑی سے کیا کام۔ پھر میں نے مقدمہ ابن خلدون میں پڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سبز لباس میں ہوتے تھے تو آپ کو وحی زیادہ ہوتی تھی۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 99)

حضرت مسیح موعودؑ کی بعض عادات مبارکہ

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب حضورؑ کے حلیہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

آپ کے سر کے بال نہایت باریک سیدھے، چکنے، چمکدار اور نرم تھے اور مہندی کے رنگ

سے رنگین رہتے تھے۔ گھنے اور کثرت سے نہ تھے بلکہ کم کم اور نہایت ملائم تھے۔ گردن تک لمبے تھے۔ آپ نہ سر منڈواتے تھے نہ خشخاش یا اس کے قریب کترواتے تھے بلکہ اتنے لمبے رکھتے تھے جیسے عام طور پر پٹے رکھے جاتے ہیں۔ سر میں تیل بھی ڈالتے تھے۔ چنبیلی یا حنا وغیرہ کا۔ یہ عادت تھی کہ بال سوکھے نہ رکھتے تھے۔

آپ کی داڑھی اچھی گھندار تھی، بال مضبوط، موٹے اور چمکدار سیدھے اور نرم، حنا سے سرخ رنگے ہوئے تھے۔ داڑھی کو لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل آپ کتروا دیتے تھے یعنی بے ترتیب اور ناہموار نہ رکھتے تھے بلکہ سیدھی نیچے کو اور برابر رکھتے تھے۔ داڑھی میں بھی ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک پھنسی گال پر ہونے کی وجہ سے وہاں سے کچھ بال پورے بھی کتروائے تھے اور وہ تبرک کے طور پر لوگوں کے پاس اب تک موجود ہیں۔ ریش مبارک تینوں طرف چہرہ کے تھی اور بہت خوبصورت۔ نہ اتنی کم کہ چھدری اور نہ صرف ٹھوڑھی پر ہو نہ اتنی کہ آنکھوں تک بال پہنچیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 413)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ حضرت مسیح موعودؑ کے کھانے پینے، لباس اور بعض دیگر عادات مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

روٹی آپ تندوری اور چولہے کی دونوں قسم کی کھاتے تھے۔ ڈبل روٹی چائے کے ساتھ یا بسکٹ اور بکرم بھی استعمال فرما لیا کرتے تھے بلکہ ولائتی بسکٹوں کو بھی جائز فرماتے تھے اس لئے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس میں چربی ہے کیونکہ بنانے والوں کا ادعا تو مکھن ہے اور پھر ہم ناحق بدگمانی اور شکوک میں کیوں پڑیں۔ مکی کی روٹی بہت مدت آپ نے آخری عمر میں استعمال فرمائی کیونکہ آخری سات آٹھ سال سے آپ کو دستوں کی بیماری ہو گئی تھی اور ہضم کی طاقت کم ہو گئی تھی علاوہ ان روٹیوں کے آپ شیرمال کو بھی پسند فرماتے تھے اور باقرخانی اور قلچہ وغیرہ غرض جو

اقسام روٹی کے سامنے آجایا کرتے تھے آپ کسی کو رد نہ فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 423)

حضرت مسیح موعودؑ کا وسمہ اور مہندی استعمال کرنا

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ روایت کرتے ہیں:

ابتدائے ایام میں آپ وسمہ اور مہندی لگایا کرتے تھے پھر دورانِ سر کے دورے بکثرت ہونے کی وجہ سے سر اور ریش مبارک پر آخر عمر تک مہندی ہی لگاتے رہے۔ وسمہ ترک کر دیا تھا۔ البتہ کچھ روز انگریزی وسمہ بھی استعمال فرمایا مگر پھر ترک کر دیا۔ آخری دنوں میں میر حامد شاہ صاحب نے ایک وسمہ تیار کر کے پیش کیا تھا وہ لگاتے تھے۔ اس سے ریش مبارک میں سیاہی آ گئی تھی مگر اس کے علاوہ ہمیشہ برسوں مہندی پر ہی اکتفا کی جو اکثر جمعہ کے جمعہ یا بعض اوقات اور دنوں میں بھی آپ نائی سے لگوایا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 413)

ایک موقعہ پر مہندی اور وسمہ کی نسبت ذکر ہوا۔ حضورؑ نے فرمایا :

''اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ وسمہ نہ لگانا چاہیے یا مہندی لگائی جاوے یا وسمہ اور مہندی ملا کر۔''

(البدر 8 مئی 1903ء صفحہ 1)

متفرق

قرآن شریف کی جامعیت

فرمایا:

کل چیزیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر انسان عقل مند ہو تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ یورپین لوگ ایک قوم سے معاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی ترکیب عبارت ایسی رکھ دیتے ہیں کہ دراز عرصہ کے بعد بھی نئی ضرورتوں اور واقعات کے پیش آنے پر بھی اس میں استدلال اور استنباط کا سامان موجود ہوتا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آئندہ کی ضرورتوں کے مواد اور سامان موجود ہیں۔

(از نوٹ بک مولوی شیر علی صاحب بحوالہ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 533)

قرآن کریم میں سب قوانین موجود ہیں

فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک کے لئے نہ صرف رسول کر کے بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا اور قرآن شریف کو ایک ایسے قانون کی طرح مکمل کیا جس میں دیوانی فوجداری مالی سب ہدایتیں ہیں سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب کے لوگ اپنے مقدمات آپ سے فیصلہ کراتے تھے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجناب کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجناب نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اُس کے دعوے کی ڈگری کی۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 242، 243)

قرآن کریم اور سائنس

فرمایا:

اس وقت خدا تعالیٰ نے مذہبی امور کو قصے اور کتھا کے رنگ میں نہیں رکھا ہے بلکہ مذہب کو ایک سائنس (عِلم) بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ زمانہ کشف حقائق کا زمانہ ہے جبکہ ہر بات کو عِلمی رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مَیں اس لئے ہی بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد کو اور قرآن کریم کے قصص کو علمی رنگ میں ظاہر کروں۔ (الحکم 10 راپریل 1902ء صفحہ 6)

قرآن کا صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی ہے یا نہیں؟

فرمایا:

ہم ہرگز فتویٰ نہیں دیتے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھا جاوے۔ اس سے قرآن کا اعجاز باطل ہوتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ قرآن دنیا میں نہ رہے بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جو دعائیں رسول اللہ ﷺ نے مانگی ہیں وہ بھی عربی میں پڑھی جاویں دوسرے جو اپنی حاجات وغیرہ ہیں ماثورہ دعا کے علاوہ وہ صرف اپنی زبان میں مانگی جاویں۔ ایک شخص نے کہا کہ حضور حنفی مذہب میں صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی سمجھا گیا ہے فرمایا:

''اگر یہ امام اعظم کا مذہب ہے تو پھر ان کی خطا ہے۔''

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 115)

نماز اور قرآن شریف کا ترجمہ جاننا ضروری ہے

مولانا محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ أَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء:44) سے ثابت ہے کہ انسان کو اپنے قول کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:

جن لوگوں کو ساری عمر میں تَعَلَّمُوْا نصیب نہ ہو اُن کی نماز ہی کیا ہے۔

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 114)

تکلف سے قرآن پڑھنے کی ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایام مقدمات کرم دین میں حضور علیہ السلام کئی کئی روز تک گورداسپور میں ہی رہتے تھے کیونکہ روزانہ پیشی ہوتی تھی۔ ایک مکان تحصیل کے سامنے جو تالاب ہے۔ اس کے جنوب میں کرایہ پر لیا گیا تھا۔ ایک روز حضورؑ مکان کے اوپر کے حصہ میں تھے۔ نیچے والے حصہ میں ایک شخص قرآن کریم تکلف کے لہجہ میں پڑھ رہا تھا، سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''یہ آواز کو ہی سنوارتا رہتا ہے۔'' گویا تکلف سے قرآن کریم پڑھنے کو ناپسند فرمایا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 251)

کلام پڑھ کر پھونکنا

ایک دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ مجھے قرآن شریف کی کوئی آیت بتلائی جائے کہ میں پڑھ کر اپنے بیمار کو دم کروں تا کہ اُس کو شفاء ہو۔ حضرت نے فرمایا:

بے شک قرآن شریف میں شفاء ہے۔ روحانی اور جسمانی بیماریوں کا وہ علاج ہے مگر اس طرح کا کلام پڑھنے میں لوگوں کو ابتلاء ہے۔ قرآن شریف کو تم اس امتحان میں نہ ڈالو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے بیمار کے واسطے دعا کرو۔ تمہارے واسطے یہی کافی ہے۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ صفحہ 146)

قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ثابت نہیں

فرمایا:

'' مُردوں کو ثواب پہنچانے کے واسطے صدقہ و خیرات دینا چاہئے اور اُن کے حق میں

دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔قرآن شریف پڑھ کر مُردوں کو بخشنا ثابت نہیں۔‘‘

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔صفحہ 199)

قرآن شریف سے فال لینے کی ناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مولوی محمد اسماعیل مولوی فاضل نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب سنوری مرحوم بیان فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن شریف سے فال لینے سے منع فرمایا ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 429)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ لکھتے ہیں:

قرآن شریف سے فال لینے سے حضرت صاحب عمومًا منع فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بہتر یہ ہے کہ جو امر پیش آوے اس کے متعلق استخارہ کرلیا جاوے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔صفحہ 199)

تلاوت کے دوران اگر وضو ساقط ہو جائے

کسی شخص کے سوال پر کہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے درمیان میں وضو ساقط ہو جائے تو پھر کیا وضو کیا جائے۔فرمایا:

قرآن شریف کی تلاوت سے قبل جب پہلی دفعہ وضو کرلیا ہو اور اثناء تلاوت میں اگر وضو قائم نہ رہے تو پھر تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ (ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔صفحہ 199)

ایامِ حیض میں قرآن کریم نہ پڑھیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ام ناصر صاحبہ حرم اوّل حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ و بنت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا ہے کہ میں اور سرور سلطان بیگم صاحبہ اہلیہ مرزا بشیر احمد صاحب و اہلیہ مولوی محمد علی صاحب اور اہلیہ پیر منظور محمد صاحب، حضرت مولوی صاحب

خلیفہ اولؓ سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے جایا کرتی تھیں۔ اس وقت مولوی صاحب اس مکان میں رہتے تھے جہاں اب اُمِّ وسیم سلمہا اللہ رہتی ہیں۔ پیر جی کی اہلیہ صاحبہ کو ماہواری تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ اور اماں جان کے سامنے سے جب ہم قرآن مجید لے کر گزریں تو حضرت اماں جان نے دریافت کیا کہ اس حالت میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا:

''جب خدا تعالیٰ نے ان دنوں میں چھٹی دے دی تو ہم کیوں نہ دیں۔ ان سے کہہ دو کہ ان دنوں میں قرآن مجید نہ پڑھیں۔''

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 243)

قرآن شریف کے اوراق کا ادب

ایک شخص نے عرض کی کہ قرآن شریف کے بوسیدہ اوراق کو اگر بے ادبی سے بچانے کے واسطے جلا دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ فرمایا:

''جائز ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی بعض اوراق جلائے تھے۔ نیت پر موقوف ہے۔''

(بدر 8راگست 1907ء صفحہ 5)

آمین کی تقریب پر تحدیث نعمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بچوں کی آمین کی تقریب پر اپنے دوستوں کی خصوصی دعوت کی اور اس موقعہ کے لئے نظم بھی لکھی۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لا انتہا فضل اور انعام ہیں ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان

نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا کہ اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا شکریہ بھی ہو لکھ دوں میں جیسا کہ ابھی کہا ہے کہ اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور میں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کر دوں۔

(الحکم 10/اپریل 1903ء صفحہ 2)

تعظیم قبلہ

سوال ہوا کہ اگر قبلہ شریف کی طرف پاؤں کر کے سویا جاوے تو جائز ہے کہ نہیں؟ فرمایا:

"یہ ناجائز ہے کیونکہ تعظیم کے برخلاف ہے۔"

سائل نے عرض کی کہ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی۔ فرمایا:

"یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اسی بناء پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لیے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے تو کیا یہ جائز ہو جاوے گا؟ ہرگز نہیں۔

وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ (الحج:33)"

(الحکم 31 جولائی 1904ء صفحہ 14)

سورۃ فاتحہ کا دم

حضرت پیر سراج الحق ؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں سرساوہ سے چل کر قادیان شریف حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا مرشدنا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح علیہ السلام بھی آئے ہوئے تھے اور صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے اور حضرت اقدس علیہ السلام بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ پیر صاحب بہت سے پیر

دیکھے کہ وہ عملیات اور تعویذ کرتے ہیں کوئی عمل آپ کے بھی یاد ہے جس کو دیکھ کر ہمیں بھی یقین آجائے کہ عمل ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یاد ہے۔فرمایا دکھاؤ اور میں نے عرض کی کہ ہاں وقت آنے دیجئے ، دکھلا دوں گا۔حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ضرور صاحبزادہ صاحب کو یاد ہوگا ان کے بزرگوں سے عمل چلے آتے ہیں۔کوئی دو گھنٹہ کے بعد ایک شخص آیا جس کو ذات الجنب یعنی پسلی کا درد شدت سے تھا میں نے عرض کی کہ دیکھئے اس پر عمل کرتا ہوں۔حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا کہ ہاں عمل کرو۔حضرت اقدس علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ ہاں عمل کرو۔میں نے اسی شخص پر دم کیا اس کو درد سے بالکل خدا تعالیٰ نے آرام کر دیا اور شفا دی۔جب اس کو آرام ہو گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ مسمریزم ہے؟ میں نے اس زمانہ میں مسمریزم کا نام بھی نہیں سنا تھا اور نہ میں جانتا تھا کہ مسمریزم کیا چیز ہوتا ہے۔حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا صاحبزادہ صاحب تم نے کیا پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیک وعلی محمد۔میں نے الحمد شریف پڑھی تھی۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 186)

تعویذ اور دم

ایک شخص نے مسئلہ استفسار کیا کہ تعویذ کا بازو وغیرہ مقامات پر باندھنا اور دم وغیرہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جناب مولانا حکیم نورالدین صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

’’احادیث میں کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نہیں؟‘‘

حکیم صاحب نے عرض کی کہ لکھا ہے کہ خالد بن ولید جب کبھی جنگوں میں جاتے تو آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک جو کہ آپ کی پگڑی میں بندھے ہوتے آگے کی طرف لٹکا لیتے۔پھر آنحضرت ﷺ نے صرف ایک دفعہ صبح کے وقت سارا سر منڈوایا تھا تو آپ نے

نصف سر کے بال ایک خاص شخص کو دے دیئے اور نصف سر کے بال باقی اصحاب میں بانٹ دیئے۔آنحضرت ﷺ کے جبہ مبارک کو دھودھو کر مریضوں کو بھی پلاتے تھے اور مریض اس سے شفایاب ہوتے تھے۔ایک عورت نے ایک دفعہ آپ کا پسینہ بھی جمع کیا یہ تمام اذکار سن کر حضرت اقدس نے فرمایا:

''پھراس سے نتیجہ یہ نکلا کہ بہر حال اس میں کچھ بات ضرور ہے جو خالی از فائدہ نہیں ہے اور تعویذ وغیرہ کی اصل بھی اس سے نکلتی ہے بال لٹکائے تو کیا اور تعویذ باندھا تو کیا میرے الہام میں جو ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں میں سے برکت ڈھونڈیں گے۔آخر کچھ تو ہے تبھی وہ برکت ڈھونڈیں گے مگر ان تمام باتوں میں تقاضائے محبت کا بھی دخل ہے۔''

(البدر 17 جولائی 1903ء صفحہ 1)

شکرانہ کی نیت سے نذر ماننا درست ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

نذر کے متعلق حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ ہاں اگر کوئی نذر مانی جائے تو پھر اُس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ نذر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ناپسند فرمایا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ سے ایک قسم کا ٹھیکہ ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ٹھیکہ کرنا کوئی پسندیدہ امر نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اس کی بجائے صدقہ وخیرات اور دعاؤں سے کام لے۔ ہاں اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ کوئی نذر بھی شکرانہ کے طور پر مان لے تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ مَیں یہ استنباط حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عمل سے کرتا ہوں۔ آپ بعض دفعہ اُن لوگوں کو جو آپ سے دعا کے لئے عرض کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ مَیں دعا کروں گا۔ آپ اپنے دل میں خدمت دین کے لئے کوئی رقم مقرر کرلیں جسے اس کام کے پورا ہونے پر آپ خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ شکرانہ کے طور پر اگر کوئی نذر مان لی

جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اُس نذر کے ساتھ ساتھ دعاؤں اور گریہ وزاری اور صدقات وخیرات سے بھی کام لیا جائے۔ (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 620)

چندہ دینے کی نیت سے نذر ماننا

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے نام مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:

''عنایت نامہ پہنچا، مضمون سے آگاہی ہوئی۔ اب یقیناً معلوم ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلا ہے بلکہ ایک سخت ابتلا ہے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ خدا تعالیٰ دعا کرنے کے لئے پوری توجہ بخشے اور خدا کا استغناءِ ذاتی بھی پیش نظر تھا کہ اتنے میں نظام الدین مستری کا قصہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ معاً دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ خدا کے فضل اور کرم سے کیا تعجب ہے کہ اگر نظام الدین کی کارروائی کے موافق آپ کی طرف سے مع اپنے بھائیوں کے کارروائی ہو تو خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو نظام الدین کے ساتھ کیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نظام الدین نام سیالکوٹ میں ایک مستری ہے۔ چند روز ہوئے اس کا ایک خط میرے نام آیا۔ افسوس ہے کہ وہ خط شاید چاک کیا گیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ میں ایک فوجداری جرم میں گرفتار ہو گیا ہوں اور کوئی صورت رہائی کی نظر نہیں آتی۔ اس بیقراری میں مَیں نے یہ نذر مانی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس خوفناک مقدمہ سے رہا کر دے تو میں مبلغ پچاس روپیہ نقد آپ کی خدمت میں بلاتوقف ادا کروں گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب اس کا خط پہنچا تو مجھے خود روپیہ کی ضرورت تھی۔ تب میں نے دعا کی کہ اے خدائے قادر وکریم! اگر تو اس شخص کو اس مقدمہ سے رہائی بخشے تو تین طور کا فضل تیرا ہوگا۔ اوّل یہ کہ یہ مضطر آدمی اس بَلا سے رہائی پا جائے گا۔ دوم مجھے جو اس وقت روپیہ کی ضرورت ہے میرا مطلب کسی قدر پورا ہوگا۔ سوم تیرا ایک نشان ظاہر ہو جائے گا۔ دعا کرنے سے چند روز بعد نظام الدین کا خط آیا جو آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں اور دوسرے روز پچاس روپے آ گئے۔ پس میرے دل میں خیال گزرا کہ ان دنوں میں دینی ضروریات

کے لئے بہت کچھ تفکرات مجھے پیش ہیں۔مہمانوں کے اُترنے کیلئے عمارت نامکمل ہے۔مرزا خدابخش کی چارسَو روپیہ کی خریدی ہوئی زمین ہے وہ توسیع مکان کے لئے مل سکتی ہے۔اگر اس قدرروپیہ دیا جائے۔ پھر کم سے کم دو ہزار روپیہ اور چاہیے تا اس پر عمارت بنائی جائے اور تکمیل مینار کا فکر بھی ہر وقت دل کو لگا ہوا ہے مگر وہ ہزار ہا روپیہ کا کام ہے۔جس طرح خدا چاہے گا اس کو انجام دے گا۔ بالفعل بموجب وحی الٰہی وَسِّعْ مَکَانَکَ کے مہمانوں کے پورے آرام کے لئے ان اخراجات کی ضرورت ہے۔پس میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اگر ایک بلا سے رہا ہونے کے لئے آپ معہ اپنے بھائیوں کے دوسری بلا کو منظور کر لیں یعنی یہ نذر کر لیں کہ اگر ہمیں اس بلا سے غیبی مدد سے رہائی ہوئی تو ہم اس قدر روپیہ محض للہ ان دینی ضروریات کیلئے جس طرح ہم سے ہو سکے بلا توقف ادا کر دیں گے تو میں اسی طرح دعا کروں گا جس طرح میں نے نظام الدین مستری کیلئے دعا کی تھی۔خدا تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔کچھ تعجب نہیں کہ آپ کے اس صدق کو دیکھ کر آپ کی مشکل کشائی فرماوے۔میں یہ وعدہ نہیں کرتا کہ ضرور یہ دعا قبول ہو جائے گی کیونکہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے مگر مجھے اپنے ربّ کریم کی سابق عنایتوں پر نظر کر کے یقین کُلّی ہے کہ کم سے کم وہ مجھے آئندہ کے حالات سے اطلاع دے دے گا اور چونکہ اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں پچاس یا ساٹھ نشان اور دکھلاؤں گا اس لئے تعجب نہیں کہ آپ کی اس بیقراری کے وقت یہ بھی ایک نشان ظاہر ہو جائے۔لیکن قبل اس کے کہ خدا تعالیٰ مشکل کشائی فرما دے۔ہماری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں اور ایک پیسہ کا بھی مطالبہ نہیں۔ ہاں اگر دعا سنی جائے اور آپ کا کام ہو جائے تب فی الفور آپ کو نذر مقررہ بلا تاخیر ایک ساعت ادا کرنا ہوگا اور دو نفل پڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ عہد کرنا ہوگا اور بعد پختگی عہد بلا توقف مجھے اطلاع دینا ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ جب نظام الدین کے لئے میں نے دعا کی تب خواب میں دیکھا کہ ایک چڑا اُڑتا ہوا میرے ہاتھ میں آ گیا اور اس نے اپنے تئیں میرے حوالہ کر دیا اور میں نے کہا کہ یہ ہمارا

آسمانی رزق ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر آسمان سے رزق اُترا کرتا تھا۔ یہ بات خدا نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ دل تو مانتا ہے کہ کچھ ہونہار بات ہے۔ **واللّٰہ اعلم**"

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 299، 300)

بعض دفعہ قسم توڑنا حسنِ اخلاق میں داخل ہوتا ہے

خدا تعالیٰ نے اپنے اخلاق میں یہ داخل رکھا ہے کہ وہ وعید کی پیشگوئی کو توبہ واستغفار اور دعا اور صدقہ سے ٹال دیتا ہے اسی طرح انسان کو بھی اُس نے یہی اخلاق سکھائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جو منافقین نے محض خباثت سے خلاف واقعہ تہمت لگائی تھی اس تذکرہ میں بعض سادہ لوح صحابہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ ایک صحابی ایسے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے دو وقتہ روٹی کھاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اس خطا پر قسم کھائی تھی اور وعید کے طور پر عہد کر لیا تھا کہ میں اس بے جا حرکت کی سزا میں اس کو کبھی روٹی نہ دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور:23) تب حضرت ابوبکر نے اپنے اس عہد کو توڑ دیا اور بدستور روٹی لگا دی۔ اسی بناء پر اسلامی اخلاق میں یہ داخل ہے کہ اگر وعید کے طور پر کوئی عہد کیا جائے تو اُس کا توڑنا حسن اخلاق میں داخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنے خدمتگار کی نسبت قسم کھائے کہ میں اس کو ضرور پچاس جوتے ماروں گا تو اس کی توبہ اور تضرع پر معاف کرنا سنت اسلام ہے تا **تخلق باخلاق اللّٰہ** ہو جائے مگر وعدہ کا تخلف جائز نہیں ترکِ وعدہ پر باز پُرس ہوگی مگر ترکِ وعید پر نہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 181)

ایک خواب کی بنیاد پر کیا جانے والا وظیفہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ پیر سراج الحق نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب آتھم کی پیش گوئی کی میعاد قریب آئی تو اہلیہ صاحبہ مولوی نورالدین صاحب نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہتا ہے کہ ایک ہزار ماش کے دانے لے کر ان پر ایک ہزار دفعہ سورہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ پڑھنی چاہئے اور پھر ان کو کسی کنوئیں میں ڈال دیا جاوے اور پھر واپس منہ پھیر کر نہ دیکھا جاوے۔ یہ خواب حضرت خلیفہ اولؓ نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ اس وقت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے اور عصر کا وقت تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ اس خواب کو ظاہر میں پورا کر دینا چاہیے کیونکہ حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جب کوئی خواب خود آپ یا احباب میں سے کوئی دیکھتے تو آپ اسے ظاہری شکل میں بھی پورا کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی اسی خیال سے حضرت نے ایسا فرمایا۔ اس پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے میرا اور میاں عبداللہ صاحب سنوری کا نام لیا اور حضرت نے پسند فرمایا اور ہم دونوں کو ماش کے دانوں پر ایک ہزار دفعہ سورہ اَلَمْ تَرَ کَیْف پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے عشاء کی نماز کے بعد سے شروع کر کے رات کے دو بجے تک یہ وظیفہ ختم کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ روایت حصہ اوّل میں میاں عبداللہ صاحب سنوری کی زبانی بھی درج ہو چکی ہے۔ اور مجھے میاں عبداللہ صاحب والی روایت سن کر تعجب ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فعل کس حکمت کے ماتحت کیا ہے کیونکہ اس قسم کی کارروائی بظاہر آپ کے طریق عمل کے خلاف ہے لیکن اب پیر صاحب کی روایت سے یہ عقدہ حل ہو گیا ہے کہ آپ کا یہ فعل دراصل ایک خواب کی بنا پر تھا جسے آپ نے ظاہری صورت میں بھی پورا فرما دیا کیونکہ آپ کی یہ عادت تھی کہ حتی الوسع خوابوں کو ان کی ظاہری شکل میں بھی پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بشرطیکہ ان کی ظاہری صورت شریعت اسلامی کے کسی حکم کے

خلاف نہ ہو۔اوراس خواب میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اصحاب فیل (جو عیسائی) تھے کے حملہ سے خدا نے کعبہ کو محفوظ رکھا اور اپنے پاس سے سامان پیدا کر کے ان کو ہلاک و پسپا کیا اسی طرح آتھم کی پیش گوئی والے معاملہ میں بھی عیسائیوں کا اسلام پر حملہ ہوگا اور ان کو ظاہرًا اسلام کے خلاف شور پیدا کرنے کا موقعہ مل جائے گا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ان کو شکست و ہزیمت کا سامان پیدا کر دے گا اور یہ کہ مومنوں کو چاہئے کہ اس معاملہ میں خدا پر بھروسہ کریں اور اسی سے مدد کے طالب ہوں اور اس وقت کو یاد رکھیں کہ جب مکہ والے کمزور تھے اور ان پر ابرہہ کا لشکر حملہ آور ہوا تھا اور پھر خدا نے ان کو بچایا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیر صاحب اور میاں عبداللہ صاحب کی روایتوں میں بعض اختلافات ہیں جو دونوں میں سے کسی صاحب کے نسیان پر مبنی معلوم ہوتے ہیں مثلاً میاں عبداللہ صاحب نے اپنی روایت میں بجائے ماش کے چنے کے دانے بیان کئے ہیں۔مگر خواہ ان میں سے کوئی ہو ماش اور چنے ہر دو کی تعبیر علم الرؤیا کے مطابق غم واندوہ کی ہے۔جس میں یہ اشارہ ہے کہ آتھم والے معاملہ میں بظاہر کچھ غم پیش آئے گا۔مگر یہ غم واندوہ سورۃ الفیل کے اثر کے ماتحت بالآخر تاریک کنوئیں میں ڈال دیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 289،290)

دین اسلام کے پانچ مجاہدات

فرمایا:

خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔نماز، روزہ، زکوٰۃ صدقات، حج، اسلامی دشمن کا ذبّ اور دفع خواہ سیفی ہو خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں یعنی ایسا نہیں چاہیے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی

رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔

(بدر 24 اکتوبر 1907ء صفحہ 3)

سخت مجاہدات کرنے پرناپسندیدگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بطور وِرد و وظائف کچھ پڑھنے کے لئے دریافت کیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ''اتباع سنت اور نمازیں سنوار کر پڑھنا سب سے اعلیٰ وظیفہ ہے اس کے علاوہ چلتے پھرتے درود شریف، استغفار اور جس قدر وقت فراغت میسر ہو قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا کافی ہے۔ ہمارے ہاں الٹے لٹک کر یا سردی میں پانی میں کھڑے ہو کر چلہ کرنے کا خلاف سنت کوئی طریق نہیں ہے۔'' اس پر اس درویش نے باصرار کہا کہ میں چونکہ سن شعور سے ہی مجاہدات کا عادی ہوں۔ اس لئے بطریق مجاہدہ اگر کچھ فرمادیا جاوے تو میں اب ان کے موافق کاربند رہوں گا۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت صاحب اُٹھے اور اندر جا کر ایک پلندہ براہین احمدیہ کے اس حصہ کا جو اس وقت تک شائع ہوا تھا اُٹھا لائے اور اس کو دے کر فرمایا کہ '' لو جہاں جاؤ اس کو خود بھی پڑھو اور دوسرے لوگوں کو بھی سناؤ۔ خدا نے اس وقت کا یہی مجاہدہ قرار دیا ہے۔''

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 279)

اپنی عمر دوسرے کو لگا دینے کی دعا کا جواز

اخبار بدر نے لکھا کہ میاں محمد دین احمدی کباب فروش لاہور (حال ساکن موضع دھورہ ڈھیری بٹاں ریاست جموں) نے ایک عریضہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جس میں لکھا تھا ''یا حضرت میں نے چند روز سے محض رضائے الٰہی کے لیے جناب باری تعالیٰ میں یہ دعا شروع کی ہے کہ میری عمر میں سے دس سال حضرت اقدس مسیح موعود کو دی جاوے کیونکہ اسلام کی اشاعت کے واسطے میری زندگی ایسی مفید نہیں۔ کیا ایسی دعا مانگنا جائز ہے؟''

حضرت اقدس نے جواب میں تحریر فرمایا:

''ایسی دعا میں مضائقہ نہیں بلکہ ثواب کا موجب ہے''

(بدر 6 جون 1907ء صفحہ 8)

مسمریزم یا عمل الترب کے اثرات

حضرت پیر سراج الحقؓ صاحب نعمانی تحریر کرتے ہیں:

(پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے) ایک مولوی صاحب نے ایک روز مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت مسمریزم جو آج کل بہت مشہور ہے یہ کیا چیز ہے۔ آیا اس میں کسی قسم کا اثر بھی ہے یا یوں ہی ایک بچوں کا کھیل تماشا اور وہم اور بے نتیجہ شے ہے؟ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مولوی صاحب مسمریزم بہت عمدہ کار آمد چیز اور نتیجہ خیز بات ہے۔ یوں تو کوئی شے بھی خدا نے عبث اور بے فائدہ نہیں بنائی رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا لیکن یہ مسمریزم تو بڑی کار آمد شے اور خاص اثر رکھتی ہے اور جیسا کہ اسلام نے اس کو لیا اور برتا اور فائدہ اُٹھایا ہے اور کسی مذہب یا کسی فرقہ نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ حقیقت اور مغز اسلام کو میسر آیا اور قشر اور پوست دوسروں کے حصے میں گیا۔ کہتے ہیں مسمر ایک انگریز کا نام ہے جس نے اس کو پھیلایا اور مشہور کیا ہے سو اس واسطے اس کے نام پر مسمریزم نام شہرت پکڑ گیا ورنہ دراصل اس کا نام تربی علم ہے ترب مٹی کو کہتے ہیں اور مٹی سے انسان کی پیدائش ہے۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ میرا لڑکا سلطان احمد بھی ایک میز کہیں سے لے آیا تھا۔ وہ بھی ہاتھ رکھنے سے حرکت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الہامًا فرمایا کہ یہ عمل الترب ہے۔ مسیح میں بھی یہ قوت تربی اچھی خاصی تھی۔ ہمارے الہام میں ہے هٰذَا هُوَ التَّرْبُ الَّذِىْ لَا يَعْلَمُهَا الْخَلْقُ یہ وہ عمل ترب ہے کہ مخلوق اس کی شناخت سے بے خبر ہے۔ پہلے زمانے میں فقراء کے پاس تھا وہ اس کو پوشیدہ راز سمجھ کر کسی کو نہیں بتلایا کرتے تھے سوائے خاص لوگوں کے صرف ان میں ہی تھا کہ دوسرے شخصوں کو بے ہوش کر دیتے۔ یہ ان کی کرامت ہوتی تھی مگر اب مسمریزم کے نام سے لوگ گھبراتے ہیں۔ فقراء صوفیہ

کی اصطلاح میں اس کا نام توجہ اور تصور ہے۔ اگر کسی کو مسمریزم نام اچھا نہ معلوم ہو تو اس کو توجہ اور تصور کہہ سکتے ہیں۔ غرض اسلام نے اس کو اس طرح سے لیا ہے کہ پہلے مصافحہ اور معانقہ کی صورت میں اگرچہ اوروں میں بھی مصافحہ اور معانقہ ہے لیکن بے اصل یوں ہی دل لگی کے طور سے۔ پھر نماز باجماعت میں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز باجماعت میں مونڈھے سے مونڈھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہو اور اپنے درمیان کچھ فاصلہ نہ رکھو کہ خالی جگہ شیطان داخل ہو جائے گا۔ یہ اس بات کو ظاہر کیا کہ ایک شخص کی توجہ جسمانی اور روحانی دوسرے شخص میں سرایت کر جاوے۔ جماعت میں جیسے جسمانی رنگ میں کوئی ضعیف اور کوئی قوی ہوتا ہے، ایسا ہی روحانی اور باطنی کیفیات میں بھی ضعف وقوت کا فرق ہوتا ہے تو جب اس میں ایک دوسرے کے ملنے سے ایک دیوار کی طرح ہو جائیں گے اور مل کر کھڑے ہونے سے ایک دوسرے کی تاثیر اور فیوض اور جذب روحانی پھیل کر سب میں پہنچ جاوے گی۔

جب پہلی صف اپنی قوت اور جذبِ روحانی سے پر ہو جائے گی تو پھر اس صف کا اثر دوسری صف پر پڑے گا اور پھر ان دونوں صفوں کا اثر تیسری پر پہنچے گا۔ اس کے سمجھنے کے لئے بجلی کی مشین کی سی ہے جو آج کل نکلی ہے۔ اگر اس بجلی کی مشین یا کل کو کوئی شخص ہاتھ میں پکڑے تو اس کا ہاتھ سُن ہو جائے گا اور چھوٹ نہیں سکے گا۔ ایسا ہی اگر کوئی دوسرا شخص اس کا ہاتھ پکڑ لے تو اس پر بھی برقی اثر ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر دس اور بیس اور پچاس سو تک ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے جائیں تو وہ برقی اثر سب پر یکساں اثر کرتا چلا جائے گا۔ اگر درمیان میں کچھ بھی فصل رہے گا تو برقی طاقت رُک جائے گی اور اس کی قوت جذب کام نہیں دے گی اور وہ جدائی جو واقعہ ہوئی ہے وہ اس برقی طاقت کو آگے نہیں چلنے دے گی اور روک ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر نماز کی صف میں کچھ فصل مل کر کھڑے ہونے میں ہوگا تو قوتِ روحانی یا اثر باطنی ایک دوسرے میں سے ہو کر آ رہا تھا وہ رہ جائے گا۔ اس کا نام اصطلاح شریعت میں شیطان رکھا ہے۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 276 تا 278)

متعدی بیماریوں سے بچاؤ کرنا چاہئے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ برکت بی بی صاحبہ اہلیہ اللہ یار صاحب ٹھیکیدار نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ میں اکثر اپنی بہن کے لڑکے کو جو چھ یا آٹھ سال کا تھا۔ حضرت اقدسؑ کے گھر میں لے جاتی تھی۔ ایک دن اس کو جبکہ نماز پڑھ رہی تھی کھانسی ہوئی۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ''اس بچہ کو کالی کھانسی ہے جب تک آرام نہ ہو یہاں ساتھ نہ لایا کرو۔'' میں نے عرض کی کہ حضور دعا فرماویں کہ آرام ہو جائے۔ چنانچہ بچہ کو جلد آرام ہو گیا تھا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 267)

متعدی بیماری سے بچاؤ کی تدبیر

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ برکت بی بی صاحبہ اہلیہ اللہ یار صاحب ٹھیکیدار نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور میری بہن مکیریاں سے آئے۔ طاعون کے دن تھے۔ حضور علیہ السلام کے دروازہ پر پہرہ تھا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ''تم کو کسی نے نہیں روکا؟'' عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؑ ہم کو کسی نے نہیں روکا۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ ''جہاں سے تم آئی ہو وہاں تو طاعون نہیں تھا؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''کوئی جگہ خالی نہیں رہے گی سب جگہ طاعون پڑ جائے گی۔''

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 265-264)

طاعون زدہ علاقہ سے باہر نکل جاؤ

یکم مارچ 1907ء کو ایک دوست نے ذکر کیا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے۔ فرمایا کہ

گاؤں سے فوراً باہر نکل جاؤ اور کھلی ہوا میں اپنا ڈیرہ لگاؤ۔ مت خیال کرو کہ طاعون زدہ جگہ سے باہر نکلنا انگریزوں کا خیال ہے اور اس واسطے اس کی طرف توجہ کرنا فرض نہیں، یہ بات نہیں۔ طاعون والی جگہ سے باہر نکلنا، یہ فیصلہ شرعی ہے۔ گندی ہوا سے اپنے آپ کو

بچاؤ۔ جان بوجھ کر ہلاکت میں مت پڑو اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ بخشواؤ کہ وہ قادر خدا ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ باوجود ان احتیاطوں کے اگر تقدیرِ الٰہی آجائے تو صبر کرو۔ (بدر 16 مئی 1907ء صفحہ 6)

زلزلہ کے وقت سجدہ ریز ہو جانا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت اُم ناصر صاحبہ حرم اوّل حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ بنت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ جب بڑا زلزلہ آیا صبح کا وقت تھا یکا یک شور وغل کی آوازیں آئیں اور جھٹکے شروع ہوگئے۔ ہم اس وقت گھر میں وہ کمرہ جو کنوئیں کے اوپر تھا اور اب گرا دیا گیا ہے، اس میں تھے۔ نوکریں باہر سے دروازہ کھٹکھٹا تیں کہ دروازہ کھول کر باہر نکلو۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ چارپائی پر چڑھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش فرماتے مگر جھٹکوں کے باعث کھول نہیں سکتے تھے۔ کنڈی کنڈے سے کچھ ہی پیچھے ہٹاتے تھے کہ زلزلہ کے جھٹکے سے ہاتھ چھوٹ جاتا اور حلقہ پیچھے ہٹ جاتا۔ کئی بار ایسا ہوا۔ بمشکل کنڈی کھولی۔ سردی بھی لگ رہی تھی۔ میں پردہ کے واسطے چادر اُٹھانی چاہی مگر میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے جلدی سے باہر کھینچ لیا۔ وہاں آنگن کی کنڈی بند تھی اسے بمشکل کھولا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب خدا کے حضور سجدہ میں گرے پڑے تھے۔ میں نے چونکہ نماز نہیں پڑھنی تھی میں کھڑی رہی۔ حضرت میاں صاحب نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر سجدہ میں گرا دیا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 255)

برتھ کنٹرول

حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:

قرآن شریف میں صرف یہ آیت ہے نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰی

شِئْتُمْ (البقرة : 224) یعنی تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لئے ایک کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی کی طرف جس طور سے چاہو آؤ۔ صرف کھیتی ہونے کا لحاظ رکھو یعنی اس طور سے صحبت نہ کرو جو اولاد کی مانع ہو۔ بعض آدمی اسلام کے اوائل زمانہ میں صحبت کے وقت انزال کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور باہر انزال کر دیتے تھے۔ اس آیت میں خدا نے اُن کو منع فرمایا اور عورتوں کا نام کھیتی رکھا یعنی ایسی زمین جس میں ہر قسم کا اناج اُگتا ہے۔ پس اس آیت میں ظاہر فرمایا کہ چونکہ عورت درحقیقت کھیتی کی مانند ہے جس سے اناج کی طرح اولاد پیدا ہوتی ہے سو یہ جائز نہیں کہ اُس کھیتی کو اولاد پیدا ہونے سے روکا جاوے۔ ہاں اگر عورت بیمار ہو اور یقین ہو کہ حمل ہونے سے اُس کی موت کا خطرہ ہوگا ایسا ہی صحت نیّت سے کوئی اور مانع ہو تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں ورنہ عندالشرع ہرگز جائز نہیں کہ اولاد ہونے سے روکا جائے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 292)

لونڈیاں کیوں بنائی گئیں؟

ہندوؤں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مسلمان جنگوں میں لونڈیاں بنا کر ان سے ہم بستر ہوتے تھے، آپؑ نے فرمایا:

کافروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو جو لڑائیوں میں ہاتھ آویں لونڈیاں بنا کر اُن سے ہم بستر ہونا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو شخص اصل حقیقت پر اطلاع پاوے وہ اس کو ہرگز محل اعتراض نہیں ٹھہرائے گا۔

اور اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں اکثر چنڈال اور خبیث طبع لوگ ناحق اسلام کے دشمن ہو کر طرح طرح کے دُکھ مسلمانوں کو دیتے تھے اگر کسی مسلمان کو قتل کریں تو اکثر اس میّت کے ہاتھ پیر اور ناک کاٹ دیتے تھے اور بے رحمی سے بچوں کو بھی قتل کرتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم کی عورت ہاتھ آتی تھی تو اُس کو لونڈی بناتے تھے اور اپنی عورتوں میں

(مگر لونڈی کی طرح) اُس کو داخل کرتے تھے اور کوئی پہلو ظلم کا نہیں تھا جو انہوں نے اٹھا رکھا تھا۔ ایک مدت دراز تک مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ملتا رہا کہ ان لوگوں کی شرارتوں پر صبر کرو مگر آخر کار جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا نے اجازت دے دی کہ اب ان شریر لوگوں سے لڑو اور جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ کرو☆ لیکن پھر بھی مُثلہ کرنے سے منع کیا یعنی منع فرما دیا کہ کافروں کے کسی مقتول کی ناک کان ہاتھ وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں اور جس بے عزتی کو مسلمانوں کے لئے وہ لوگ پسند کرتے تھے اس کا بدلہ لینے کے لئے حکم دے دیا۔ اسی بنا پر اسلام میں یہ رسم جاری ہوئی کہ کافروں کی عورتیں لونڈی کی طرح رکھی جائیں اور عورتوں کی طرح استعمال کی جائیں یہ تو انصاف اور طریق عدل سے بعید تھا کہ کافر تو جب کسی مسلمان عورت کو اپنے قبضہ میں لاویں تو اُس کو لونڈی بناویں اور عورتوں کی طرح اُن کو استعمال کریں اور جب مسلمان اُن کی عورتوں اور اُن کی لڑکیوں کو اپنے قبضہ میں کریں تو ماں بہن کر کے رکھیں۔ خدا بے شک حلیم ہے مگر وہ سب سے زیادہ غیرت مند ہے۔

(☆ حاشیہ۔ یاد رہے کہ نکاح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی بھی رضا مندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کھو چکی ہے اور وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ ان ظالم طبع جنگجو لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں پر بے جا ظلم کئے ہیں تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقارب کے جرائم کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہٰذا وہ اب فتحیاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کی رضا مندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقارب پر فتحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضامندی ہے۔ یہی حکم توریت میں بھی موجود ہے ہاں قرآن شریف میں فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے

کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے۔ اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے خبیث اور چنڈال لوگوں پر فتح یاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے لئے بھی روا نہیں کہ ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام بنا دیں کیونکہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر صرف اسی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو پس جبکہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ ان کو اور ان کے مردوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بناویں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ منه)

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 252 تا 254)

زنا کی گواہی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ شرعی طور پر زنا کے الزام کا گواہ جب تک سلائی اور سرمہ دانی والی حالت کی چشم دید گواہی نہ دے تب تک اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کے یہ الفاظ ایک حدیث کا ترجمہ ہیں۔ جس کے یہ الفاظ ہیں کہ كَالْمِيْلِ فِى الْمِكْحَلَةِ۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 804)

مہندی لگانا سنت ہے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مُراد خاتون صاحبہ اہلیہ محترمہ

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم آگرہ سے تین ماہ کی رخصت لے کر آئے۔ حضورؑ نے اونچا دالان رہنے کو دیا۔ میرا معمول تھا کہ روزانہ نماز عصر کے بعد حضورؑ کی خدمت میں سلام کو جاتی۔ حضرت اقدسؑ واُمّ المومنین صاحبہ ام ناصر والے صحن میں پلنگ پر بیٹھے تھے۔ میں سلام کر کے ایک چھوٹی چارپائی پر جو سامنے پڑی تھی بیٹھ گئی۔ میں اس وقت زیادہ تر سفید کپڑے ہی پہنتی تھی۔ حضورؑ نے حضرت ام المومنین سے دریافت کیا کہ ”کیا یہ ہمیشہ سفید کپڑے پہنتی ہیں؟“ اماں جان نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کو رنگین کپڑے پسند نہیں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور پسند تو ہیں لیکن کپڑے رنگنے سے ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔ حضورؑ نے میرے ہاتھوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ”مراد خاتون کیا تم مہندی نہیں لگایا کرتیں؟“ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؑ نے فرمایا ”کیوں؟“ میں نے پھر کہا کہ حضورؑ ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ”مہندی لگانا سنت ہے۔ عورتوں کو ہاتھ سفید نہیں رکھنے چاہئیں۔“ اتنے میں میر ناصر نواب صاحب مرحوم جو لاہور کچھ سامان لینے گئے ہوئے تھے تشریف لائے۔ اس سامان میں کچھ کپڑا اور بڑا پڑا مہندی کا بھی تھا۔ آپؑ نے حضرت اماں جان سے پوچھا کہ ”گھر میں مہندی ہے؟“ انہوں نے بتایا کہ مہندی گھر میں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ”یہ مہندی اور ایک قمیض کا کپڑا مراد خاتون کو دے دو اور اس کو کہہ دو کہ مہندی لگایا کرے۔“ وہ کپڑا ریشمی موتیا رنگ کا تھا۔ اس دن سے میں عموماً مہندی لگاتی ہوں اور رنگین کپڑا ابھی پہنتی ہوں۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 235، 236)

خلاف شرع امور میں والدین کی فرمانبرداری کس حد تک کی جائے؟

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دہلی پہنچ کر مولوی نذیر حسین صاحب اور مولوی محمد بشیر بھوپالوی سے مباحثہ فرمایا تھا۔ اُس سفر سے واپسی پر جماعت پٹیالہ کی

درخواست پر ایک دوروز کے لئے حضور نے پٹیالہ میں قیام فرمایا۔حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ہمراہ تھے۔ان دنوں میری شادی ونکاح کا مرحلہ درپیش تھا اور میرے والد مرحوم اپنی دنیادارانہ وضع کے پابند اور نام ونمود کے خوگر تھے اور اپنے احباب اور مشیروں کے زیراثر شادی کے اہتمام میں باوجود مالی حالت اچھی نہ ہونے کے قرض لے کر بھی جلوس اور خلاف شرع رسوم کی تیاریوں میں مصروف تھے۔خاکسار نے اُن سے ان رسوم کی مخالفت اور اپنی بیزاری کا اظہار کیا مگر اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔میں نے اپنی جائے ملازمت راجپورہ سے ان رسومات کے خلاف شرع اور خلاف اخلاق وتمدن ہونے کے متعلق تین چار صفحات کا ایک مضمون لکھ کر دہلی کے ایک ہفتہ وار اخبار میں شائع کرایا اور چند کاپیاں منگوا کر اپنے والد صاحب کی خدمت میں اور دیگر بزرگان کے نام بھجوادیں۔اس کے بعد میں پٹیالہ آ کر اپنے والد صاحب سے ملا۔والد صاحب نے مضمون کی تعریف کی اور اُن خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مضمون کے مطابق تم اپنے وقت پر عمل کر لینا۔میں نے تو صرف یہی ایک شادی کرنی ہے۔میں تو اسی طرح کروں گا جیسا میرا دل چاہتا ہے،تم کو وہ باتیں پسند ہوں یا نہ ہوں۔اس کا جواب خاموش رہنے کے سوا اور میرے پاس کیا تھا۔آخر میں نے ایک اہل حدیث مولوی سے جن کے ہمارے خاندان سے بہت تعلقات تھے اور خاکسار پر وہ بہت شفقت فرماتے تھے۔اپنی یہ مشکل پیش کی۔انہوں نے سن کر میرے والد صاحب کی طبیعت سے واقف ہونے کی وجہ سے اُن کو تو کچھ کہنے کی جرأت نہ کی بلکہ مجھے بڑی سختی سے تلقین کی کہ اگر تمہارے والد صاحب ان خلاف شرع رسومات کے ادا کرنے سے نہ رکیں تو تم شادی کرانے سے انکار کردو۔چونکہ میں اپنے والد صاحب کی طبیعت سے واقف تھا اور میرا کوئی دوسرا بہن بھائی بھی نہ تھا۔اس لئے میں نے خیال کیا کہ ایسا جواب اُن کو سخت ناگوار معلوم ہوگا اور میرے اُن کے تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہوکر خانگی زندگی کے لئے تباہ کن ہوں گے۔اس لئے ان حالات

میں میں سخت پریشانی اور تردّد میں تھا کہ انہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پٹیالہ تشریف لے آئے۔ایام قیام پٹیالہ میں حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب نماز عشاء کے بعد شب باش ہونے کے لئے ہمارے مکان پر تشریف لاتے اور صبح کی نماز کے بعد پھر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ایک دن موقعہ پا کر میں نے اپنی مشکل کو حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔حضرت مولوی صاحب نے اس داستان کو بڑے غور سے سنا اور فرمایا کہ چونکہ حضرت صاحب تشریف فرما ہیں اس لئے اس معاملہ کو حضور کو پیش کر دو۔میں نے عرض کیا کہ لوگوں کی ہر وقت آمد و رفت اور حضرت صاحب کی مصروفیت کے سبب شاید حضرت صاحب سے عرض کرنے کا موقعہ نہ ملے۔مولوی صاحب نے فرمایا موقعہ نکالنے کی ہم کوشش کریں گے۔خاکسار تو رخصت نہ ہونے کے سبب ایک روز قبل ہی راجپورہ اپنی جائے ملازمت پر چلا گیا۔حضرت صاحب اُس سے ایک روز بعد یا دوسرے روز بغرض واپسی راجپورہ صبح آٹھ بجے والی گاڑی سے پہنچے اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جب ٹرین پر سوار ہونے کے لئے پلیٹ فارم راجپورہ پر تشریف لائے تو مولوی صاحب نے خاکسار کو قریب طلب فرما کر یہ سارا واقعہ حضور کے گوش گزار کر دیا۔حضور نے تمام حالات سن کر خاکسار سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے والد صاحب کو یہ علم ہے کہ آپ کو ایسی رسوم جو کہ خلاف شرع ہیں دل سے پسند نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں اُن سے زبانی عرض کرنے کے علاوہ ایک مدلل مضمون ان رسومات کے خلاف لکھ کر ایک اخبار میں اپنے نام سے شائع کرا کر اس کی کاپیاں اپنے والد صاحب کے پاس پہنچائیں مگر وہ مضمون کو پسند کرنے اور اس سے متفق ہونے کے باوجود عملاً اس کے خلاف اور اپنی مرضی کے موافق کرنے پر آمادہ ہیں۔اس پر حضور نے فرمایا کہ اگر تم اُن اہل حدیث مولوی صاحب کے کہنے کے موافق شادی سے انکار کر دو تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔میں نے عرض کیا کہ ہمیشہ کے لئے میرا اُن سے انقطاع انجام ہوگا۔اس کے بعد فرمایا آخر

نکاح وغیرہ کی رسم تو اسلامی شریعت کے مطابق ہی ہوگی۔ خاکسار کے اثبات پر جواب عرض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو رسوم شرع اور سنت کے موافق ہیں اُن کو تم اپنی طرف سے سمجھو اور جو خلاف شرع امور ہیں اُن کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دو۔ دل سے ناپسند کرنے کے باوجود کچھ تعرض نہ کرو۔ اس طرح یہ مرحلہ بغیر فساد اور نزاع کے گزر جائے گا۔ پھر مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا میرے نزدیک کسی لڑکے کو کسی خلاف شرع امر میں باپ کو منع کرنے کا اس سے زیادہ حق نہیں کہ وہ اس امر کا خلاف شرع ہونا اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دے۔ سختی سے روکنے یا جبر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے والدین کے سامنے ادب کے ساتھ اپنا شانہ جھکانے کا اور اُن کے آگے اُف تک نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اتنے میں گاڑی آگئی۔ خاکسار نے حضرت صاحب سے مصافحہ کیا اور نیچے اُتر کر حضرت مولوی صاحب سے جب مصافحہ کیا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب کے فتویٰ نے آپ کی مشکل کا حل کر دیا۔ میں نے اسی لئے کہا تھا کہ حضرت صاحب سے عرض کرنا چاہئے۔ دراصل ہم مولوی صاحبان کی نظریں اُن گہرائیوں تک نہیں جاتیں جہاں حضرت صاحب کا نقطہ نگاہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ معاملہ بلا مخالفت گزر گیا۔ (سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 88 تا 90)

داروغہ نہ بنو

ایک شخص کا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش ہوا کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، یہ ہے، وہ ہے، اس کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟ وہ احمدی ہے یا نہیں؟ فرمایا:

اُس کو کہنا چاہیے کہ تم اپنے آپ کو سنبھالو اور اپنی حالت کو درست کرو۔ ہر شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ الگ ہے۔ تم کو کس نے داروغہ بنایا ہے جو تم لوگوں کے اعمال کی پڑتال کرتے پھرو اور اُن پر کفر یا ایمان کا فتویٰ لگاتے پھرو۔ مومن کا کام نہیں کہ بے فائدہ لوگوں کے پیچھے پڑتا رہے۔ (البدر 23 اپریل 1908ء صفحہ 6)

بڑی عمر میں ختنہ کروانا ضروری نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک شخص پچھتر سنگھ ریاست جموں کے تھے۔ وہ قادیان آکر مسلمان ہوگئے۔ نام ان کا شیخ عبدالعزیز رکھا گیا۔ ان کو لوگ اکثر کہتے تھے کہ ختنہ کرالو۔ وہ بیچارے چونکہ بڑی عمر کے ہوگئے تھے اس لئے ہچکچاتے تھے اور تکلیف سے بھی ڈرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ آیا ختنہ ضروری ہے۔ فرمایا بڑی عمر کے آدمی کے لئے سترِ عورت فرض ہے مگر ختنہ صرف سُنت ہے۔ اس لئے ان کے لئے ضروری نہیں کہ ختنہ کروائیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 756)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض خصوصیات

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حج نہیں کیا۔ اعتکاف نہیں کیا۔ زکوٰۃ نہیں دی، تسبیح نہیں رکھی۔ میرے سامنے ضَبْ یعنی گوہ کھانے سے انکار کیا۔ صدقہ نہیں کھایا۔ زکوٰۃ نہیں کھائی۔ صرف نذرانہ اور ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ پیروں کی طرح مصلّٰی اور خرقہ نہیں رکھا۔ رائج الوقت درود و وظائف (مثلاً پنج سُورہ۔ دعائے گنج العرش۔ درود تاج۔ حزب البحر۔ دعائے سریانی وغیرہ) نہیں پڑھتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حج نہ کرنے کی تو خاص وجوہات تھیں کہ شروع میں آپ کے لئے مالی لحاظ سے انتظام نہیں تھا کیونکہ ساری جائیداد وغیرہ اوائل میں ہمارے دادا صاحب کے ہاتھ میں تھی اور بعد میں تایا صاحب کا انتظام رہا۔ اور اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ ایک تو آپ جہاد کے کام میں منہمک رہے۔ دوسرے آپ کے لئے حج کا راستہ بھی مخدوش تھا۔ تاہم آپ کی خواہش رہتی تھی کہ حج کریں۔ چنانچہ حضرت والدہ صاحبہ نے آپ کے بعد آپ کی طرف

سے حج بدل کروادیا۔ اعتکاف ماموریت کے زمانہ سے قبل غالبًا بیٹھے ہوں گے مگر ماموریت کے بعد بوجہ قلمی جہاد اور دیگر مصروفیت کے نہیں بیٹھ سکے۔ کیونکہ یہ نیکیاں اعتکاف سے مقدم ہیں۔ اور زکوٰۃ اس لئے نہیں دی کہ آپ کبھی صاحبِ نصاب نہیں ہوئے۔ البتہ حضرت والدہ صاحبہ زیور پر زکوٰۃ دیتی رہی ہیں اور تسبیح اور رسمی وظائف وغیرہ کے آپ قائل ہی نہیں تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 623، 624)

حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی اولاد کے لئے صدقہ ناجائز قرار دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے صدقہ ناجائز خیال فرماتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 619)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سلامتی کی دعا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ساکن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ میرے والد صاحب نے ایک مرتبہ ذکر کیا کہ جب مَیں شروع شروع میں احمدی ہوا تو قصبہ شوپیاں علاقہ کشمیر کے بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ”صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَلَّمَکَ اللّٰهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ“ کے پڑھنے کے متعلق استفسار کروں۔ یعنی آیا یہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ سو مَیں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں اس بارہ میں خط لکھا۔ حضور نے جواب تحریر فرمایا کہ یہ پڑھنا جائز ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس استفسار کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں تو کیا اس صورت میں بھی آپؐ کو ایک زندہ شخص کی طرح مخاطب کرکے دُعا دینا جائز ہے سو اگر یہ روایت درست ہے تو حضرت مسیح موعودؑ کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسا

کرنا جائز ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ آپؐ کی روحانیت زندہ ہے اور آپؐ اپنی امّت کے واسطے سے بھی زندہ ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے خطاب کے رنگ میں دعا کرنا جائز ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنے ایک شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر آپ سے مدد اور نصرت بھی چاہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''اے سیّد الوریٰ! مددے وقتِ نصرت است''

یعنی اے رسول اللہ! آپؐ کی امّت پر ایک نازک گھڑی آئی ہوئی ہے۔ میری مدد کو تشریف لائیے کہ یہ نصرت کا وقت ہے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 553 ، 554)

ہر نو مسلم کے نام کی تبدیلی ضروری نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ میر شفیع احمد صاحب دہلوی نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک معزز احمدی کو سرپرتول چندر چڑ جی بنگالی کا ایک رشتہ دار گاڑی میں مل گیا اور اسے انہوں نے تبلیغ کی اور وہ بہت متاثر ہوا اور ان کے ساتھ قادیان چلا آیا اور یہاں آکر مسلمان ہو گیا۔ نام کی تبدیلی کے متعلق کسی نے عرض کیا تو حضور نے فرمایا کہ ان کا اپنا نام بھی اچھا ہے بس نام کے ساتھ احمد زیادہ کر دو، کسی اور تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ لوگوں نے اس کے بنگالی طرز کے بال کتروا دیئے ۔ جسے دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ بال کیوں کتروا دیئے؟ پہلے بال بھی اچھے تھے بلکہ اب خراب ہو گئے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے بال ایسے رنگ میں کتروا دیئے ہوں گے جو قریباً منڈے ہوئے کے برابر ہوں اور ایسی طرز کے بال حضرت صاحب پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ سر کے بال منڈانے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ خارجیوں کا طریق ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسلام لانے کے وقت نام بدلنا ضروری نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر مشرکانہ نام ہو تو وہ ضرور بدل دینا چاہیئے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 435،436)

حضرت مسیح موعودؑ کا تبرّک دینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری زمانہ میں اکثر دفعہ احباب آپ کے لئے نیا کرتہ بنوا لاتے تھے اور اسے بطور نذر پیش کر کے تبرک کے طور پر حضور کا اترا ہوا کرتہ مانگ لیتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی نے میرے ہاتھ ایک نیا کرتہ بھجوا کر پرانے اترے ہوئے کرتے کی درخواست کی۔ گھر میں تلاش سے معلوم ہوا کہ اس وقت کوئی اُترا ہوا بے دھلا کرتہ موجود نہیں۔ جس پر آپ نے اپنا مستعمل کرتہ دھوبی کے ہاں کا دھلا ہوا دیئے جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو دھوبی کے ہاں کا دھلا ہوا کرتہ ہے اور وہ شخص تبرک کے طور پر میلا کرتہ لے جانا چاہتا ہے۔ حضور ہنس کر فرمانے لگے کہ وہ بھی کیا برکت ہے جو دھوبی کے ہاں دھلنے سے جاتی رہے۔ چنانچہ وہ کرتہ اس شخص کو دے دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ وہ شخص غالباً یہ تو جانتا ہوگا کہ دھوبی کے ہاں دھلنے سے برکت جاتی نہیں رہتی۔ لیکن محبت کا یہ بھی تقاضا ہوتا ہے کہ انسان اپنے مقدس محبوب کا اُترا ہوا میلا بے دُھلا کپڑا اپنے پاس رکھنے کی خواہش کرتا ہے اور اسی طبعی خواہش کا احترام کرتے ہوئے گھر میں پہلے میلے کپڑے کی تلاش کی گئی لیکن جب وہ نہ ملا تو دُھلا ہوا کرتہ دے دیا گیا۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 343، 344)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے بیان کیا کہ میں حدیث میں یہ پڑھتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال صحابہؓ برکت کے لئے رکھتے تھے اس خیال سے میں نے ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور مجھے اپنے کچھ بال عنایت فرماویں۔ چنانچہ جب آپ نے حجامت کرائی تو مجھے اپنے بال بھجوا دیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میرے پاس بھی حضرت صاحب کے کچھ بال رکھے ہیں۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 21)

حضرت صاحبزادہ عبد اللطیفؓ صاحب کا تبرک

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبد اللطیف صاحب شہید کی شہادت کے بعد ان کا کوئی مرید ان کے کچھ بال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس قادیان لایا۔ آپ نے وہ بال ایک کھلے منہ کی چھوٹی بوتل میں ڈال کر اور اس کے اندر کچھ مشک رکھ کر اس بوتل کو سربمہر کر دیا اور پھر اس شیشی میں تاگہ باندھ کر اسے اپنی بیت الدعا کی ایک کھونٹی سے لٹکا دیا اور یہ سارا عمل آپ نے ایسے طور پر کیا کہ گویا ان بالوں کو آپ ایک تبرک خیال فرماتے تھے اور نیز بیت الدعا میں اس غرض سے لٹکائے گئے ہوں گے کہ دعا کی تحریک رہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بوتل کئی سال تک بیت الدعا میں لٹکی رہی۔ لیکن اب ایک عرصہ سے نظر نہیں آتی۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 339)

داڑھی رکھنا انبیاء کا طریق ہے

(ایک مہمان) عرب صاحب نے داڑھی کی نسبت دریافت کیا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

یہ انسان کے دل کا خیال ہے بعض انگریز تو داڑھی اور مونچھ سب منڈوا دیتے ہیں وہ اسے خوبصورتی خیال کرتے ہیں اور ہمیں اس سے ایسی سخت کراہت آتی ہے کہ سامنے ہو تو کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ داڑھی کا جو طریق انبیاء اور راستبازوں نے اختیار کیا ہے وہ بہت پسندیدہ ہے۔ البتہ اگر بہت لمبی ہو جاوے تو کٹوا دینی چاہیے۔ ایک مشت رہے۔ خدا نے یہ ایک امتیاز مرد اور عورت کے درمیان رکھ دیا ہے۔ (البدر 6 فروری 1903ء صفحہ 21)

داڑھی تراشنے کا جواز

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ریش مبارک کے زیادہ بڑھے ہوئے بالوں کو

قینچی سے کتروا دیا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان داڑھی کو بڑھائیں اور مونچھوں کو چھوٹا کریں۔ جس کی یہ وجہ ہے کہ داڑھی مردانہ زینت اور وقار کا موجب ہے اور مونچھوں کا بڑھانا عُجب اور تکبر پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ منشاء نہیں کہ داڑھی کی کوئی خاص مقدار شریعت نے مقرر کردی ہے۔ اس قسم کی جزئی باتوں میں شریعت دخل نہیں دیتی بلکہ شخصی مناسبت اور پسندیدگی پر چھوڑ دیتی ہے۔ منشاء صرف یہ ہے کہ داڑھی منڈ وائی نہ جائے بلکہ رکھی جاوے۔ لیکن داڑھی کا بہت زیادہ لمبا کرنا بھی پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک مشت و دو انگشت کے اندازہ سے زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کتروا دینی مناسب ہے۔ جس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ بہت لمبی داڑھی بھی خلاف زینت ہوتی ہے۔ اور اس کا صاف رکھنا بھی کچھ دقت طلب ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں داڑھی کو ایسا چھوٹا کتروانا بھی کہ وہ منڈھی ہوئی کے قریب قریب ہو جاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے احترام کے خلاف ہے جو ایک مخلص مسلمان کی شان سے بعید سمجھا جانا چاہیے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 339، 340)

داڑھی کیسی ہو؟

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک شخص محمد سعید صاحب عرب تھے، اور وہ داڑھی منڈ وایا کرتے تھے۔ جب وہ قادیان میں زیادہ عرصہ رہے تو لوگوں نے انہیں داڑھی رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ آخر انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ ایک دفعہ میرے سامنے عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میری داڑھی دیکھیں ٹھیک ہے۔ فرمایا اچھی ہے اور پہلے کیسی تھی۔ گویا آپ کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ پہلے یہ داڑھی منڈایا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 82)

حرام مال اشاعت اسلام میں خرچ کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ انبالہ کے ایک شخص نے حضرت صاحب سے فتویٰ دریافت کیا کہ میری ایک بہن کنچنی تھی۔ اس نے اس حالت میں بہت سا روپیہ کمایا پھر وہ مرگئی اور مجھے اس کا ترکہ ملا مگر بعد میں مجھے اللہ تعالیٰ نے توبہ اور اصلاح کی توفیق دی۔ اب میں اس مال کا کیا کروں؟ حضرت صاحبؑ نے جواب دیا:

ہمارے خیال میں اس زمانہ میں ایسا مال اسلام کی خدمت میں خرچ ہوسکتا ہے اور پھر مثال دے کر بیان کیا کہ اگر کسی شخص پر کوئی سگِ دیوانہ حملہ کرے اور اس کے پاس اس وقت کوئی چیز اپنے دفاع کے لئے نہ ہو، نہ سوٹی، نہ پتھر وغیرہ صرف چند نجاست میں پڑے ہوئے پیسے اس کے قریب ہوں تو کیا وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان پیسوں کو اٹھا کر اس کتے کو نہ دے مارے گا اور اس وجہ سے رک جاوے گا کہ یہ پیسے ایک نجاست کی نالی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح اس زمانہ میں جو اسلام کی حالت ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس روپیہ کو خدمتِ اسلام میں لگایا جاسکتا ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں جب کی یہ بات ہے۔ آج کل والے انگریزی پیسے زیادہ رائج نہ تھے بلکہ موٹے موٹے بھدے سے پیسے چلتے تھے جن کو منصوری پیسے کہتے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں خدمتِ اسلام کے لئے بعض شرائط کے ماتحت سودی روپیہ کے خرچ کئے جانے کا فتویٰ بھی حضرت صاحب نے اسی اصول پر دیا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فتویٰ وقتی ہے اور خاص شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ **وَمَنِ اعْتَدٰی فَقَدْ ظَلَمَ وَحَارَبَ اللّٰهَ۔**

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 243،244)

حاکم پر رعب ڈالنے کا وظیفہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ 1303ھ ماہ ذی الحجہ بروز جمعہ بوقت دس بجے حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا خوف ہو اور دل پر اس کے رعب پڑنے کا اندیشہ ہو تو آدمی صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ یٰسین پڑھے اور اپنی پیشانی پر خشک انگلی سے یَاعَزِیْزُ لکھ کر اس کے سامنے چلا جاوے انشاء اللہ اس کا رعب نہیں پڑے گا بلکہ خود اس پر رعب پڑ جائے گا اور ویسے بھی حضرت صاحب نے مجھے ہر روز کے واسطے بعد نماز فجر تین دفعہ یٰسین پڑھنے کا وظیفہ بتایا تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان میاں عبداللہ صاحب نے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا ہوا تھا اس لئے تاریخ وغیرہ پوری پوری محفوظ رہی اور خاکسار اپنی رائے سے عرض کرتا ہے کہ یَاعَزِیْزُ کے الفاظ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے قلب پر خدا کی طاقت و جبروت اور قہر و غلبہ کی صفات کا نقشہ جمائے گا اور ان کا تصور کرے گا تو لازمی طور پر اس کا قلب غیر اللہ کے رعب سے آزاد ہو جائے گا اور بوجہ اس کے کہ وہ مومن ہے اس کو ان صفات کے مطالعہ سے ایک طاقت ملے گی جو دوسرے کو مرعوب کر دے گی اور انگلی سے لکھنا علم النفس کے مسئلہ کے ماتحت تصور کو مضبوط کرنے کے واسطے ہے ورنہ وظائف کوئی منتر جنتر نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 127، 128)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حافظ نور محمد صاحب متوطن فیض اللہ چک نے مجھ سے تحریری طور پر بیان کیا کہ میں نے حافظ حامد علی صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر کسی مقدمہ میں یا اور کسی طرح کسی حاکم کے سامنے جانا ہو تو جانے سے پہلے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ لینی چاہئے اور سات مرتبہ اپنی

انگلی سے اپنی پیشانی پر ''یا عزیز'' لکھ لینا چاہئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کامیابی دیتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ طریق غالبًا حالت استغناء عن غیر اللہ اور حالت توکل علی اللہ کے پیدا کرنے کے لئے ہے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 441، 442)

کھانے کے لئے کوئی خاص طریق اختیار کرنا خلافِ شرع نہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ لدھیانہ میں پہلی دفعہ بیعت لے کر یعنی ابتداء 1889ء میں حضرت صاحب علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ میں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ حضرت صاحب سید تفضّل حسین صاحب تحصیل دار کے مکان پر ٹھہرے جو ان دنوں دفتر ضلع میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ وہاں ایک تحصیل دار نے جو سید صاحب کا واقف تھا۔ حضرت صاحب کی دعوت کی اور شہر کے دوسرے معززین کو بھی مدعو کیا۔ حضور تشریف لے گئے اور ہم تینوں کو حسب عادت اپنے دائیں بائیں بٹھایا۔ تحصیلدار صاحب نے کھانے کے لئے چوکیوں یعنی چھوٹے چھوٹے تخت پوشوں کا انتظام کیا تھا جن پر کھانا رکھا گیا اور لوگ ان کے گرد بیٹھ گئے۔ چوکیوں پر کنچ کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے۔ جب کھانا شروع ہوا تو میر عباس علی نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت صاحب نے ان سے دریافت کیا میر صاحب آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا یہ نیچریوں کے طریق کا کھانا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ خلاف شرع نہیں ہے۔ میر صاحب نے کہا میرا تو دل نہیں چاہتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا میر صاحب! ہم جو کھاتے ہیں۔ میر صاحب نے کہا حضرت آپ کھائیں میں تو نہیں کھاتا۔ غرض میر عباس علی نے کھانا نہیں کھایا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ جب عباس علی مرتد ہوا تو

مجھے یہ بات یاد آئی کہ وہ تو دراصل اسی وقت سے کٹ چکا تھا۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 71، 72)

ایک پیر کے بعد دوسرے کی بیعت کرنا

ایک شخص نے عرض کی کہ اگر ایک شخص کسی پیر کا پہلے سے مُرید ہے تو کیا جائز ہے کہ وہ بعد اس کے کسی اور پیر کی بیعت کرے۔ فرمایا

''اگر پہلی بیعت کسی اچھے آدمی کی نہ تھی تو وہ خود ہی قابلِ فسخ تھی اور اگر اچھے آدمی کی تھی تو دوسری بیعت نورٌ علی نور ہے۔ ایک چراغ کے ساتھ دوسرا چراغ جلانے سے روشنی بڑھتی ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے کئی متفرق جگہ بیعتیں کی تھیں۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 232، 233)

حضرت مسیح موعودؑ کو خدا کی طرف سے بیعت لینے کا حکم

سوال ہوا۔ کیا آپ دوسرے صوفیاء اور مشائخ کی طرح عام طور پر بیعت لیتے ہیں یا بیعت لینے کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ فرمایا:

''ہم تو امر الٰہی سے بیعت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اشتہار میں بھی یہ الہام لکھ چکے ہیں کہ **اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ** ''

(الحکم 24 مئی 1901ء صفحہ 8)

بیعت کا طریق

حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب اپنی بیعت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قیام قادیان کے دوران) دوسرے یا تیسرے دن میں نے حافظ حامد علی صاحب سے کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت صاحبؑ مجھے ایک علیحدہ مکان میں لے گئے۔ جس حصہ زمین پر نواب محمد علی خاں صاحب کا شہر والا مکان ہے۔ اور جس کے نیچے کے حصہ میں مرکزی

لائبریری رہ چکی ہے۔جس کے بالا خانہ میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رہ چکے ہیں۔(آج کل اگست 1935ء میں وہ بطور مہمان خانہ استعمال ہوتا ہے۔)اس زمین پر اُن دنوں حضرت صاحبؑ کا مویشی خانہ تھا۔گائے،بیل اُس میں باندھے جاتے تھے۔اس کا راستہ کوچہ بندی میں سے تھا۔حضرت صاحبؑ کے اندرونی دروازے کے سامنے مویشی خانہ کی ڈیوڑھی کا دروازہ تھا۔ یہ ڈیوڑھی اُس جگہ تھی۔ جہاں آج کل لائبریری کے دفتر کا بڑا کمرہ ہے۔اس ڈیوڑھی میں حضرت صاحبؑ مجھے لے گئے اور اندر سے دروازہ بند کردیا۔اُن ایام میں ہر شخص کی بیعت علیحدہ علیحدہ لی جاتی تھی۔ایک چارپائی بچھی تھی اُس پر مجھے بیٹھنے کو فرمایا۔حضرت صاحبؑ بھی اُس پر بیٹھے۔میں بھی بیٹھ گیا۔میرا دایاں ہاتھ حضرت صاحبؑ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دس شرائط کی پابندی کی مجھ سے بیعت لی۔دس شرائط ایک ایک کر کے نہیں دہرائیں بلکہ صرف لفظ دس شرائط کہہ دیا۔

حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ تحریر کرتے ہیں کہ ان سے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک ایک شرطِ بیعت کہلوائی۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت لاہور میں غالباً 1892ء میں کی تھی۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں حضرت صاحبؑ کی بیعت کرنے کے واسطے علیحدہ کمرہ میں داخل ہوا تو حضرت نے بیعت لینے کے وقت فرمایا کہ کہو مَیں دس شرائط پر عمل کروں گا۔مَیں نے عرض کی کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ دس شرائط کیا ہیں۔تب آپؑ نے ایک ایک شرط مجھ سے کہلوائی۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔صفحہ 6-7)

میت یا ارواح سے کلام

حضرت مفتی محمد صادق ؓ صاحب تحریر کرتے ہیں:

جب 1905ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اہل بیعت اور چند خدام کے ساتھ دہلی

تشریف لے گئے تو یہ خادم بھی بلحاظ ایڈیٹر اخبار بدر حضورؑ کے ہمرکاب تھا۔ محلّہ چتلی قبر میں الف خان سیاہی والے کے مکان پر قیام ہوا۔ ایک دن حضرت صاحبؑ فرمانے لگے کہ دہلی کے زندوں سے تو بہت امید نہیں چلو یہاں کے مُردوں سے ملاقات کریں کیونکہ اس سرزمین میں کئی ایک بزرگ اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ چنانچہ اس کے مطابق کئی دنوں میں خواجہ میر درد، قطب الدین اولیاء، قطب صاحب اور دیگر بزرگوں کی قبروں پر جاتے رہے۔ ان قبروں پر تھوڑی دیر کھڑے ہوکر ہاتھ اُٹھا کر آپؑ دعا کرتے اور دیگر احباب بھی آپؑ کے ساتھ دعا کرتے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی قبر پر فرمایا:

''ارواح کا تعلق قبور کے ساتھ ضرور ہوتا ہے اور اہل کشف توجہ سے میّت کے ساتھ کلام بھی کر سکتے ہیں۔''

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 137-138)

حضرت مسیح موعودؑ کا خدا کے حکم سے مجاہدات بجالانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ ''کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے''۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے

پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دے دیتا تھا اور اس طرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ میں تمام دن رات میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ 196 تا 198 حاشیہ)

اپنی تجویز سے شدید ریاضتیں نہ کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے خاص اذن سے ایک مرتبہ آٹھ نو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ ان روزوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ مَیں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ مَیں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو، وہ فوت ہو جائے۔ اِس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ اِنسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا

کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ میں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شاید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہو گئے اور بقیہ عمر اُن کی دیوانہ پن میں گذری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جن کے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں۔ ان کو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنی نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غراء اسلام سے منافی نہ ہو تو اس کو بجا لانا ضروری ہے لیکن آج کل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں اُن کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس اُن سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ 199، 200 حاشیہ)

سینہ پر دم کر دیا

حضرت مفتی محمد صادق صاحب حضور علیہ السلام کے دم کرنے کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

ایک دفعہ یہ عاجز راقم لاہور سے قادیان آیا ہوا تھا اور جماعت لاہور کے چند اور اصحاب بھی ساتھ تھے۔ صوفی احمد دین صاحب مرحوم نے مجھ سے خواہش کی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سفارش کر کے صوفی صاحب کے سینہ پر دَم کرادوں۔ چنانچہ حضرت صاحب کوچہ بندی میں سے اندرون خانہ جا رہے تھے جبکہ میں نے آگے بڑھ کر صوفی صاحب کو پیش کیا اور ان کی درخواست عرض کی۔ حضورؑ نے کچھ پڑھ کر صوفی صاحب کے سینہ پر دم کر دیا۔ (پھونک مارا) اور پھر اندر تشریف لے گئے۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ صفحہ 175، 176)

حیلہ اگر خدا سمجھائے تو شرع میں جائز ہے

آیت خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (صٓ:45) کی نسبت پوچھا گیا کہ اگر اس کے وہ معنی کئے جاویں جو عام مفسروں نے کئے ہیں تو شرع میں حیلوں کا باب کھل جائے گا۔

آپ نے فرمایا:

چونکہ حضرت ایوبؑ کی بیوی بڑی نیک، خدمت گزار تھی اور آپ بھی متقی صابر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور ایسی تدبیر سمجھا دی جس سے قسم بھی پوری ہو جائے اور ضرر بھی نہ پہنچے۔ اگر کوئی حیلہ اللہ تعالیٰ سمجھائے تو وہ شرع میں جائز ہے کیونکہ وہ بھی اسی راہ سے آیا جس سے شرع آئی۔ اس لیے کوئی ہرج کی بات نہیں۔

(بدر 28 فروری 1907ء صفحہ 6)

ریڈیو کے ذریعے گانا سننا

سوال: حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ریڈیو کے گانے کے متعلق حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم کا فتویٰ پیش کیا گیا۔ اس فتویٰ میں ان ہر دو علماء نے اس بات کا اظہار کیا کہ ریڈیو کے ذریعہ غیر عورت کا گانا سننا شریعت اسلامی کی رو سے ناجائز ہے؟

جواب: فرمایا میں اس بات کا قائل نہیں کہ کسی عورت کا گانا آمنے سامنے ہو کر سننا یا بذریعہ ریڈیو یا گراموفون سننا ایک ہی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ مرزا افضل بیگ صاحب مرحوم کے گراموفون پر ایک غزل گائی جاتی تھی میرے سامنے سنی اور اس کو منع قرار نہیں دیا۔ البتہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس طرح بُرا اثر پڑ سکتا ہے اور ضیاع وقت ہے اس بات کو روکا جا سکتا ہے مگر اس دلیل کی بناء پر اس کی حرمت کا فتویٰ میں دینے کو تیار نہیں ہوں۔ (فرمودات مصلح موعودؓ درباره فقہی مسائل صفحہ 387)

زندوں کا توسل جائز ہے

سوال پوچھا گیا کہ آیا دعا کے بعد یہ کلمات کہنے کہ یا الٰہی تو میری دعا کو بطفیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبول فرما، جائز ہے کہ نہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا:

''شریعت میں توسل احیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے بظاہر اس میں شرک نہیں ہے ایک حدیث میں بھی ہے۔''

(البدر 28 نومبر۔5 دسمبر 1902ء صفحہ 37)

تعبیر کرنے والے کی رائے کا اثر تعبیر پر نہیں پڑتا

ایک شخص نے سوال کیا کہ جب خواب بیان کیا جاتا ہے تو یہ بات مشہور ہے کہ سب سے اوّل جو تعبیر معبر کرے وہی ہوا کرتی ہے اور اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے خواب بیان نہ کرنا چاہئے فرمایا:

جو خواب مبشر ہے اس کا نتیجہ انذار نہیں ہوسکتا اور جو منذر ہے وہ مبشر نہیں ہوسکتا اس لیے یہ بات غلط ہے کہ اگر مبشر کی تعبیر کوئی مُعبّر منذر کی کرے تو وہ منذر ہو جاوے گا اور منذر مبشر ہو جاوے گا ہاں یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی منذر خواب آوے تو صدقہ وخیرات اور دعا سے وہ بلا ٹل جاتی ہے۔

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 117)

کسی نام سے فال لینا

کسی کے نام سے بطور تفاؤل کے فال لینے پر سوال ہوا فرمایا:

یہ اکثر جگہ صحیح نکلتا ہے آنحضرت ﷺ نے بھی تفاؤل سے کام لیا ہے ایک دفعہ مَیں گورداسپور مقدمہ پر جارہا تھا اور ایک شخص کو سزا ملنی تھی میرے دل میں خیال تھا کہ اسے سزا ہوگی یا نہیں کہ اتنے میں ایک لڑکا ایک بکری کے گلے میں رسی ڈال رہا تھا اس نے رسی کا حلقہ بنا کر بکری

کے گلے میں ڈالا اور زور سے پکارا کہ وہ پھنس گئی وہ پھنس گئی مَیں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسے سزا ضرور ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اسی طرح ایک دفعہ سیر کو جارہے تھے اور دل میں پگٹ کا خیال تھا کہ بڑا عظیم الشان مقابلہ ہے دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک شخص غیر از جماعت نے راستہ میں کہا السلام علیکم مَیں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہماری فتح ہوگی۔

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 117)

کسی کتاب سے فال لینا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایک اہم امر کے لئے دیوان حافظ سے بھی فال لی تھی لیکن اب یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ کس امر کے لئے فال لی تھی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ فال بھی ایک قسم کی قرعہ اندازی ہے اور اگر اس کے ساتھ دعا شامل ہو تو وہ ایک رنگ کا استخارہ بھی ہو جاتی ہے مگر میں نے سنا ہے کہ حضرت صاحب قرآن شریف سے فال لینے کو ناپسند فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 791)

کسی نام سے بُری فال لینا جائز نہیں

کسی لڑکی کا نام جنت تھا۔کسی شخص نے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں کیونکہ بعض اوقات انسان آواز مارتا ہے کہ جنت گھر میں ہے اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے کہ دوزخ ہی ہے۔یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں تو گویا نحوست ہوئی۔فرمایا:۔

یہ بات نہیں ہے۔نام کے رکھنے سے کوئی ہرج نہیں ہوتا اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے تو اس کا تو مطلب یہ ہے کہ وہ انسان اندر نہیں ہے نہ یہ کہ برکت نہیں یا اگر کہے کہ جنت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت نہیں اور دوزخ ہے بلکہ یہ کہ وہ انسان اندر نہیں جس کا نام جنت ہے۔

کسی اور نے کہا کہ حدیث میں بھی حرمت آئی ہے۔فرمایا کہ:۔

میں ایسی حدیثوں کوٹھیک نہیں جانتا اور ایسی حدیثوں سے اسلام پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ خدا کے بتائے ہوئے نام عبداللہ، عبدالرحیم اور عبدالرحمٰن جو ہیں ان پر بھی بات لگ سکتی ہے کیونکہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن اندر نہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ عبدالشیطان اندر ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ شخص جس کا نام نیک فال کے طور پر رکھا جاتا ہے تا وہ شخص بھی اس نام کے مطابق ہو۔ (الحکم 31مارچ 1907ء صفحہ 10، 11)

ہم تعویذ گنڈے نہیں کرتے

ایک شخص نے اپنی کچھ حاجات تحریری طور سے پیش کیں۔حضرت اقدسؑ نے پڑھ کر جواب میں فرمایا کہ:۔''اچھا، ہم دعا کریں گے۔''تو وہ شخص کسی قدر متحیّر ہوکر پوچھنےلگا۔آپ نے میری عرضداشت کا جواب نہیں دیا۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہم نے تو کہا ہے کہ دُعا کریں گے۔اس پر وہ شخص بولا کہ حضور کوئی تعویذ نہیں کیا کرتے؟ فرمایا:

''تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ہمارا کام تو صرف اللہ کے حضور دعا کرنا ہے۔''

(الحکم 6راپریل 1908ء صفحہ 1)

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت

حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب لکھتے ہیں:

کشمیر سے ایک احمدی لمبے قد کا غریب آدمی نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے گاؤں سے قادیان تک سارا رستہ پیدل چلتے ہوا آیا کرتا تھا۔اس کا نام غالبًا اکل جو تھا۔وہ ایک دفعہ قادیان میں آیا ہوا تھا جبکہ حضرت مسیح موعودؑ ایک صبح سیر پر جانے کے واسطے باہر تشریف لائے۔چوک میں وہ کشمیری بھی کھڑا تھا۔جب اس نے حضرت صاحبؑ کو دیکھا تو فرطِ محبت میں روتا ہوا آپؑ کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔آپؑ نے جھک کر اسے اُٹھایا اور فرمایا۔یہ ناجائز ہے۔انسان کو

سجدہ نہیں کرنا چاہئے۔

(ذکرِ حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 206، 207)

غیر ضروری تفتیش کرنا منع ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک گاؤں میں دوکان پر گڑ شکر بیچتا ہوں۔ بعض دفعہ لڑکے یا زمینداروں کے مزدور اور خادم چاکر کپاس یا گندم یا ایسی شے لاتے ہیں اور اس کے عوض میں سودا لے جاتے ہیں جیسا کہ دیہات میں عموماً دستور ہوتا ہے لیکن بعض لڑکے یا چاکر مالک سے چوری ایسی شے لاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں ان کو سودا دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ فرمایا:

جب کسی شے کے متعلق یقین ہو کہ یہ مال مسروقہ ہے تو پھر اس کا لینا جائز نہیں لیکن خواہ مخواہ اپنے آپ کو بدظنی میں ڈالنا امر فاسد ہے۔ ایسی باتوں میں تفتیش کرنا اور خواہ مخواہ لوگوں کو چور ثابت کرنے کی کوشش کرنا دوکاندار کا کام نہیں۔ اگر دوکاندار ایسی تحقیقاتوں میں لگے گا تو پھر دوکانداری کس وقت کرے گا؟ ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے۔ قرآنِ شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو۔ بہتر تھا کہ ایک گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے۔ حکم کی تعمیل ہو جاتی۔ انہوں نے خواہ مخواہ اور باتیں پوچھنی شروع کیں کہ وہ کیسی گائے ہے اور کیسا رنگ ہے اور اس طرح کے سوال کر کے اپنے آپ کو اور دقت میں ڈال دیا۔ بہت مسائل پوچھتے رہنا اور باریکیاں نکالتے رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ (بدر 8/اگست 1907ء صفحہ 5)

توریہ کا جواز اور اس کی حقیقت

پادری فتح مسیح کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

آپ لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے مگر یہ آپ کو اپنی جہالت کی وجہ سے غلطی لگی ہے اور اصل بات یہی ہے کہ کسی حدیث میں جھوٹ بولنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بلکہ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں کہ اِنْ قُتِلْتَ وَاُحْرِقْتَ یعنی سچ کو

مت چھوڑ اگر چہ تو قتل کیا جائے اور جلایا جائے۔ پھر جس حالت میں قرآن کہتا ہے کہ تم انصاف اور سچ مت چھوڑو۔ اگر چہ تمہاری جانیں بھی اس سے ضائع ہوں اور حدیث کہتی ہے کہ اگر چہ تم جلائے جاؤ اور قتل کئے جاؤ۔ مگر سچ ہی بولو۔ تو پھر اگر فرض کے طور پر کوئی حدیث قرآن اور احادیث صحیحہ کی مخالف ہو تو وہ قابل سماعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم لوگ اسی حدیث کو قبول کرتے ہیں جو احادیثِ صحیحہ اور قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔ ہاں بعض احادیث میں توریہ کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور اسی کو نفرت دلانے کی غرض سے کذب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ایک جاہل اور احمق جب ایسا لفظ کسی حدیث میں بطور تسامح کے لکھا ہوا پاوے تو شاید اس کو حقیقی کذب ہی سمجھ لے۔ کیونکہ وہ اس قطعی فیصلہ سے بے خبر ہے کہ حقیقی کذب اسلام میں پلید اور حرام اور شرک کے برابر ہے۔ مگر توریہ جو درحقیقت کذب نہیں گو کذب کے رنگ میں ہی اضطرار کے وقت عوام کے واسطے اس کا جواز حدیث سے پایا جاتا ہے مگر پھر بھی لکھا ہے کہ افضل وہی لوگ ہیں۔ جو توریہ سے بھی پرہیز کریں۔

اور توریہ اسلامی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے ایک بات کو چھپانے کیلئے یا کسی اور مصلحت پر ایک راز کی بات مخفی رکھنے کی غرض سے ایسی مثالوں اور پیرایوں میں اس کو بیان کیا جائے کہ عقلمند تو اس بات کو سمجھ جائے اور نادان کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کا خیال دوسری طرف چلا جائے جو متکلم کا مقصود نہیں۔ اور غور کرنے کے بعد معلوم ہو کہ جو کچھ متکلم نے کہا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بلکہ حق محض ہے۔ اور کچھ بھی کذب کی اس میں آمیزش نہ ہو۔ اور نہ دل نے ایک ذرہ بھی کذب کی طرف میل کیا ہو۔ جیسا کہ بعض احادیث میں دو مسلمانوں میں صلح کرانے کیلئے یا اپنی بیوی کو کسی فتنہ اور خانگی ناراضگی اور جھگڑے سے بچانے کیلئے یا جنگ میں اپنے مصالح دشمن سے مخفی رکھنے کی غرض سے اور دشمن کو اور طرف جھکا دینے کی نیت سے توریہ کا جواز پایا جاتا ہے۔ مگر باوصف اس کے بہت سی حدیثیں دوسری بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریہ اعلیٰ

درجہ کےتقویٰ کے برخلاف ہے۔اور بہرحال کھلی کھلی سچائی بہتر ہے۔اگر چہ اس کی وجہ سے قتل کیا جائے اور جلایا جائے.....

ہمارے سید ومولیٰ جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک اعلیٰ نمونہ اس جگہ ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جس توریہ کو آپ کا یسوع شیر مادر کی طرح تمام عمر استعمال کرتا رہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حتی الوسع اس سے مجتنب رہنے کا حکم کیا ہے تا مفہوم کلام کا اپنی ظاہری صورت میں بھی کذب سے مشابہ نہ ہو۔مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ آپ کے یسوع صاحب اس قدر التزام سچائی کا نہ کر سکے۔جو شخص خدائی کا دعویٰ کرے وہ تو شیر ببر کی طرح دنیا میں آنا چاہیئے تھا نہ کہ ساری عمر توریہ اختیار کر کے اور تمام باتیں کذب کے ہمرنگ کہہ کر یہ ثابت کر دیوے کہ وہ ان افراد کاملہ میں سے نہیں ہے جو مرنے سے لاپرواہ ہوکر دشمنوں کے مقابل پر اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور کسی مقام میں بزدلی نہیں دکھلاتے۔مجھے تو ان باتوں کو یاد کر کے رونا آتا ہے کہ اگر کوئی ایسے ضعیف القلب یسوع کی اُس ضعف حالت اور توریہ پر جو ایک قسم کا کذب ہے اعتراض کرے تو ہم کیا جواب دیں۔جب میں دیکھتا ہوں کہ جناب سیّد المرسلین ﷺ جنگ اُحد (سہو ہے یہ واقعہ غزوہ حنین کا ہے۔شمس) میں اکیلے ہونے کی حالت میں برہنہ تلواروں کے سامنے کہہ رہے تھے۔میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔میں نبی اللہ ہوں۔میں **ابن عبد المطلب** ہوں۔اور پھر دوسری طرف دیکھتا ہوں کہ آپ کا یسوع کانپ کانپ کر اپنے شاگردوں کو یہ خلاف واقعہ **تعلیم** دیتا ہے کہ کسی سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔حالانکہ اس کلمہ سے کوئی اس کو قتل نہیں کرتا۔تو میں دریائے حسرت میں غرق ہو جاتا ہوں کہ یاالٰہی یہ شخص بھی نبی ہی کہلاتا ہے۔جس کی شجاعت کا خدا کی راہ میں یہ حال ہے۔

الغرض فتح مسیح نے اپنی جہالت کا خوب پردہ کھولا بلکہ اپنے یسوع صاحب پر بھی وار کیا کہ

بعض ان احادیث کو پیش کر دیا جن میں توریہ کے جواز کا ذکر ہے۔ اگر کسی حدیث میں توریہ کو بطور تسامح کذب کے لفظ سے بیان بھی کیا گیا ہو تو یہ سخت جہالت ہے۔ کہ کوئی شخص اس کو حقیقی کذب پر محمول کرے۔ جبکہ قرآن اور احادیث صحیحہ بالاتفاق کذبِ حقیقی کو سخت حرام اور پلید ٹھہراتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی حدیثیں توریہ کے مسئلہ کو کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ تو پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ کسی حدیث میں بجائے توریہ کے کذب کا لفظ آ گیا ہو تو **نعوذ باللّٰہ** اس سے مراد حقیقی کذب کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کے قائل کے نہایت باریک تقویٰ کا یہ نشان ہوگا کہ جس نے توریہ کو کذب کی صورت سمجھ کر بطور تسامح کذب کا لفظ استعمال کیا ہو۔ ہمیں قرآن اور احادیث صحیحہ کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی امر اس کے مخالف ہوگا تو ہم اس کے وہ معنے ہرگز قبول نہیں کریں گے جو مخالف ہوں۔ احادیث پر نظر ڈالنے کے وقت یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ ایسی حدیثوں پر بھروسہ نہ کریں جو اُن احادیث سے مناقض اور مخالف ہوں۔ جن کی صحت اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی ہو۔ اور نہ ایسی حدیثوں پر جو قرآن کی نصوص صریحہ بینہ محکمہ سے صریح مخالف اور مغائر اور مبائن واقع ہوں۔ پھر ایک ایسا مسئلہ جو قرآن اور احادیث صحیحہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے اور کتب دین میں صراحت سے اس کا ذکر ہے۔ اس کے مخالف کسی بے ہودہ قول یا کسی مغشوش اور غیر ثابت حدیث یا مشتبہ اثر سے تمسک کر کے اعتراض کرنا یہ خیانت اور شرارت کا کام ہے۔ درحقیقت عیسائیوں کو ایسی شرارتوں نے ہی ہلاک کیا ہے۔ ان لوگوں کو خود بخود حدیث دیکھنے کا مادہ نہیں۔ غایت کار مشکوٰۃ کا کوئی ترجمہ دیکھ کر جس بات پر اپنے فہم ناقص سے عیب لگا سکتے ہیں وہی بات لے لیتے ہیں۔ حالانکہ کتب احادیث میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے اور عامل بالحدیث کو تنقید کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہ ایک نہایت نازک کام ہے کہ ہر یک قسم کی احادیث میں سے احادیث صحیحہ تلاش کریں اور پھر اس کے صحیح معنی معلوم کریں۔ اور پھر اس کے لئے صحیح محل تلاش کریں۔

(نور القرآن روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 404 تا 408)

مذہبی آزادی ضروری ہے

ایک مولوی صاحب حدود افغانستان سے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے مصافحہ کے بعد حضرت نے ان کے کوائف سفر وصعوبت راہ کی حالت دریافت فرمائی۔ بعدازاں حکومتِ افغانستان کی عدم حریّت وآزادی کے متعلق ذکر ہوا۔ اس پر فرمایا:۔

اخبارات میں جو آج کل لکھا جارہا ہے کہ حکومت افغانستان میں ہر مذہب کے لوگوں کو عام آزادی حاصل ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے کیونکہ اگر افغانستان میں ہندوستان جیسی حریّت اور آزادی ہر مذہب کے لوگوں کو حاصل ہوتی تو اخوندزادہ حضرت مولوی عبداللطیفؓ کو اس بے دردی سے اختلافِ مذہب کے سبب اس حکومت میں ہلاک نہ کیا جاتا۔

(الحکم 24 فروری 1907ء صفحہ 14)

جہاد کی حقیقت

جہاد بالقتال کی ممانعت کا فتویٰ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم پیشگوئی یَضَعُ الْحَرْب اور یَضَعُ الْجِزْیَۃَ کو پورا کرتے ہوئے جہاد کے مسئلہ کی حقیقت واضح فرمائی۔ آپ کی تحریرات اور ملفوظات میں بکثرت یہ مضمون ملتا ہے۔ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک کتاب تصنیف فرمائی ’’گورنمنٹ انگریزی اور جہاد‘‘ اور اس کتاب میں آپ نے پوری تفصیل کے ساتھ جہاد کی تعلیم کے مختلف پہلو بیان فرما دیئے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

’’جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہو کر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کو جو سراسر قانون قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے مورد اعتراض ٹھہراتے ہیں۔‘‘

لفظ جہد کی تحقیق

’’جاننا چاہیے کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں جو لڑائی کو یُدّھ کہتے ہیں دراصل یہ لفظ بھی جہاد کے لفظ کا ہی بگڑا ہوا ہے۔ چونکہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے اور تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں اس لئے یُدّہ کا لفظ جو سنسکرت

کی زبان میں لڑائی پر بولا جاتا ہے دراصل جُہد یا جہاد ہے اور پھر جیم کو یا کے ساتھ بدل دیا گیا اور کچھ تصرف کر کے تشدید کے ساتھ بولا گیا۔''

انبیاء کی مخالفت کے اسباب

''اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا پڑا تھا اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اس کی نسبت موجودہ قوموں اور فرقوں کے دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اُس مرد خدا کے ظہور سے ان کی آمدنیوں اور وجاہتوں میں فرق آتا ہے۔ اُن کے شاگرد اور مرید اُن کے دام سے باہر نکلنا شروع کرتے ہیں کیونکہ تمام ایمانی اور اخلاقی اور علمی خوبیاں اس شخص میں پاتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اہل عقل اور تمیز سمجھنے لگتے ہیں کہ جو عزت بخیال علمی شرف اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے اُن عالموں کو دی گئی تھی اب وہ اس کے مستحق نہیں رہے اور جو معزز خطاب اُن کو دیئے گئے تھے جیسے **نجم الاُمّة** اور **شمس الاُمّة** اور **شَیخ المَشَائخ** وغیرہ اب وہ ان کے لئے موزوں نہیں رہے۔ سو ان وجوہ سے اہل عقل اُن سے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ایمانوں کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ ناچار ان نقصانوں کی وجہ سے علماء اور مشائخ کا فرقہ ہمیشہ نبیوں اور رسولوں سے حسد کرتا چلا آیا ہے۔ وجہ یہ کہ خدا کے نبیوں اور ماموروں کے وقت ان لوگوں کی سخت پردہ دری ہوتی ہے کیونکہ دراصل وہ ناقص ہوتے ہیں اور بہت ہی کم حصہ نور سے رکھتے ہیں اور ان کی دشمنی خدا کے

نبیوں اور راستبازوں سے محض نفسانی ہوتی ہے۔اور سراسر نفس کے تابع ہو کر ضرر رسانی کے منصوبے سوچتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہ اپنے دلوں میں محسوس بھی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ایک پاک دل بندہ کو ناحق ایذا پہنچا کر خدا کے غضب کے نیچے آ گئے ہیں اور ان کے اعمال بھی جو مخالف کارستانیوں کے لئے ہر وقت اُن سے سرزد ہوتے رہتے ہیں ان کے دل کی قصوروار حالت کو اُن پر ظاہر کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی حسد کی آگ کا تیز انجن عداوت کے گڑھوں کی طرف ان کو کھینچے لئے جاتا ہے۔یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔لہٰذا وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے اُن کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں، مال میں، کثرت جماعت میں، عزت میں، مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں اُس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا اور اُن کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔‘‘

کفار کی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں

’’سو اسی خوف سے جو اُن کے دلوں میں ایک رُعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی اُن

کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شرّ کا ہرگز مقابلہ نہ کرو چنانچہ اُن برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا اُن کے خونوں سے کوچے سُرخ ہوگئے پر انہوں نے دم نہ مارا وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اُس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور اُنہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔“

خدا کی طرف سے مقابلہ کی اجازت

”تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں مَیں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے:-

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨالَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ (الحج:41،40) یعنی خدا نے اُن مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سُن لی اور ان

کو مقابلہ کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے۔ الجزو نمبر ۱۷ سورۃ الحج۔ مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا ہمیشہ کے لئے نہیں تھا بلکہ اس زمانہ کے متعلق تھا جبکہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے۔ لیکن افسوس کہ نبوت اور خلافت کے زمانہ کے بعد اس مسئلہ جہاد کے سمجھنے میں جس کی اصل جڑ آیت کریمہ مذکورہ بالا ہے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائیں اور ناحق مخلوق خدا کو تلوار کے ساتھ ذبح کرنا دینداری کا شعار سمجھا گیا اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ عیسائیوں کو تو خالق کے حقوق کی نسبت غلطیاں پڑیں اور مسلمانوں کو مخلوق کے حقوق کی نسبت۔ یعنی عیسائی دین میں تو ایک عاجز انسان کو خدا بنا کر اس قادر قیوم کی حق تلفی کی گئی جس کی مانند نہ زمین میں کوئی چیز ہے اور نہ آسمان میں اور مسلمانوں نے انسانوں پر ناحق تلوار چلانے سے بنی نوع کی حق تلفی کی اور اس کا نام جہاد رکھا غرض حق تلفی کی ایک راہ عیسائیوں نے اختیار کی اور دوسری راہ حق تلفی کی مسلمانوں نے اختیار کر لی۔ اور اس زمانہ کی بدقسمتی سے یہ دونوں گروہ ان دونوں قسم کی حق تلفیوں کو ایسا پسندیدہ طریق خیال کرتے ہیں کہ ہر ایک گروہ جو اپنے عقیدہ کے موافق ان دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی حق تلفی پر زور دے رہا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ گویا وہ اس سے سیدھا بہشت کو جائے گا اور اس سے بڑھ کر کوئی بھی ذریعہ بہشت کا نہیں۔ اور اگرچہ خدا کی حق تلفی کا گناہ سب گناہوں سے بڑھ کر ہے لیکن اس جگہ ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ اس خطرناک حق تلفی کا ذکر کریں جس کی عیسائی قوم مرتکب ہے بلکہ ہم اس جگہ مسلمانوں کو اُس حق تلفی پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں جو بنی نوع کی نسبت اُن سے سرزد ہو رہی ہے۔‘‘

جہاد کا موجودہ غلط تصور

’’یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں ہرگز وہ

صحیح نہیں ہے اور اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پُر جوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بناویں۔ اور انسانیت کی تمام پاک خوبیوں سے بے نصیب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ جس قدر ایسے ناحق کے خون اُن نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں کہ جو اس راز سے بے خبر ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی اُن سب کا گناہ ان مولویوں کی گردن پر ہے کہ جو پوشیدہ طور پر ایسے مسئلے سکھاتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ دردناک خونریزیاں ہیں۔ یہ لوگ جب حکام وقت کو ملتے ہیں تو اس قدر سلام کے لئے جھکتے ہیں کہ گویا سجدہ کرنے کے لئے طیار ہیں اور جب اپنے ہم جنسوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بار بار اصرار ان کا اِسی بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں اور تھوڑے ہیں جو اس خیال کے انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس عقیدہ جہاد پر جو سراسر غلط اور قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے برخلاف ہو اُس کا نام دجال رکھتے ہیں اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مدت سے اِسی فتویٰ کے نیچے ہوں اور مجھے اس ملک کے بعض مولویوں نے دجّال اور کافر قرار دیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے قانون سے بھی بے خوف ہو کر میری نسبت ایک چھپا ہوا فتویٰ شائع کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے اور اس کا مال لوٹنا بلکہ عورتوں کو نکال کر لے جانا بڑے ثواب کا موجب ہے۔ اس کا سبب کیا تھا؟ یہی تو تھا کہ میرا مسیح موعود ہونا اور اُن کے جہادی مسائل کے مخالف وعظ کرنا اور اُن کے خونی مسیح اور خونی مہدی کے آنے کو جس پر اُن کو لوٹ مار کی بڑی بڑی اُمیدیں تھیں سراسر باطل ٹھہرانا اُن کے غضب اور عداوت کا موجب ہو گیا مگر وہ یاد رکھیں کہ درحقیقت یہ جہاد کا مسئلہ جیسا کہ اُن کے دلوں میں ہے صحیح نہیں ہے اور اِس کا پہلا قدم انسانی ہمدردی کا خون کرنا ہے۔‘‘

اب جہاد کیوں حرام ہو گیا؟

’’یہ خیال اُن کا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جب پہلے زمانہ میں جہاد روا رکھا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب حرام ہو جائے۔ اِس کے ہمارے پاس دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خیال قیاس مع الفارق ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی اور سخت بے رحمی سے بے گناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور ایسے دردانگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی ان قصوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کر لیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مسیح نہ تلوار اٹھائے گا اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا بلکہ اُس کی دعا اُس کا حربہ ہوگا اور اُس کی عقدِ ہمت اُس کی تلوار ہوگی وہ صلح کی بنیاد ڈالے گا اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کرے گا اور اس کا زمانہ صلح اور نرمی اور انسانی ہمدردی کا زمانہ ہوگا۔ ہائے افسوس کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یَضَعُ الْحَرْبُ جاری ہو چکا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:5) یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آ جائے۔ یہی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری موجود ہے جو قرآن شریف کے بعد اَصَحُّ الْکُتُب مانی گئی ہے۔ اس کو غور سے پڑھو۔ اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے خدا کے پاک نبی کے نافرمان مت بنو مسیح موعود جو آنے والا تھا آ چکا اور اُس نے حکم بھی

دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جوتلوار اور کشت وخون کے ساتھ ہوتی ہیں باز آجاؤ تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے منہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے جس نے مجھے قبول کیا ہے وہ نہ صرف ان وعظوں سے منہ بند کرے گا بلکہ اس طریق کو نہایت بُرا اور موجب غضب الٰہی جانے گا۔

اس جگہ ہمیں یہ بھی افسوس سے لکھنا پڑا کہ جیسا کہ ایک طرف جاہل مولویوں نے اصل حقیقت جہاد کی مخفی رکھ کر لوٹ مار اور قتل انسان کے منصوبے عوام کو سکھائے اور اس کا نام جہاد رکھا ہے اِسی طرح دوسری طرف پادری صاحبوں نے بھی یہی کارروائی کی اور ہزاروں رسالے اور اشتہار اردو اور پشتو وغیرہ زبانوں میں چھپوا کر ہندوستان اور پنجاب اور سرحدی ملکوں میں اس مضمون کے شائع کئے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا ہے اور تلوار چلانے کا نام اسلام ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے جہاد کی دو گواہیاں پا کر یعنی ایک مولویوں کی گواہی اور دوسری پادریوں کی شہادت اپنے وحشیانہ جوش میں ترقی کی۔ میرے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری محسن گورنمنٹ ان پادری صاحبوں کو اس خطرناک افترا سے روک دے جس کا نتیجہ ملک میں بے امنی اور بغاوت ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ پادریوں کے اِن بے جا افتراؤں سے اہل اسلام دین اسلام کو چھوڑ دیں گے ہاں ان وعظوں کا ہمیشہ یہی نتیجہ ہوگا کہ عوام کے لئے مسئلہ جہاد کی ایک یاددہانی ہوتی رہے گی اور وہ سوئے ہوئے جاگ اٹھیں گے۔ غرض اب جب مسیح موعود آ گیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آوے۔ اگر مَیں نہ آیا ہوتا تو شائد اس غلط فہمی کا کسی قدر عذر بھی ہوتا مگر اب تو میں آ گیا اور تم نے وعدہ کا دن دیکھ لیا۔ اس لئے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر وحشی

کاربند ہو رہے ہیں۔ یہ اسلامی جہاد نہیں ہے بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئے ہیں۔''

صحابہؓ کے صدق اور صبر کے نمونے

''مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کر کے ہرگز تلوار نہیں اُٹھائی بلکہ ایک زمانہ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھایا اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپ کے اصحاب بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ دُکھ اٹھاؤ اور صبر کرو ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا۔ اُن کے بچے اُن کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ آگ اور پانی کے ذریعہ سے عذاب دیئے گئے مگر وہ شرّ کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیرخوار بچے ہیں۔ کون ثابت کر سکتا ہے کہ دنیا میں تمام نبیوں کی اُمتوں میں سے کسی ایک نے بھی باوجود قدرت انتقام ہونے کے خدا کا حکم سُن کر ایسا اپنے تئیں عاجز اور مقابلہ سے دستکش بنالیا جیسا کہ انہوں نے بنایا؟ کس کے پاس اِس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسا گروہ ہوا ہے جو باوجود بہادری اور جماعت اور قوت بازو اور طاقت مقابلہ اور پائے جانے تمام لوازم مردی اور مردانگی کے پھر خونخوار دشمن کی ایذا اور زخم رسانی پر تیرہ برس تک برابر صبر کرتا رہا؟ ہمارے سید و مولیٰ اور آپ کے صحابہ کا یہ صبر کسی مجبوری سے نہیں تھا بلکہ اس صبر کے زمانہ میں بھی آپ کے جان نثار صحابہ کے وہی ہاتھ اور بازو تھے جو جہاد کے حکم کے بعد انہوں نے دکھائے اور بسا اوقات ایک ہزار جوان نے مخالف کے ایک لاکھ سپاہی نبرد آزما کو شکست دے دی۔ ایسا ہوا تا لوگوں کو معلوم ہو کہ جو مکہ میں دشمنوں کی خون ریزیوں پر صبر کیا گیا تھا اس کا باعث کوئی بُزدلی اور کمزوری نہیں تھی بلکہ خدا کا حکم سُن کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور بکریوں

اور بھیڑوں کی طرح ذبح ہونے کو طیار ہو گئے تھے۔ بیشک ایسا صبر انسانی طاقت سے باہر ہے اور گو ہم تمام دنیا اور تمام نبیوں کی تاریخ پڑھ جائیں تب بھی ہم کسی اُمت میں اور کسی نبی کے گروہ میں یہ اخلاق فاضلہ نہیں پاتے اور اگر پہلوں میں سے کسی کے صبر کا قصہ بھی ہم سُنتے ہیں تو فی الفور دل میں گذرتا ہے کہ قرائن اِس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ اس صبر کا موجب دراصل بزدلی اور عدم قدرت انتقام ہو مگر یہ بات کہ ایک گروہ جو درحقیقت سپاہیانہ ہنر اپنے اندر رکھتا ہو اور بہادر اور قوی دل کا مالک ہو اور پھر وہ دکھ دیا جائے اور اس کے بچے قتل کئے جائیں اور اُس کو نیزوں سے زخمی کیا جائے مگر پھر بھی وہ بدی کا مقابلہ نہ کرے یہ وہ مردانہ صفت ہے جو کامل طور پر یعنی تیرہ برس برابر ہمارے نبی کریم اور آپ کے صحابہ سے ظہور میں آئی ہے اس قسم کا صبر جس میں ہر دم سخت بلاؤں کا سامنا تھا جس کا سلسلہ تیرہ برس کی دراز مدت تک لمبا تھا درحقیقت بے نظیر ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو ہمیں بتلاوے کہ گذشتہ راستبازوں میں اس قسم کے صبر کی نظیر کہاں ہے؟

اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس قدر ظلم جو صحابہ پر کیا گیا ایسے ظلم کے وقت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کوئی تدبیر بچنے کی اُن کو نہیں بتلائی بلکہ بار بار یہی کہا کہ ان تمام دکھوں پر صبر کرو اور اگر کسی نے مقابلہ کے لئے کچھ عرض کیا تو اس کو روک دیا اور فرمایا کہ مجھے صبر کا حکم ہے۔ غرض ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبر کی تاکید فرماتے رہے جب تک کہ آسمان سے حکم مقابلہ آ گیا۔ اب اس قسم کے صبر کی نظیر تم تمام اول اور آخر کے لوگوں میں تلاش کرو پھر اگر ممکن ہو تو اس کا نمونہ حضرت موسیٰ کی قوم میں سے یا حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے دستیاب کر کے ہمیں بتلاؤ۔''

موجودہ تصورِ جہاد نفسانی اغراض پر مبنی ہے

''حاصل کلام یہ کہ جب کہ مسلمانوں کے پاس صبر اور ترک شرّ اور اخلاق فاضلہ کا

یہ نمونہ ہے جس سے تمام دنیا پر اُن کو فخر ہے تو یہ کیسی نادانی اور بدبختی اور شامت اعمال ہے جواب بالکل اس نمونہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جاہل مولویوں نے خدا اُن کو ہدایت دے عوام کالانعام کو بڑے دھوکے دیئے ہیں اور بہشت کی کنجی اسی عمل کو قرار دے دیا ہے جو صریح ظلم اور بے رحمی اور انسانی اخلاق کے برخلاف ہے۔ کیا یہ نیک کام ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنے خیال میں بازار میں چلا جاتا ہے اور ہم اس قدر اس سے بے تعلق ہیں کہ نام تک بھی نہیں جانتے اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے مگر تاہم ہم نے اُس کے قتل کرنے کے ارادہ سے ایک پستول اس پر چھوڑ دیا ہے کیا یہی دینداری ہے؟ اگر یہ کچھ نیکی کا کام ہے تو پھر درندے ایسی نیکی کے بجا لانے میں انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ سبحان اللہ! وہ لوگ کیسے راستباز اور نبیوں کی رُوح اپنے اندر رکھتے تھے کہ جب خدا نے مکہ میں اُن کو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اِس حکم کو پا کر شیرخوار بچوں کی طرح عاجز اور کمزور بن گئے گویا نہ اُن کے ہاتھوں میں زور ہے نہ اُن کے بازوؤں میں طاقت۔ بعض اُن میں سے اس طور سے بھی قتل کئے گئے کہ دو اونٹوں کو ایک جگہ کھڑا کر کے اُن کی ٹانگیں مضبوط طور پر اُن اونٹوں سے باندھ دی گئیں اور پھر اونٹوں کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا پس وہ اک دم میں ایسے چر گئے جیسے گاجر یا مولی چیری جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں اور خاص کر مولویوں نے ان تمام واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے اور اب وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا تمام دنیا اُن کا شکار ہے۔ اور جس طرح ایک شکاری ایک ہرن کا کسی بن میں پتہ لگا کر چھپ چھپ کر اُس کی طرف جاتا ہے اور آخر موقع پا کر بندوق کا فیر کرتا ہے یہی حالات اکثر مولویوں کے ہیں۔ انہوں نے انسانی ہمدردی کے سبق میں سے کبھی ایک حرف بھی نہیں پڑھا بلکہ اُن کے نزدیک خواہ نخواہ ایک غافل انسان پر پستول یا بندوق چلا دینا اسلام سمجھا گیا ہے ان میں وہ لوگ کہاں ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ماریں کھائیں اور صبر

کریں۔کیا خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم خواہ نخواہ بغیر ثبوت کسی جرم کے ایسے انسان کو کہ نہ ہم اُسے جانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے غافل پا کر چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں یا بندوق سے اس کا کام تمام کریں کیا ایسا دین خدا کی طرف سے ہوسکتا ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ یونہی بے گناہ بے جرم بے تبلیغ خدا کے بندوں کو قتل کرتے جاؤ اس سے تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔افسوس کا مقام ہے اور شرم کی جگہ ہے کہ ایک شخص جس سے ہماری کچھ سابق دشمنی بھی نہیں بلکہ روشناسی بھی نہیں وہ کسی دوکان پر اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خرید رہا ہے یا اپنے کسی اور جائز کام میں مشغول ہے اور ہم نے بے وجہ بے تعلق اس پر پستول چلا کر ایک دم میں اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے بچوں کو یتیم اور اس کے گھر کو ماتم کدہ بنا دیا۔یہ طریق کس حدیث میں لکھا ہے یا کس آیت میں مرقوم ہے؟ کوئی مولوی ہے جو اس کا جواب دے؟ نادانوں نے جہاد کا نام سن لیا ہے اور پھر اس بہانہ سے اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرنا چاہا ہے یا محض دیوانگی کے طور پر مرتکب خونریزی کے ہوئے ہیں۔ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اٹھائی وہ اس وقت اٹھائی گئی کہ جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہنچ گئے۔آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں وہ تلواروں سے ہی مارے جائیں۔خدا بڑا کریم اور رحیم اور حلیم ہے اور بڑا برداشت کرنے والا ہے۔لیکن آخر کار راستبازوں کے لئے غیرت مند بھی ہے۔مجھے تعجب ہے کہ جبکہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔کیوں اُن کے مولوی ان بے جا حرکتوں سے جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے اُن کو منع نہیں کرتے۔اس گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت کس قدر مسلمانوں کو آرام ہے کیا کوئی اس کو گن سکتا ہے۔ابھی بہتیرے ایسے لوگ زندہ ہوں گے جنہوں نے کسی قدر سکھوں کا زمانہ

دیکھا ہوگا۔اب وہی بتائیں کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں اور اسلام کا کیا حال تھا۔ایک ضروری شعار اسلام کا جو بانگ نماز ہے وہی ایک جرم کی صورت میں سمجھا گیا تھا۔کیا مجال تھی کہ کوئی اونچی آواز سے بانگ کہتا اور پھر سکھوں کے برچھوں اور نیزوں سے بچ رہتا۔ تو اب کیا خدا نے یہ بُرا کام کیا جو سکھوں کی بے جا دست اندازیوں سے مسلمانوں کو چھڑایا اور گورنمنٹ انگریزی کی امن بخش حکومت میں داخل کیا اور اس گورنمنٹ کے آتے ہی گویا نئے سرے پنجاب کے مسلمان مشرف باسلام ہوئے۔چونکہ احسان کا عوض احسان ہے اس لئے نہیں چاہئے کہ ہم اس خدا کی نعمت کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد سکھوں کے زمانہ کے عوض ہم کو ملی ہے یوں ہی رد کر دیں۔''

اپنی جماعت کو نصیحت

''اور میں اس وقت اپنی جماعت کو جو مجھے مسیح موعود مانتی ہے خاص طور پر سمجھاتا ہوں کہ وہ ہمیشہ ان ناپاک عادتوں سے پرہیز کریں۔ مجھے خدا نے جو مسیح موعود کر کے بھیجا ہے اور حضرت مسیح ابن مریم کا جامہ مجھے پہنا دیا ہے اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو اور نوع انسان کے ساتھ حق ہمدردی بجالاؤ۔اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو کہ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے۔کیا ہی گندہ اور ناپاک وہ مذہب ہے جس میں انسان کی ہمدردی نہیں اور کیا ہی ناپاک وہ راہ ہے جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھرا ہے۔سو تم جو میرے ساتھ ہو ایسے مت ہو۔تم سوچو کہ مذہب سے حاصل کیا ہے کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزاری تمہارا شیوہ ہو؟ نہیں بلکہ مذہب اُس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے جو خدا میں ہے اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم ہو۔آؤ میں تمہیں ایک ایسی راہ سکھاتا ہوں جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر

غالب رہے اور وہ یہ ہے کہ تم تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو چھوڑ دو اور ہمدرد ِنوع انسان ہو جاؤ اور خدا میں کھوئے جاؤ اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل کرو کہ یہی وہ طریق ہے جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور فرشتے مدد کے لئے اُترتے ہیں۔ مگر یہ ایک دن کا کام نہیں ترقی کرو ترقی کرو۔ اُس دھوبی سے سبق سیکھو جو کپڑوں کو اوّل بھٹی میں جوش دیتا ہے اور دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ آخر آگ کی تاثیریں تمام میل اور چرک کو کپڑوں سے علیحدہ کر دیتی ہیں۔ تب صبح اٹھتا ہے اور پانی پر پہنچتا ہے اور پانی میں کپڑوں کو تر کرتا ہے اور بار بار پتھروں پر مارتا ہے تب وہ میل جو کپڑوں کے اندر تھی اور اُن کا جز بن گئی تھی کچھ آگ سے صدمات اٹھا کر اور کچھ پانی میں دھوبی کے بازو سے مار کھا کر یکدفعہ جدا ہونی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کپڑے ایسے سفید ہو جاتے ہیں جیسے ابتدا میں تھے۔ یہی انسانی نفس کے سفید ہونے کی تدبیر ہے اور تمہاری ساری نجات اس سفیدی پر موقوف ہے۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:10) یعنی وہ نفس نجات پا گیا جو طرح طرح کے میلوں اور چرکوں سے پاک کیا گیا۔“

اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے

”دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ **اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے**۔ اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے صحیح بخاری کی اُس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ **يضع الحرب** یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ سو میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلا دیں کہ اس سے اُن کا دین پھیلے گا اور اِس سے تعجب مت کریں

کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے بغیر توسط معمولی اسباب کے جسمانی ضرورتوں کے لئے حال کی نئی ایجادوں میں زمین کے عناصر اور زمین کی تمام چیزوں سے کام لیا ہے اور ریل گاڑیوں کو گھوڑوں سے بھی بہت زیادہ دوڑا کر دکھلایا ہے ایسا ہی اب وہ رُوحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسّط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا۔ بڑے بڑے آسمانی نشان ظاہر ہوں گے اور بہت سی چمکیں پیدا ہوں گی جن سے بہت سی آنکھیں کھل جائیں گی۔ تب آخر میں لوگ سمجھ جائیں گے کہ جو خدا کے سوا انسانوں اور دوسری چیزوں کو خدا بنایا گیا تھا یہ سب غلطیاں تھیں۔ سوتم صبر سے دیکھتے رہو کیونکہ خدا اپنی توحید کے لئے تم سے زیادہ غیرتمند ہے اور دُعا میں لگے رہو ایسا نہ ہو کہ نافرمانوں میں لکھے جاؤ۔ اے حق کے بھوکو اور پیاسو! سُن لو کہ یہ وہ دن ہیں جن کا ابتدا سے وعدہ تھا۔ خدا ان قصوں کو بہت لمبا نہیں کرے گا اور جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب ایک بلند مینار پر چراغ رکھا جائے تو دور دور تک اس کی روشنی پھیل جاتی ہے اور یا جب آسمان کے ایک طرف بجلی چمکتی ہے تو سب طرفیں ساتھ ہی روشن ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی ان دنوں میں ہوگا کیونکہ خدا نے اپنی اس پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کہ مسیح کی منادی بجلی کی طرح دنیا میں پھر جائے گی یا بلند مینار کے چراغ کی طرح دنیا کے چار گوشہ میں پھیلے گی زمین پر ہر ایک سامان مہیا کر دیا ہے اور ریل اور تار اور اگن بوٹ اور ڈاک کے احسن انتظاموں اور سیر و سیاحت کے سہل طریقوں کو کامل طور پر جاری فرما دیا ہے۔ سو یہ سب کچھ پیدا کیا گیا تا وہ بات پوری ہو کہ مسیح موعود کی دعوت بجلی کی طرح ہر ایک کنارہ کو روشن کرے گی اور مسیح کا منارہ جس کا حدیثوں میں ذکر ہے دراصل اُس کی بھی یہی حقیقت ہے کہ مسیح کی ندا اور روشنی ایسی جلد دنیا میں پھیلے گی جیسے اونچے منارہ پر سے آواز اور روشنی دور تک جاتی ہے۔ اِس لئے ریل اور تار اور اگن

بوٹ اور ڈاک اور تمام اسباب سہولت تبلیغ اور سہولت سفر مسیح کے زمانہ کی ایک خاص علامت ہے جس کو اکثر نبیوں نے ذکر کیا ہے۔ اور قرآن بھی کہتا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر:5) یعنی عام دعوت کا زمانہ جو مسیح موعود کا زمانہ☆ ہے۔ (☆حاشیہ: میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ مسیح موعود اسرئیلی نبی نہیں ہے بلکہ اس کی خُو اور طبیعت پر آیا ہے جبکہ توریت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا گیا ہے تو ضرور تھا کہ موسوی سلسلہ کی مانند محمدی سلسلہ کے اخیر پر بھی ایک مسیح ہو۔ منہ) وہ ہے جب کہ اونٹ بے کار ہو جائیں گے یعنی کوئی ایسی نئی سواری پیدا ہو جائے گی جو اونٹوں کی حاجت نہیں پڑے گی اور حدیث میں بھی ہے کہ یُتْرَکُ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا یعنی اس زمانہ میں اونٹ بے کار ہو جائیں گے اور یہ علامت کسی اور نبی کے زمانہ کو نہیں دی گئی۔ سو شکر کرو کہ آسمان پر نور پھیلانے کے لئے طیاریاں ہیں۔ زمین میں زمینی برکات کا ایک جوش ہے یعنی سفر اور حضر میں اور ہر ایک بات میں وہ آرام تم دیکھ رہے ہو جو تمہارے باپ دادوں نے نہیں دیکھے گویا دنیا نئی ہو گئی بے بہار کے میوے ایک ہی وقت میں مل سکتے ہیں۔ چھ مہینے کا سفر چند روز میں ہو سکتا ہے۔ ہزاروں کوسوں کی خبریں ایک ساعت میں آ سکتی ہیں ہر ایک کام کی سہولت کے لئے مشینیں اور کلیں موجود ہیں۔ اگر چاہو تو ریل میں یوں سفر کر سکتے ہو جیسے گھر کے ایک بستان سرائے میں۔ پس کیا زمین پر ایک انقلاب نہیں آیا؟ پس جبکہ زمین میں ایک اعجوبہ نما انقلاب پیدا ہو گیا اس لئے خدائے قادر چاہتا ہے کہ آسمان میں بھی ایک اعجوبہ نما انقلاب پیدا ہو جائے اور یہ دونوں مسیح کے زمانہ کی نشانیاں ہیں۔ انہی نشانیوں کی طرف اشارہ ہے جو میری کتاب براہین احمدیہ کے ایک الہام میں جو آج سے بیس برس پہلے لکھا گیا پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا یعنی زمین اور آسمان دونوں ایک

گٹھڑی کی طرح بندھے ہوئے تھے جن کے جوہر مخفی تھے ہم نے مسیح کے زمانہ میں وہ دونوں گٹھڑیاں کھول دیں اور دونوں کے جوہر ظاہر کر دیئے۔ ☆

(☆ **حاشیہ**: کیا یہ سچ نہیں کہ اس زمانہ میں زمین کی گٹھڑی ایسی کھلی ہے کہ ہزار ہا نئی حقیقتیں اور خواص اور کلیں ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آسمانی گٹھڑی کیوں بند رہے۔ آسمانی گٹھڑی کی نسبت گذشتہ نبیوں نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ بچے اور عورتیں بھی خدا کا الہام پائیں گی اور وہ مسیح موعود کا زمانہ ہوگا۔ منہ)''

مسلمان حکمران علماء کے ذریعہ اپنے عوام کو سمجھائیں

''بالآخر یاد رہے کہ اگر چہ ہم نے اس اشتہار میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ یہ موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں یہ شرعی جہاد نہیں ہے بلکہ صریح خدا اور رسول کے حکم کے مخالف اور سخت معصیت ہے لیکن چونکہ اس طریق پر پابند ہونے کی بعض اسلامی قوموں میں پرانی عادت ہوگئی ہے اس لئے اُن کے لئے اس عادت کو چھوڑنا آسانی سے ممکن نہیں بلکہ ممکن ہے کہ جو شخص ایسی نصیحت کرے اسی کے دشمن جانی ہو جائیں اور غازیانہ جوش سے اُس کا قصہ بھی تمام کرنا چاہیں ہاں ایک طریق میرے دل میں گذرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر امیر صاحب والی کابل جن کا رعب افغانوں کی قوموں پر اس قدر ہے کہ شاید اس کی نظیر کسی پہلے افغانی امیر میں نہیں ملے گی نامی علماء کو جمع کر کے اس مسئلہ جہاد کو معرض بحث میں لاویں اور پھر علماء کے ذریعہ سے عوام کو اُن کی غلطیوں پر متنبہ کریں بلکہ اس ملک کے علماء سے چند رسالے پشتو زبان میں تالیف کرا کر عام طور پر شائع کرائیں تو یقین ہے کہ اس قسم کی کارروائی کا لوگوں پر بہت اثر پڑے گا اور وہ جوش جو نادان ملا عوام میں پھیلاتے ہیں رفتہ رفتہ کم ہو جائے گا اور یقیناً امیر صاحب کی رعایا کی بڑی بدقسمتی ہوگی اگر اس ضروری اصلاح کی طرف امیر

صاحب توجہ نہیں کریں گے اور آخری نتیجہ اس کا اُس گورنمنٹ کے لئے خودزحمتیں ہیں جو ملاؤں کے ایسے فتووں پر خاموش بیٹھی رہے کیونکہ آج کل ان ملاؤں اور مولویوں کی یہ عادت ہے کہ ایک ادنیٰ اختلاف مذہبی کی وجہ سے ایک شخص یا ایک فرقہ کو کافر ٹھہرا دیتے ہیں اور پھر جو کافروں کی نسبت اُن کے فتوے جہاد وغیرہ کے ہیں وہی فتوے ان کی نسبت بھی جاری کئے جاتے ہیں۔ پس اس صورت میں امیر صاحب بھی ان فتووں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت یہ ملّا لوگ کسی جزوی بات پر امیر صاحب پر ناراض ہو کر اُن کو بھی دائرہ اسلام سے خارج کر دیں اور پھر اُن کے لئے بھی وہی جہاد کے فتوے لکھے جائیں جو کفار کے لئے وہ لکھا کرتے ہیں پس بلاشبہ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں مومن یا کافر بنانا اور پھر اس پر جہاد کا فتویٰ لکھنا ہے ایک خطرناک قوم ہے جن سے امیر صاحب کو بھی بے فکر نہیں بیٹھنا چاہیئے اور بلاشبہ ہر ایک گورنمنٹ کے لئے بغاوت کا سرچشمہ یہی لوگ ہیں۔ عوام بے چارے ان لوگوں کے قابو میں ہیں اور ان کے دلوں کی کل ان کے ہاتھ میں ہے جس طرف چاہیں پھیر دیں اور ایک دم میں قیامت برپا کر دیں۔ پس یہ گناہ کی بات نہیں ہے کہ عوام کو ان کے پنجہ سے چھڑا دیا جائے اور خود ان کو نرمی سے جہاد کے مسئلہ کی اصل حقیقت سمجھا دی جائے۔ اسلام ہرگز یہ تعلیم نہیں دیتا کہ مسلمان رہزنوں اور ڈاکوؤں کی طرح بن جائیں اور جہاد کے بہانہ سے اپنے نفس کی خواہشیں پوری کریں اور چونکہ اسلام میں بغیر بادشاہ کے حکم کے کسی طرح جہاد درست نہیں اور اس کو عوام بھی جانتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ لوگ جو حقیقت سے بے خبر ہیں اپنے دلوں میں امیر صاحب پر یہ الزام لگاویں کہ اُنہی کے اشارہ سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لہٰذا امیر صاحب کا ضرور یہ فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس غلط فتوے کو روکنے کے لئے جہد بلیغ فرماویں کہ اس صورت میں امیر صاحب کی بریّت بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھے گی اور ثواب بھی ہوگا کیونکہ حقوق عباد پر نظر کر کے اس سے

بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ مظلوموں کی گردنوں کو ظالموں کی تلوار سے چھڑایا جائے اور چونکہ ایسے کام کرنے والے اور غازی بننے کی نیت سے تلوار چلانے والے اکثر افغان ہی ہیں جن کا امیر صاحب کے ملک میں ایک معتد بہ حصہ ہے اس لئے امیر صاحب کو خدا تعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے کہ وہ اپنی امارت کے کارنامہ میں اس اصلاح عظیم کا تذکرہ چھوڑ جائیں اور یہ وحشیانہ عادات جو اسلام کی بدنام کنندہ ہیں جہاں تک اُن کے لئے ممکن ہو قوم افغان سے چھڑا دیں ورنہ اب دورِ مسیح موعود آ گیا ہے۔ اب بہر حال خدا تعالیٰ آسمان سے ایسے اسباب پیدا کر دے گا کہ جیسا کہ زمین ظلم اور ناحق کی خون ریزی سے پُر تھی اب عدل اور امن اور صلح کاری سے پُر ہو جائے گی۔ اور مبارک وہ امیر اور بادشاہ ہیں جو اس سے کچھ حصہ لیں۔''

محسن گورنمنٹ کی خدمت میں گزارش

''ان تمام تحریروں کے بعد ایک خاص طور پر اپنی محسن گورنمنٹ کی خدمت میں کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں اور گو یہ جانتا ہوں کہ ہماری یہ گورنمنٹ ایک عاقل اور زیرک گورنمنٹ ہے لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ اگر کوئی نیک تجویز جس میں گورنمنٹ اور عامہ خلائق کی بھلائی ہو خیال میں گذرے تو اُسے پیش کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ واقعی اور یقینی امر ہے کہ یہ وحشیانہ عادت جو سرحدی افغانوں میں پائی جاتی ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی کسی بے گناہ کا خون کیا جاتا ہے اِس کے اسباب جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں دو ہیں (1) اول وہ مولوی جن کے عقائد میں یہ بات داخل ہے کہ غیر مذہب کے لوگوں اور خاص کر عیسائیوں کو قتل کرنا موجب ثواب عظیم ہے اور اس سے بہشت کی وہ عظیم الشان نعمتیں ملیں گی کہ وہ نہ نماز سے مل سکتی ہیں نہ حج سے نہ زکوٰۃ سے اور نہ کسی اور نیکی کے کام سے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ در پردہ عوام الناس کے کان میں ایسے وعظ پہنچاتے رہتے ہیں۔ آخر دن رات ایسے وعظوں کو سن کر ان لوگوں کے دلوں پر جو حیوانات میں اور

ان میں کچھ تھوڑا ہی فرق ہے بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور وہ درندے ہو جاتے ہیں اور ان میں ایک ذرہ رحم باقی نہیں رہتا اور ایسی بے رحمی سے خون ریزیاں کرتے ہیں جن سے بدن کانپتا ہے اور اگرچہ سرحدی اور افغانی ملکوں میں اس قسم کے مولوی بکثرت بھرے پڑے ہیں جو ایسے ایسے وعظ کیا کرتے ہیں مگر میری رائے تو یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان بھی ایسے مولویوں سے خالی نہیں۔ اگر گورنمنٹ عالیہ نے یہ یقین کرلیا ہے کہ اس ملک کے تمام مولوی اس قسم کے خیالات سے پاک اور مبرّا ہیں تو یہ یقین بے شک نظر ثانی کے لائق ہے۔ میرے نزدیک اکثر مسجد نشین نادان مغلوب الغضب ملّا ایسے ہیں کہ ان گندے خیالات سے بری نہیں ہیں اگر وہ ایسے خیالات خدا تعالیٰ کی پاک کلام کی ہدایت کے موافق کرتے تو میں ان کو معذور سمجھتا کیونکہ درحقیقت انسان اعتقادی امور میں ایک طور پر معذور ہوتا ہے لیکن میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جیسا کہ وہ گورنمنٹ کے احسانات کو فراموش کر کے اس عادل گورنمنٹ کے چھپے ہوئے دشمن ہیں ایسا ہی وہ خدا تعالیٰ کے بھی مجرم اور نافرمان ہیں۔ کیونکہ میں مفصل بیان کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہرگز نہیں سکھلاتا کہ ہم اس طرح پر بے گناہوں کے خون کیا کریں اور جس نے ایسا سمجھا ہے وہ اسلام سے برگشتہ ہے۔

(2) دوسرا سبب ان مجرمانہ خون ریزیوں کا جو غازی بننے کے بہانہ سے کی جاتی ہیں میری رائے میں وہ پادری صاحبان بھی ہیں جنہوں نے حد سے زیادہ اِس بات پر زور دیا کہ اسلام میں جہاد فرض ہے اور دوسری قوموں کو قتل کرنا مسلمانوں کے مذہب میں بہت ثواب کی بات ہے۔ میرے خیال میں سرحدی لوگوں کو جہاد کے مسئلہ کی خبر بھی نہیں تھی یہ تو پادری صاحبوں نے یاد دلایا میرے پاس اس خیال کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ جب تک پادری صاحبوں کی طرف سے ایسے اخبار اور رسالے اور کتابیں سرحدی ملکوں میں شائع نہیں ہوئے تھے اس وقت تک ایسی وارداتیں بہت ہی کم سنی جاتی تھیں یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بالکل نہیں تھیں بلکہ جب سکھوں کی سلطنت اس ملک سے اُٹھ گئی اور اُن کی جگہ انگریز آئے تو عام

مسلمانوں کو اس انقلاب سے بڑی خوشی تھی اور سرحدی لوگ بھی بہت خوش تھے۔ پھر جب پادری فنڈل صاحب نے 1849ء میں کتاب میزان الحق تالیف کر کے ہندوستان اور پنجاب اور سرحدی ملکوں میں شائع کی اور نہ فقط اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی نسبت توہین کے کلمے استعمال کئے بلکہ لاکھوں انسانوں میں یہ شہرت دی کہ اسلام میں غیر مذہب کے لوگوں کو قتل کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بڑا ثواب ہے۔ ان باتوں کو سُن کر سرحدی حیوانات جن کو اپنے دین کی کچھ بھی خبر نہیں جاگ اُٹھے اور یقین کر بیٹھے کہ درحقیقت ہمارے مذہب میں غیر مذہب کے لوگوں کو قتل کرنا بڑے ثواب کی بات ہے۔ میں نے غور کر کے سوچا ہے کہ اکثر سرحدی وارداتیں اور پُرجوش عداوت جو سرحدی لوگوں میں پیدا ہوئی اس کا سبب پادری صاحبوں کی وہ کتابیں ہیں جن میں وہ تیز زبانی اور بار بار جہاد کا ذکر لوگوں کو سنانے میں حد سے زیادہ گزر گئے یہاں تک کہ آخر میزان الحق کی عام شہرت اور اس کے زہریلے اثر کے بعد ہماری گورنمنٹ کو 1867ء میں ایکٹ نمبر 23، 67ء سرحدی اقوام کے غازیانہ خیالات کے روکنے کے لئے جاری کرنا پڑا۔ یہ قانون سرحد کی چھ قوموں کے لئے شائع ہوا تھا اور بڑی امید تھی کہ اس سے وارداتیں رک جائیں گی لیکن افسوس کہ بعد اس کے پادری عماد الدین امرتسری اور چند دوسرے بدزبان پادریوں کی تیز اور گندی تحریروں نے ملک کی اندرونی محبت اور مصالحت کو بڑا نقصان پہنچایا اور ایسا ہی اور پادری صاحبوں کی کتابوں نے جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں دلوں میں عداوت کا تخم بونے میں کمی نہیں کی۔ غرض یہ لوگ گورنمنٹ عالیہ کی مصلحت کے سخت حارج ہوئے۔ ہماری گورنمنٹ کی طرف سے یہ کارروائی نہایت قابل تحسین ہوئی کہ مسلمانوں کو ایسی کتابوں کے جواب لکھنے سے منع نہیں کیا اور اس تیزی کے مقابل پر مسلمانوں کی طرف سے بھی کسی قدر تیز کلامی ہوئی مگر وہ تیزی گورنمنٹ کی کشادہ دلی پر دلیل روشن بن گئی اور ہتک آمیز کتابوں کی وجہ سے جن فسادوں کی توقع تھی وہ اس گورنمنٹ عالیہ کی نیک نیتی اور عادلانہ طریق

ثابت ہو جانے کی وجہ سے اندر ہی اندر دب گئے۔ پس اگرچہ ہمیں اسلام کے ملاؤں کی نسبت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایک خط مسئلہ جہاد کی پیروی کر کے سرحدی اقوام کو یہ سبق دیا کہ تا وہ ایک محسن گورنمنٹ کے معزز افسروں کے خون سے اپنی تلواروں کو سُرخ کیا کریں اور اس طرح ناحق اپنی محسن گورنمنٹ کو ایذا پہنچایا کریں مگر ساتھ ہی یورپ کے ملاؤں پر بھی جو پادری ہیں ہمیں افسوس ہے کہ انہوں نے ناحق تیز اور خلاف واقعہ تحریروں سے نادانوں کو جوش دلائے ہزاروں دفعہ جہاد کا اعتراض پیش کر کے وحشی مسلمانوں کے دلوں میں یہ جما دیا کہ اُن کے مذہب میں جہاد ایک ایسا طریق ہے جس سے جلد بہشت مل جاتا ہے اگر ان پادری صاحبوں کے دلوں میں کوئی بدنیتی نہیں تھی تو چاہیے تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع کے جہادوں کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے مقابلہ کر کے اندر ہی اندر سمجھ جاتے اور چُپ رہتے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اس فتنہ عوام کے جوش دلانے کے بڑے محرک اسلامی مولوی ہیں تاہم ہمارا انصاف ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اقرار کریں کہ کسی قدر اس فتنہ انگیزی میں پادریوں کی وہ تحریریں بھی حصہ دار ہیں جن سے آئے دن مسلمان شاکی نظر آتے ہیں۔ افسوس کہ بعض جاہل ایک حرکت کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور گورنمنٹ انگلشیہ کو مشکلات پیش آتی ہیں اِن مشکلات کے رفع کرنے کے لئے میرے نزدیک احسن تجویز وہی ہے جو حال میں رومی گورنمنٹ نے اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ امتحاناً چند سال کے لئے ہر ایک فرقہ کو قطعاً روک دیا جائے کہ وہ اپنی تحریروں میں اور نیز زبانی تقریروں میں ہرگز ہرگز کسی دوسرے مذہب کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر نہ کرے ہاں اختیار ہے کہ جس قدر چاہے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کرے اس صورت میں نئے نئے کینوں کی تخم ریزی موقوف ہو جائے گی اور پرانے قصے بھول جائیں گے اور لوگ باہمی محبت اور مصالحت کی طرف رجوع کریں گے اور جب سرحد کے وحشی لوگ دیکھیں گے کہ قوموں میں اس قدر باہم انس اور محبت پیدا ہو گیا ہے تو آخر وہ بھی متاثر ہو کر عیسائیوں کی

ایسی ہی ہمدردی کریں گے جیسا کہ ایک مسلمان اپنے بھائی کی کرتا ہے اور دوسری تدبیر یہ ہے کہ اگر پنجاب اور ہندوستان کے مولوی درحقیقت مسئلہ جہاد کے مخالف ہیں تو وہ اس بارے میں رسالے تالیف کر کے اور پشتو میں ان کا ترجمہ کرا کر سرحدی اقوام میں مشتہر کریں بلا شبہ اُن کا بڑا اثر ہوگا۔ مگر ان تمام باتوں کے لئے شرط ہے کہ سچے دل اور جوش سے کارروائی کی جائے نہ نفاق سے۔ **و السلام علٰی من اتبع الھدٰی.**

المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد مسیح موعود عفی عنہ از قادیان

المرقوم 22 رمئی 1900ء''

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 3 تا 22)

التوائے جہاد کے متعلق حضرت اقدس کا فیصلہ

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ☆ ہے — دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو — جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو
کیوں بھولتے ہو تم **یضع الحرب** کی خبر — کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفٰے — عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا — جنگوں کے سِلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

نوٹ: (ایک زبردست الہام اور کشف) آج 2/جون 1900ء کو بروز شنبہ بعد دوپہر دو بجے کے وقت مجھے تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ ایک ورق جو نہایت سفید تھا دکھلایا گیا۔ اس کی آخری سطر میں لکھا تھا **اقبال**۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آخر سطر میں یہ لفظ لکھنے سے انجام کی طرف اشارہ تھا یعنی انجام باقبال ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ الہام ہوا:- ”قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے۔ کافر جو کہتے تھے وہ گرفتار ہو گئے۔“ اِس کے یہ معنے مجھے سمجھائے گئے کہ عنقریب کچھ ایسے زبردست نشان ظاہر ہو جائیں گے جس سے کافر کہنے والے جو مجھے کافر کہتے تھے الزام میں پھنس جائیں گے اور خوب پکڑے جائیں گے اور کوئی گریز کی جگہ اُن کے لئے باقی نہیں رہے گی۔ یہ پیشگوئی ہے۔ ہر ایک پڑھنے والا اس کو یاد رکھے۔ اس کے بعد 3/جون 1900ء کو بوقت ساڑھے گیارہ بجے یہ الہام ہوا:- کافر جو کہتے تھے وہ نگونسار ہو گئے۔ جتنے تھے سب کے سب ہی گرفتار ہو گئے“ یعنی کافر کہنے والوں پر خدا کی حجت ایسی پوری ہو گئی کہ اُن کے لئے کوئی عذر کی جگہ نہ رہی۔ یہ آئندہ زمانہ کی خبر ہے کہ عنقریب ایسا ہو گا اور کوئی ایسی چمکتی ہوئی دلیل ظاہر ہو جائے گی کہ فیصلہ کردے گی۔ منه

پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند
کھیلیں گے بچے سانپوں سے بےخوف و بےگزند

یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا
بُھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

اِک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

القصہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشاں
کردے گا ختم آکے وہ دیں کی لڑائیاں

ظاہر ہیں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں
اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی
وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی

وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی
وہ عزمِ مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی

وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی
وہ نور اور وہ چاند سی طلعت نہیں رہی

وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی
خلقِ خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

دل میں تمہارے یار کی اُلفت نہیں رہی
حالت تمہاری جاذب نصرت نہیں رہی

حمق آگیا ہے سر میں وہ فطنت نہیں رہی
کسل آگیا ہے دل میں جلادت نہیں رہی

وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی
وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی

دنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی

وہ اُنس وشوق و وجد وہ طاعت نہیں رہی
ظلمت کی کچھ بھی حدّ و نہایت نہیں رہی

ہر وقت جھوٹ۔ سچ کی تو عادت نہیں رہی
نورِ خدا کی کچھ بھی علامت نہیں رہی

سوسو ہے گند دل میں طہارت نہیں رہی
نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی

خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی — دیں بھی ہے ایک قشر حقیقت نہیں رہی

مولیٰ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی — دل مر گئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی

سب پر یہ اِک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی — اِک پُھوٹ پڑ رہی ہے مودّت نہیں رہی

تم مر گئے تمہاری وہ عظمت نہیں رہی — صورت بگڑ گئی ہے وہ صورت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی — بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے — کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے

ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو — عادت میں اپنے کر لیا فسق و گناہ کو

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے — مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

اے قوم تم پہ یار کی اب وہ نظر نہیں — روتے رہو دعاؤں میں بھی وہ اثر نہیں

کیونکر ہو وہ نظر کہ تمہارے وہ دل نہیں — شیطاں کے ہیں خدا کے پیارے وہ دل نہیں

تقویٰ کے جامے جتنے تھے سب چاک ہو گئے — جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہو گئے

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہو گئے — باقی جو تھے وہ ظالم و سفّاک ہو گئے

اب تم تو خود ہی موردِ خشمِ خدا ہوئے — اُس یار سے بشامتِ عصیاں جُدا ہوئے

اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے — تم خود ہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے

سچ سچ کہو کہ تم میں امانت ہے اب کہاں — وہ صدق اور وہ دین و دیانت ہے اب کہاں

پھر جبکہ تم میں خود ہی وہ ایماں نہیں رہا — وہ نور مومنانہ وہ عرفاں نہیں رہا

پھر اپنے کفر کی خبر اے قوم لیجئے — آیت **علیکم انفسکم** یاد کیجئے

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا — اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائے گا

اے غافلو! یہ باتیں سراسر دروغ ہیں — بہتاں ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا — یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

اب سال سترہ بھی صدی سے گذر گئے — تم میں سے ہائے سوچنے والے کِدھر گئے

تھوڑے نہیں نشاں جو دکھائے گئے تمہیں — کیا پاک راز تھے جو بتائے گئے تمہیں

پر تم نے اُن سے کچھ بھی اُٹھایا نہ فائدہ — مُنہ پھیر کر ہٹا دیا تم نے یہ مائدہ

بخلوں سے یارو باز بھی آؤ گے یا نہیں — خو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں

باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں — حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں

اب عذر کیا ہے کچھ بھی بتاؤ گے یا نہیں — مخفی جو دل میں ہے وہ سُناؤ گے یا نہیں

آخر خدا کے پاس بھی جاؤ گے یا نہیں — اُس وقت اُس کو مُنہ بھی دکھاؤ گے یا نہیں

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار — اب اُس کا فرض ہے کہ وہ دل کر کے اُستوار

لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے — اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 77 تا 80)

جلسہ سالانہ کا انعقاد خالص دینی مقاصد پر مشتمل ہے

جلسہ سالانہ کو بدعت قرار دیئے جانے کے اعتراض کا جواب

اس زمانہ کے علماء کی حالت

’’قرب قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ایک بڑی نشانی ہے جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو امام بخاری اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے لائے ہیں اور وہ یہ ہے۔ **يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسَئَلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا** یعنی بباعث فوت ہو جانے علماء کے علم فوت ہو جائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں ملے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا مقتداء اور سردار قرار دے دیں گے اور مسائل دینی کی دریافت کے لئے ان کی طرف رجوع کریں گے۔ تب وہ لوگ بباعث جہالت اور عدم ملکہ استنباط مسائل خلاف طریق صدق وصواب فتویٰ دیں گے۔ پس آپ بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ اس زمانہ کے فتویٰ دینے والے یعنی مولوی اور محدث اور فقیہ ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے جو روئے زمین پر رہتے ہوں گے۔ پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن اُن کے حنجروں کے نیچے نہیں اُترے گا یعنی اس پر عمل نہیں کریں گے۔ ایسا ہی اس زمانہ کے مولویوں کے حق میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں مگر اس وقت ہم بطور نمونہ صرف اس حدیث کا ثبوت دیتے ہیں جو غلط فتووں کے بارے میں ہم اُوپر لکھے چکے ہیں تا ہر یک کو معلوم ہو کہ آجکل اگر مولویوں کے وجود سے کچھ فائدہ ہے تو صرف اس قدر کہ ان کے یہ لچھن دیکھ کر قیامت یاد آتی ہے اور قرب قیامت کا پتہ لگتا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی پوری پوری تصدیق ہم بچشم خود مشاہدہ کرتے ہیں۔‘‘

جلسہ سالانہ کے انعقاد کا پس منظر

’’اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ سال گذشتہ میں بمشورہ اکثر احباب یہ بات قرار پائی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں بہ نیت استفادہ ضروریات دین و مشورہ اعلاءِ کلمہ اسلام و شرع متین اس عاجز سے ملاقات کریں اور اس مشورہ کے وقت یہ بھی قرین مصلحت سمجھ کر مقرر کیا گیا تھا کہ 27 دسمبر کو اس غرض سے قادیان میں آنا اَنسب اور اَولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ تعطیل کے دن ہیں اور ملازمت پیشہ لوگ ان دنوں میں فرصت اور فراغت رکھتے ہیں اور بباعث ایام سرمایہ دن سفر کے مناسب حال بھی ہیں۔ چنانچہ احباب اور مخلصین نے اس مشورہ پر اتفاق کر کے خوشی ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ یہ بہتر ہے۔ اب 7 دسمبر 1892ء کو اسی بناء پر اس عاجز نے ایک خط بطور اشتہار کے تمام مخلصوں کی خدمت میں بھیجا جو ریاض ہند پریس قادیان میں چھپا تھا جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض یہ بھی ہے کہ تا ہر یک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کے معلومات دینی وسیع ہوں اور معرفت ترقی پذیر ہو۔‘‘

لاہور کی ایک مسجد کے امام کا عجیب فتویٰ

’’اب سنا گیا ہے کہ اس کارروائی کو بدعت بلکہ معصیت ثابت کرنے کے لئے ایک بزرگ نے ہمت کر کے ایک مولوی صاحب کی خدمت میں جو رحیم بخش نام رکھتے ہیں اور لاہور میں چینیاں والی مسجد کے امام ہیں ایک استفتاء پیش کیا جس کا یہ مطلب تھا کہ ایسے جلسہ پر روز معین پر دور سے سفر کر کے جانے میں کیا حکم ہے اور ایسے جلسہ کے لئے اگر کوئی مکان بطور خانقاہ کے تعمیر کیا جائے تو ایسے مدد دینے والے کی نسبت کیا حکم ہے۔ استفتاء میں یہ آخری خبر اس لئے بڑھائی گئی جو مستفتی صاحب نے کسی سے سنا ہوگا جو حبی فی اللہ اخویم مولوی حکیم نور الدین صاحب نے اس مجمع مسلمانوں کے لئے اپنے صرف سے جو غالباً سات سو روپیہ یا کچھ اس سے

زیادہ ہوگا، قادیان میں ایک مکان بنوایا جس کی امداد خرچ میں اخویم حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے بھی تین چار سو روپیہ دیا ہے۔اس استفتاء کے جواب میں میاں رحیم بخش صاحب نے ایک طول طویل عبارت ایک غیر متعلق حدیث شدّ رحال کے حوالہ سے لکھی ہے جس کے مختصر الفاظ یہ ہیں کہ ایسے جلسہ پر جانا بدعت بلکہ معصیت ہے اور ایسے جلسوں کا تجویز کرنا محدثات میں سے ہے جس کے لئے کتاب اور سنت میں کوئی شہادت نہیں اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردود ہے۔''

طلبِ علمِ دین کے لئے سفر کی فضیلت

''اب منصف مزاج لوگ ایماناً کہیں کہ ایسے مولویوں اور مفتیوں کا اسلام میں موجود ہونا قیامت کی نشانی ہے یا نہیں۔اے بھلے مانس! کیا تجھے خبر نہیں کہ علم دین کے لئے سفر کرنے کے بارے میں صرف اجازت ہی نہیں بلکہ قرآن اور شارع علیہ السلام نے اس کو فرض ٹھہرا دیا ہے جس کا عمداً تارک مرتکب کبیرہ اور عمداً انکار پر اصرار بعض صورتوں میں کُفر۔کیا تجھے معلوم نہیں کہ نہایت تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ اور فرمایا گیا ہے کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ لَوْ کَانَ فِی الصِّیْنِ یعنی علم طلب کرنا ہر یک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں جانا پڑے۔اب سوچو کہ جس حالت میں یہ عاجز اپنے صریح صریح اور ظاہر ظاہر الفاظ سے اشتہار میں لکھ چکا کہ یہ سفر ہر یک مخلص کا طلب علم کی نیت سے ہوگا۔پھر یہ فتویٰ دینا کہ جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردود ہے کس قدر دیانت اور امانت اور انصاف اور تقویٰ اور طہارت سے دور ہے۔رہی یہ بات کہ ایک تاریخ مقررہ پر تمام بھائیوں کا جمع ہونا تو یہ صرف انتظام ہے اور انتظام سے کوئی کام کرنا اسلام میں کوئی مذموم امر اور بدعت نہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بدظنی کے مادہ فاسدہ کو ذرا دور کر کے دیکھو کہ ایک تاریخ پر آنے میں کونسی بدعت ہے جب کہ 27 دسمبر کو ہر یک مخلص

بآسانی ہمیں مل سکتا ہے اور اس کے ضمن میں ان کی باہم ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔تو اس سہل طریق سے فائدہ اٹھانا کیوں حرام ہے۔تعجب کہ مولوی صاحب نے اس عاجز کا نام مردود تو رکھ دیا مگر آپ کو وہ حدیثیں یاد نہ رہیں جن میں طلب علم کے لئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نسبت ترغیب دی ہے اور جن میں ایک بھائی مسلمان کی ملاقات کے لیے جانا موجب خوشنودی خدائے عزوجل قرار دیا ہے اور جن میں سفر کر کے زیارت صالحین کرنا موجب مغفرت اور کفارہ گناہاں لکھا ہے۔“

مختلف اغراض کے لئے سفر

”اور یاد رہے کہ یہ سراسر جہالت ہے کہ شدّ رحال کی حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ بجز قصد خانہ کعبہ یا مسجد نبویؐ یا بیت المقدس اَور تمام سفر حرام ہیں۔یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو مختلف اغراض کے لئے سفر کرنے پڑتے ہیں۔کبھی سفر طلب علم ہی کے لیے ہوتا ہے اور کبھی سفر ایک رشتہ دار یا بھائی یا بہن یا بیوی کی ملاقات کے لئے۔یا مثلاً عورتوں کا سفر اپنے والدین کے ملنے کے لئے یا والدین کا اپنی لڑکیوں کی ملاقات کے لئے اور کبھی مرد اپنی شادی کے لئے اور کبھی تلاش معاش کے لئے اور کبھی پیغام رسانی کے طور پر اور کبھی زیارت صالحین کے لئے سفر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنی کے ملنے کے لئے سفر کیا تھا اور کبھی سفر جہاد کے لئے بھی ہوتا ہے خواہ وہ جہاد تلوار سے ہو اور خواہ بطور مباحثہ کے اور کبھی سفر بہ نیت مباہلہ ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور کبھی سفر اپنے مرشد کے ملنے کے لئے جیسا کہ ہمیشہ اولیاء کبار جن میں سے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ اور حضرت بایزید بسطامی اور حضرت معین الدین چشتی اور حضرت مجدّد الف ثانی بھی ہیں۔اکثر اس غرض سے بھی سفر کرتے رہے جن کے سفر نامے اکثر اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اب تک پائے جاتے ہیں اور کبھی سفر فتویٰ پوچھنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے اس کا جواز بلکہ بعض

صورتوں میں وجوب ثابت ہوتا ہے‘‘

قرآن اور حدیث میں مختلف سفروں کی ترغیب

’’اور امام بخاری کے سفر طلب علم حدیث کے لئے مشہور ہیں شاید میاں رحیم بخش کو خبر نہیں ہوگی اور کبھی سفر عجائبات دنیا کے دیکھنے کے لئے بھی ہوتا ہے جس کی طرف آیت کریمہ **قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ** (الانعام :12) اشارت فرما رہی ہے اور کبھی سفر صادقین کی صحبت میں رہنے کی غرض سے جس کی طرف آیت کریمہ **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْمَعَ الصّٰدِقِیْنَ** (التوبۃ :119) ہدایت فرماتی ہے اور کبھی سفر عیادت کے لئے بلکہ اتباع خیار کے لئے بھی ہوتا ہے اور کبھی بیمار یا بیماردار علاج کرانے کی غرض سے سفر کرتا ہے اور کبھی کسی مقدمہ عدالت یا تجارت وغیرہ کے لئے بھی سفر کیا جاتا ہے اور یہ تمام قسم سفر کی قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے رُو سے جائز ہیں بلکہ زیارت صالحین اور ملاقات اخوان اور طلب علم کے سفر کی نسبت احادیث صحیحہ میں بہت کچھ حثّ و ترغیب پائی جاتی ہے۔ اگر اس وقت وہ تمام حدیثیں لکھی جائیں تو ایک کتاب بنتی ہے۔ ایسے فتویٰ لکھانے والے اور لکھنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو بھی تو اکثر اس قسم کے سفر پیش آ جاتے ہیں۔ پس اگر بجز تین مسجدوں کے اور تمام سفر کرنے حرام ہیں تو چاہیے کہ یہ لوگ اپنے تمام رشتے ناطے اور عزیز اقارب چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور کبھی اُن کی ملاقات یا ان کی غم خواری یا ان کی بیمار پُرسی کے لئے بھی سفر نہ کریں۔ میں خیال نہیں کرتا کہ بُجز ایسے آدمی کے جس کو تعصب اور جہالت نے اندھا کر دیا ہو۔ وہ ان تمام سفروں کے جواز میں متامل ہو سکے۔ صحیح بخاری کا صفحہ 16 کھول کر دیکھو کہ سفر طلب علم کے لئے کس قدر بشارت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ **مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ بِہٖ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ** یعنی جو شخص طلب علم کے لئے سفر کرے اور کسی راہ پر چلے تو خدا تعالیٰ بہشت کی راہ اس پر آسان کر دیتا ہے۔ اب اے ظالم مولوی ذرا انصاف کر کہ تو نے اپنے بھائی کا نام جو تیری طرح

کلمہ گو، اہل قبلہ اور اللہ رسولؐ پر ایمان لاتا ہے، مردود رکھا اور خدا تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بکلی محروم قرار دیا اور اس صحیح حدیث بخاری کی بھی کچھ پرواہ نہ کی کہ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِہٖ اَوْ نَفْسِہٖ اور مردود ٹھہرانے کی اپنے فتویٰ میں وجہ یہ ٹھہرائی کہ ایسا اشتہار کیوں شائع کیا اور لوگوں کو جلسہ پر بلانے کے لئے کیوں دعوت کی۔ اے ناخداترس ذرا آنکھ کھول اور پڑھ کہ اس اشتہار 7 دسمبر 1892ء کا کیا مضمون ہے۔ کیا اپنی جماعت کو طلب علم اور حل مشکلات دین اور ہمدردی اسلام اور برادرانہ ملاقات کے لئے بلایا ہے یا اس میں کسی اور میلہ تماشا اور راگ اور سرود کا ذکر ہے۔ اے اس زمانہ کے ننگ اسلام مولویو! تم اللہ جل شانہٗ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ کیا ایک دن مرنا نہیں یا ہر یک مؤاخذہ تم کو معاف ہے۔ حق بات کو سن کر اور اللہ اور رسولؐ کے فرمودہ کو دیکھ کر تمہیں یہ خیال تو نہیں آتا کہ اب اپنی ضد سے باز آجائیں بلکہ مقدمہ باز لوگوں کی طرح یہ خیال آتا ہے کہ آؤ کسی طرح باتوں کو بنا کر اس کا ردّ چھاپیں تا لوگ نہ کہیں کہ ہمارے مولوی صاحب کو کچھ جواب نہ آیا۔ اس قدر دلیری اور بددیانتی اور یہ بخل اور بغض کس عمر کے لئے۔ آپ کو فتویٰ لکھنے کے وقت وہ حدیثیں یاد نہ رہیں جن میں علم دین کے لیے اور اپنے شبہات دور کرنے کے لئے اور اپنے دینی بھائی اور عزیزوں کو ملنے کے لئے سفر کرنے کو موجب ثواب کثیر واجر عظیم قرار دیا ہے بلکہ زیارت صالحین کے لئے سفر کرنا قدیم سے سنت سلف صالح چلی آئی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے دن ایک شخص اپنی بداعمالی کی وجہ سے سخت مؤاخذہ میں ہوگا تو اللہ جل شانہٗ اس سے پوچھے گا کہ فلاں صالح آدمی کی ملاقات کے لئے کبھی تو گیا تھا تو وہ کہے گا بالارادہ تو کبھی نہیں گیا مگر ایک دفعہ ایک راہ میں اس کی ملاقات ہوگئی تھی۔ تب خدا تعالیٰ کہے گا کہ جا بہشت میں داخل ہو۔ میں نے اسی ملاقات کی وجہ سے تجھے بخش دیا۔ اب اے کوتہ نظر مولوی ذرا نظر کر کہ یہ حدیث

کس بات کی ترغیب دیتی ہے۔‘‘

اس اعتراض کا جواب کہ جلسہ کے لئے خاص تاریخ کیوں مقرر کی؟

’’اور اگر کسی کے دل میں یہ دھوکہ ہو کہ اس دینی جلسہ کے لئے ایک خاص تاریخ کیوں مقرر کی ایسا فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کب ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کو دیکھو کہ اہل بادیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسائل کے دریافت کرنے کے لئے اپنی فرصت کے وقتوں میں آیا کرتے تھے اور بعض خاص خاص مہینوں میں ان کے گروہ فرصت پا کر حاضر خدمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوا کرتے تھے اور صحیح بخاری میں ابی جمرہ سے روایت ہے **قَالَ اِنَّ وَفدَ عَبدِ القَیسِ اَتَوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا اِنَّا نَأْتِیکَ مِنْ شُقَّۃٍ بَعِیدَۃٍ وَ لَا نَستَطِیعُ اَنْ نَاْتِیکَ اِلَّا فِیْ شَھْرٍ حَرَامٍ** یعنی ایک گروہ قبیلہ عبدالقیس کے پیغام لانے والوں کا جو اپنی قوم کی طرف سے آئے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہم لوگ دور سے سفر کر کے آتے ہیں اور بجز حرام مہینوں کے ہم حاضر خدمت نہیں ہو سکتے اور ان کے قول کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ردّ نہیں کیا اور قبول کیا۔ پس اس حدیث سے بھی یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جو لوگ طلب علم یا دینی ملاقات کے لئے کسی اپنے مقتداء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیں۔ وہ اپنی گنجایش فرصت کے لحاظ سے ایک تاریخ مقرر کر سکتے ہیں۔ جس تاریخ میں وہ بآسانی اور بلاحرج حاضر ہو سکیں اور یہی صورت 27 دسمبر کی تاریخ میں ملحوظ ہے کیونکہ وہ دن تعطیلوں کے ہوتے ہیں اور ملازمت پیشہ لوگ بسہولت اُن دنوں میں آ سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اس دین میں کوئی حرج کی بات نہیں رکھی گئی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مثلاً کسی تدبیر یا انتظام سے ایک کام جو دراصل جائز اور روا ہے سہل اور آسان ہو سکتا ہے تو وہی تدبیر اختیار کر لو کچھ مضائقہ نہیں ان باتوں کا نام بدعت رکھنا ان اندھوں کا کام

ہے جن کو نہ دین کی عقل دی گئی نہ دنیا کی۔امام بخاری نے اپنی صحیح میں کسی دینی تعلیم کی مجلس پر تاریخ مقرر کرنے کے لئے ایک خاص باب منعقد کیا ہے جس کا یہ عنوان ہے **مَنْ جَعَلَ لِاَ هْلِ الْعِلْمِ اَیَّامًا مَّعْلُوْمَةً** یعنی علم کے طالبوں کے افادہ کے لئے خاص دنوں کو مقرر کرنا بعض صحابہ کی سُنت ہے۔اس ثبوت کے لئے امام موصوف اپنی صحیح میں ابی وائل سے یہ راویت کرتے ہیں **کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یُذَ کِّرُ النَّاسَ فِی کُلِّ خَمِیْسٍ** یعنی عبداللہ نے اپنے وعظ کے لئے جمعرات کا دن مقرر کر رکھا تھا اور جمعرات میں ہی اس کے وعظ پر لوگ حاضر ہوتے تھے۔یہ بھی یاد رہے کہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں تدبیر اور انتظام کے لئے ہمیں حکم فرمایا ہے اور ہمیں مامور کیا ہے کہ جو احسن تدبیر اور انتظام خدمت اسلام کے لئے ہم قرینِ مصلحت سمجھیں اور دشمن پر غالب ہونے کے لئے مفید خیال کریں وہی بجا لاویں جیسا کہ وہ عزاسمہٗ فرماتا ہے **وَاَعِدُّوْ الَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** (الانفال : 61) یعنی دینی دشمنوں کے لئے ہر یک قسم کی طیاری جو کر سکتے ہو کرو اور اعلاء کلمہ اسلام کے لئے جو قوت لگا سکتے ہو لگاؤ۔اب دیکھو کہ یہ آیت کریمہ کس قدر بلند آواز سے ہدایت فرما رہی ہے کہ جو تدبیریں خدمت اسلام کے لئے کارگر ہوں سب بجالاؤ اور تمام قوت اپنے فکر کی ،اپنے بازو کی ،اپنی مالی طاقت کی ،اپنے احسن انتظام کی ،اپنی تدبیر شائستہ کی اس راہ میں خرچ کرو تا تم فتح پاؤ۔اب نادان اور اندھے اور دشمن دین مولوی اس صَرف قوت اور حکمت عملی کا نام بدعت رکھتے ہیں۔اس وقت کے یہ لوگ عالم کہلاتے ہیں جن کو قرآن کریم کی ہی خبر نہیں ۔ **اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔‘‘

اسلام کی تبلیغ کے لئے حسن انتظام بدعت نہیں کہلا سکتا

’’اس آیت موصوفہ بالا پر غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ برطبق حدیث نبوی کہ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ** کوئی احسن انتظام اسلام کی خدمت کے لئے سوچنا بدعت اور ضلالت میں داخل نہیں ہے جیسے جیسے بوجہ تبدل زمانہ کے اسلام کو نئی نئی صورتیں مشکلات کی پیش آتی یا نئے نئے

طور پر ہم لوگوں پر مخالفوں کے حملے ہوتے ہیں ویسی ہی ہمیں نئی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔ پس اگر حالت موجودہ کے موافق ان حملوں کے روکنے کی کوئی تدبیر اور تدارک سوچیں تو وہ ایک تدبیر ہے بدعات سے اس کو کچھ تعلق نہیں اور ممکن ہے کہ بباعث انقلاب زمانہ کے ہمیں بعض ایسی نئی مشکلات پیش آ جائیں جو ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس رنگ اور طرز کی مشکلات پیش نہ آئی ہوں مثلاً ہم اس وقت کی لڑائیوں میں پہلی طرز کو جو مسنون ہے اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ اس زمانہ میں طریق جنگ و جدل بالکل بدل گیا ہے اور پہلے ہتھیار بیکار ہو گئے اور نئے ہتھیار لڑائیوں کے پیدا ہوئے۔ اب اگر ان ہتھیاروں کو پکڑنا اور اُٹھانا اور اُن سے کام لینا ملوک اسلام بدعت سمجھیں اور میاں رحیم بخش جیسے مولوی کی بات پر کان دھر کے ان اسلحہ جدیدہ کا استعمال کرنا ضلالت اور معصیت خیال کریں اور یہ کہیں کہ یہ وہ طریق جنگ ہے کہ نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا اور نہ صحابہؓ اور تابعین نے تو فرمائیے کہ بُجز اس کے کہ ایک ذلّت کے ساتھ اپنی ٹوٹی پھوٹی سلطنتوں سے الگ کئے جائیں اور دشمن فتح یاب ہو جائے، کوئی اَور بھی اس کا نتیجہ ہوگا۔ پس ایسے مقامات تدبیر اور انتظام میں خواہ وہ مشابہ جنگ و جدل ظاہری ہو یا باطنی اور خواہ تلوار کی لڑائی ہو یا قلم کی، ہماری ہدایت پانے کے لئے یہ آیت کریمہ موصوفہ بالا کافی ہے یعنی یہ کہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال: 61) اللہ جل شانہٗ اس آیت میں ہمیں عام اختیار دیتا ہے کہ دشمن کے مقابل پر جو احسن تدبیر تمہیں معلوم ہو اور جو طرز تمہیں مؤثر اور بہتر دکھائی دے وہی طریق اختیار کرو۔ پس اب ظاہر ہے کہ اس احسن انتظام کا نام بدعت اور معصیت رکھنا اور انصار دین کو جو دن رات اعلاء کلمہ اسلام کے فکر میں ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حُبُّ الْاَنْصَارِ مِنَ الْاِيْمَانِ ان کو مردود ٹھہرانا نیک طینت انسانوں کا کام نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کی روحانی صورتیں مسخ شدہ ہیں اور اگر یہ کہو کہ یہ حدیث حُبُّ الْاَنْصَارِ مِنَ

اَلْاِیْمَان وَبُغْضُ الْاَنْصَارِ مِنَ النِّفَاقِ یعنی انصار کی محبت ایمان کی نشانی اور انصار سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔ یہ ان انصار کے حق میں ہے جو مدینہ کے رہنے والے تھے نہ عام اور تمام انصار تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو اس زمانہ کے بعد انصار رسول اللہ ہوں ان سے بغض رکھنا جائز ہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ حدیث گو ایک خاص گروہ کے لئے فرمائی گئی مگر اپنے اندر عموم کا فائدہ رکھتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر آیتیں خاص گروہ کے لئے نازل ہوئیں مگر ان کا مصداق عام قرار دیا گیا ہے۔ غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدموں پر چل رہے ہیں مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے، راستباز علماء اس سے باہر ہیں۔ صرف خاص مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے۔ ہر یک مسلمان کو دعا کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں کے وجود سے رہائی بخشے کیونکہ اسلام پر اب ایک نازک وقت ہے اور یہ نادان دوست اسلام پر ٹھٹھا اور ہنسی کرانا چاہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو صریح ہر یک شخص کے نور قلب کو خلاف صداقت نظر آتی ہیں۔ امام بخاری پر اللہ تعالیٰ رحمت کرے۔ انہوں نے اس بارے میں بھی اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے۔ چنانچہ وہ اس باب میں لکھتے ہیں۔ قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَدِّثُو االنَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اور بخاری کے حاشیہ میں اس کی شرح میں لکھا ہے اَیْ تَکَلَّمُو االنَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ یعنی لوگوں سے اللہ اور رسولؐ کے فرمودہ کی وہ باتیں کرو جو اُن کو سمجھ جائیں اور ان کو معقول دکھائی دیں۔ خوانخواہ اللہ رسولؐ کی تکذیب مت کراؤ۔ اب ظاہر ہے کہ جو مخالف اس بات کو سُنے گا کہ مولوی صاحبوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بجُز تین مسجدوں یا ایک دو اور محل کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں۔ ایسا مخالف اسلام پر ہنسے گا اور شارع علیہ السّلام کی تعلیم میں نقص نکالنے کے لئے اس کو موقع ملے گا۔ اس کو یہ تو خبر نہیں ہوگی کہ کسی بخل کی بناء پر یہ صرف مولوی کی شرارت ہے یا اس کی بے وقوفی ہے وہ تو سیدھا ہمارے سیّد و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا جیسا کہ

انہیں مولویوں کی ایسی ہی کئی مفسدانہ باتوں سے عیسائیوں کو بہت مدد پہنچ گئی۔مثلاً جب مولویوں نے اپنے منہ سے اقرار کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نعوذ باللہ مُردہ ہیں مگر حضرت عیسیٰ قیامت تک زندہ ہیں تو وہ لوگ اہل اسلام پر سوار ہو گئے اور ہزاروں سادہ لوحوں کو انہوں نے انہیں باتوں سے گمراہ کیا اوران بے تمیزوں نے یہ نہیں سمجھا کہ انبیاء تو سب زندہ ہیں مُردہ تو اُن میں سے کوئی بھی نہیں۔معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی سب زندہ تھے۔دیکھئے اللہ جلّشانہٗ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زندگی کی قرآن کریم میں خبر دیتا ہے اورفرماتا ہے فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ (السجدة: 24) اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا اور آسمان پر اُٹھائے جانا اور رفیق اعلیٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کون سی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو برابر زندہ پایا اور حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک محدث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ ان کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے لیکن یہ مولوی ایسے فتنوں سے باز نہیں آتے اور محض اس عاجز سے مخالفت ظاہر کرنے کے لئے دین سے نکلتے جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ ان سب کو صفحہ زمین سے اُٹھا لے تو بہتر ہے تا دین اسلام ان کی تحریفوں سے بچ جائے۔ذرا انصاف کرنے کا محل ہے کہ صدہا لوگ طلب علم یا ملاقات کے لئے نذیر حسین خشک معلم کے پاس دہلی میں جائیں اور وہ سفر جائز ہو اور پھر خود نذیر حسین صاحب بٹالوی صاحب کا ولیمہ کھانے کے لئے بدیں عمر و پیرانہ سالی دوسو کوس کا سفر اختیار کر کے بٹالہ میں پہنچیں اور وہ سفر بالکل روا ہو اور پھر شیخ بٹالوی صاحب سال بسال انگریزوں کے ملنے کیلئے

شملہ کی طرف دوڑتے جائیں تا دنیوی عزت حاصل کرلیں اور وہ سفر ممنوع اور حرام شمار نہ کیا جائے اور ایسا ہی بعض مولوی وعظ کا نام لے کر پیٹ بھرنے کے لئے مشرق اور مغرب کی طرف گھومتے پھریں اور وہ سفر جائے اعتراض نہ ہو اور کوئی ان لوگوں پر بدعتی اور بداعمال اور مردود ہونے کے فتوے نہ دے مگر جبکہ یہ عاجز باذن وامرالٰہی دعوت حق کے لئے مامور ہو کر طلب علم کے لئے اپنی جماعت کے لوگوں کو بلاوے تو وہ سفر حرام ہو جائے اور یہ عاجز اس فعل کی وجہ سے مردود کہلاوے۔ کیا یہ تقویٰ اور خداترسی کا طریق ہے۔''

ہر زمانہ انتظامات جدیدہ کو چاہتا ہے

''افسوس کہ یہ نادان یہ بھی نہیں جانتے کہ تدبیر اور انتظام کو بدعات کی مَد میں داخل نہیں کر سکتے۔ ہر یک وقت اور زمانہ انتظامات جدیدہ کو چاہتا ہے۔ اگر مشکلات کی جدید صورتیں پیش آویں تو بجز جدید طور کی تدبیروں کے اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پس کیا یہ تدبیریں بدعات میں داخل ہو جائیں گی۔ جب اصل سنت محفوظ ہو اور اسی کی حفاظت کیلئے بعض تدابیر کی ہمیں حاجت پڑے تو کیا وہ تدابیر بدعت کہلائیں گی معاذ اللہ ہر گز نہیں۔ بدعت وہ ہے جو اپنی حقیقت میں سنت نبویہ کے معارض اور نقیض واقع ہوں اور آثار نبویہ میں اس کام کے کرنے کے بارے میں زجر اور تہدید پائی جائے اور اگر صرف جدت انتظام اور نئی تدبیر پر بدعت کا نام رکھنا ہے تو پھر اسلام میں بدعتوں کو گنتے جاؤ کچھ شمار بھی ہے۔ علم صَرف بھی بدعت ہوگا اور علم نحو بھی اور علم کلام بھی اور حدیث کا لکھنا اور اس کا مبوّب اور مرتب کرنا سب بدعات ہوں گے۔ ایسا ہی ریل کی سواری میں چڑھنا، کلوں کا کپڑا پہننا، ڈاک میں خط ڈالنا، تار کے ذریعہ سے کوئی خبر منگوانا اور بندوق اور توپوں سے لڑائی کرنا تمام یہ کام بدعات میں داخل ہوں گے بلکہ بندوق اور توپوں سے لڑائی کرنا نہ صرف بدعت بلکہ ایک گناہ عظیم ٹھہرے گا کیونکہ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ آگ کے عذاب سے کسی کو ہلاک کرنا سخت ممنوع ہے۔ صحابہؓ سے زیادہ سنت کا متبع کون

ہوسکتا ہے مگر انہوں نے بھی سنت کے وہ معنے نہ سمجھے جو میاں رحیم بخش صاحب نے سمجھے انہوں نے تدبیر اور انتظام کے طور پر بہت سے ایسے کام کئے کہ جو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے اور نہ قرآن کریم میں وارد ہوئے۔''

حضرت عمرؓ کے محدثات

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محدثات ہی دیکھو جن کا ایک رسالہ بنتا ہے۔اسلام کے لئے ہجری تاریخ انہوں نے مقرر کی اور شہروں کی حفاظت کے لئے کوتوال مقرر کئے اور بیت المال کے لئے ایک باضابطہ دفتر تجویز کیا۔جنگی فوج کے لئے قواعد رخصت اور حاضری ٹھہرائے اور ان کے لڑنے کے دستور مقرر کئے اور مقدمات مال وغیرہ کے رجوع کے لئے خاص خاص ہدائتیں مرتب کیں اور حفاظت رعایا کے لئے بہت سے قواعد اپنی طرف سے تجویز کر کے شائع کئے اور خود کبھی کبھی اپنے عہد خلافت میں پوشیدہ طور پر رات کو پھرنا اور رعایا کا حال اس طرح سے معلوم کرنا اپنا خاص کام ٹھہرایا۔لیکن کوئی ایسا نیا کام اس عاجز نے تو نہیں کیا۔صرف طلب علم اور مشورہ امداد اسلام اور ملاقات اخوان کے لئے یہ جلسہ تجویز کیا۔رہا مکان کا بنانا تو اگر کوئی مکان بہ نیت مہمانداری اور بہ نیت آرام ہر یک صادر و وارد بنانا حرام ہے تو اس پر کوئی حدیث یا آیت پیش کرنی چاہیے اور اخویم حکیم نورالدین صاحب نے کیا گناہ کیا کہ محض للہ اس سلسلہ کی جماعت کے لئے ایک مکان بنوا دیا۔جو شخص اپنی تمام طاقت اور اپنے مال عزیز سے دین کی خدمت کر رہا ہے اس کو جائے اعتراض ٹھہرانا کس قسم کی ایمانداری ہے۔اے حضرات مرنے کے بعد معلوم ہوگا، ذرا صبر کرو۔وہ وقت آتا ہے کہ ان سب منہ زوریوں سے سوال کئے جاؤ گے۔آپ لوگ ہمیشہ یہ حدیث پڑھتے ہیں کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو شناخت نہ کیا اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت پر مرا لیکن اس کی آپ کو کچھ بھی پرواہ نہیں کہ ایک شخص عین وقت پر یعنی چودھویں صدی کے سر پر آیا اور نہ صرف چودھویں صدی بلکہ عین

ضلالت کے وقت اور عیسائیت اور فلسفہ کے غلبہ میں اس نے ظہور کیا اور بتلایا کہ میں امام وقت ہوں اور آپ لوگ اس کے منکر ہو گئے اور اس کا نام کافر اور دجّال رکھا اور اپنے بدخاتمہ سے ذرا خوف نہ کیا اور جاہلیت پر مرنا پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی کہ تم پنجوقت نمازوں میں یہ دعا پڑھا کرو کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اے ہمارے خدا اپنے منعم علیہم بندوں کی ہمیں راہ بتا۔ وہ کون ہیں۔ نبی اور صدیق اور شہید اور صلحاء۔ اس دُعا کا خلاصہ مطلب یہی تھا کہ ان چاروں گروہوں میں سے جس کا زمانہ تم پاؤ اس کے سایۂ صحبت میں آ جاؤ اور اس سے فیض حاصل کرو۔ لیکن اس زمانہ کے مولویوں نے اس آیت پر خوب عمل کیا۔ آفرین آفرین میں ان کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اس اندھے سے مشابہ ہیں جو دوسروں کی آنکھوں کا علاج کرنے کے لئے بہت زور کے ساتھ لاف وگزاف مارتا ہے اور اپنی نابینائی سے غافل ہے۔

بالآخر میں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ اگر مولوی رحیم بخش صاحب اب بھی اس فتویٰ سے رجوع نہ کریں تو میں ان کو اللہ جلّشانہٗ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر وہ طالب حق ہیں تو اس بات کے تصفیہ کے لئے میرے پاس قادیان میں آ جائیں میں ان کی آمد ورفت کا خرچ دے دوں گا اور ان پر کتابیں کھول کر اور قرآن اور حدیث دکھلا کر ثابت کر دوں گا کہ یہ فتویٰ ان کا سراسر باطل اور شیطانی اغوا سے ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

17 دسمبر 1892ء خاکسار **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور

مطبوعہ ریاض ہند“

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 605 تا 612)